

247

سیر النبی ﷺ

تلخیص

تالیف

مولانا شبلی نعمانی

تلخیص

احسان بی بی



مقبول ایڈمی

۱۹۹۱ء سکر رورڈ چوک نازکی لاہور



28357

9/1

✓ ۲۹۷۹۹۲۱

حصہ ۲۱

کے ۲۱

مجلد حقوق محفوظ

اہتمام ملک مقبول احمد

مطبع حسن بشیر پرنٹرز، لاہور

قیمت ۱۵۰/- روپے

©

مقبول اکیڈمی، لاہور

ترتیب

- ۱۔ معروضات و اعتذار ۷
- ۲۔ سرنامہ ۲۹
- ۳۔ عرب ۲۱
- ۴۔ سلسلہ اسماعیلی ۵۷
- ۵۔ ظہور قدسی ۶۹
- ۶۔ آفتاب رسالت کا طلوع ۹۱
- ۷۔ مدینہ منورہ اور انصار ۱۲۵
- ۸۔ ہجرت سلسلہ ۱۳۵
- ۹۔ تحویل قبلہ اور آغاز غزوات ۱۵۹
- ۱۰۔ غزوہ بدر ۱۶۹
- ۱۱۔ غزوہ احد ۱۹۱
- ۱۲۔ سلسلہ غزوات و سردایا ۲۰۹
- ۱۳۔ یہودیوں کے ساتھ معاملہ اور جنگ ۲۱۷
- ۱۴۔ غزوہ مریض، واقعہ انک اور غزوہ احزاب ۲۲۷
- ۱۵۔ صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان ۲۴۹

- ۲۶۱ - سلاطین کو اسلام کی دعوت
- ۲۷۱ - خیبر
- ۲۸۹ - غزوہ موتہ
- ۲۹۳ - فتح مکہ
- ۳۰۷ - ہوازن اور ثقیف
- ۳۱۹ - واقعہ ایلاء و تحییر و غزوہ تبوک
- ۳۳۳ - تبلیغ و اشاعت اسلام
- ۳۵۳ - وفود عرب
- ۳۷۱ - تقاسیس حکومت الہی
- ۴۱۵ - سال اخیر
- ۴۳۱ - وفات
- ۴۴۶ - اشاریہ

معروضات و اعتمدار

مغرب کے سامراجی تو سیمع پسندانہ عزائم کی ابتدا ان خون آشام جنگوں سے ہوتی ہے جو مذہب کے نام پر لڑی گئیں اور جن کا اعلان کروہ مقصد مسیحیت کے خود ساختہ مرکز بیت المقدس کو مغربی اقوام کے لئے آزاد کرانا تھا۔ تاریخ ان جنگوں کو صلیبی جنگوں کا نام دیتی ہے۔ اس وقت کی اس جنگ عالمگیر کے اصل محرک کلیسا کے پیشوا تھے جو مغرب میں اپنے تسلیم شدہ اثر و نفوذ کو مشرق تک وسیع کر دینا چاہتے تھے۔ ان کی سب سے اہم ضرورت

یہ تھی کہ یورپ کے وہ مختلف خود مختار حکومتی گروہ جو جغرافیائی اور قبیلوی سیاست پر ایمان رکھتے تھے ان کے جھنڈے تلے جمع ہوں اور متحد ہو کر ان کی جنگ لڑیں۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کلیسائی سیاست دانوں نے اسلام سے نفرت کو مرکزی نقطے کی حیثیت میں پیش کیا اور تمام مسیحی ملکوں کو اس نقطے پر جمع ہونے کی دعوت دی۔

نفرت کے مبلغ

اس زمانے میں یورپ کا نظام تعلیم کلیسائی تھا۔ یعنی ہر کلیسا کے ساتھ ایک مدرسہ ملحق تھا جو ایسی تعلیم و تربیت کے لئے وقف ہوتا تھا جس کے ذریعے کلیسائے روم کے دیوی اور سیاست کے وفادار پیدا کئے جاسکیں۔ یہ درس عام آدمی کے لئے کھلے نہ تھے بلکہ اس میں صرف وہ لوگ داخل ہو سکتے تھے جو اپنی زندگی کو کلیسا کے مذہبی اور سیاسی عقائد کے لئے وقف کر دیں اور عمر بھر کے لئے اسی نظام کے ہو رہیں۔ ان مدرسوں کے فارغ التحصیل ذہنی اور روحانی طور پر کلیسا ہی کے ساتھ وابستہ ہوتے اور اُنہی کی پالیسیوں کو بروئے عمل لاتے تھے۔

جب کلیسا نے اسلام سے نفرت کو یورپ کا نقطہ اتحاد قرار دیا اور اس کی تبلیغ کی پالیسی کو نمایاں طور پر سیاسی پالیسی کے طور پر اختیار کیا تو کلیسائی مدرسوں کے فارغ التحصیل اس پالیسی کو بروئے عمل لانے کے لئے فوج اندر فوج پورے یورپ میں پھیل گئے۔ ان میں شعلہ نوا شاعر بھی تھے اور آتش افروز خطیب بھی۔ انہوں نے یورپ کے بہادروں کو اکسانے اور بھڑکانے میں جو کارنامے کئے وہ ان سطور کا موضوع نہیں، لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کلیسا کے ان وفادار فرزندوں نے یورپی اقوام کے سامنے اسلام کا جو نقشہ پیش کیا اُس کا دھندلا سا عکس دیکھ لینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ یورپ کے شہرہ آفاق مستشرق کاؤنٹ ہرنری ڈی گاسٹری کے الفاظ میں:—

”جس کسی نے بھی کوئی گیت یا قصیدہ لکھا ہے اس میں مسلمانوں کو مشرک، جت پرست، بے ایمان اور خارج از دین قرار دیا ہے۔ یہی شعراء مسلمانوں کے لئے تین خدا کے قائل ہیں، جو علی الترتیب اس طرح ہیں۔ پہلا ماہوم جس کو وہ ماہوم باؤمید

اور ماہر ہونڈ کھتے ہیں۔ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ اس کے بعد دوسرا ایلیٹن اوٹو سیرا
ترافاجانی۔ مسیحی شعراء یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ آپؐ نے ایک مذہبی پیکریت اپنے
سے تراشا اور لوگوں کو اپنی پرستش کی دعوت دی ہے۔

ڈی کاسٹری نے اپنی کتاب میں بے شمار مثالیں دی ہیں جن میں بعض کو فعل کفر نہ باشد کے
جواز اٹھکے باوجود پورا پڑھنا بھی ممکن نہیں۔ چند بے ضرر ترین مثالیں ملاحظہ کیجئے۔ ایک مؤرخ لکھتا ہے
"ایلیٹن مسلمانوں کا خدا ایک غار میں تھا۔ مسلمانوں نے شکست کھانے کے بعد اس
پر سنگ باری کی اور غمش اور مغلظت گالیاں دیں۔ اس کے ماتھ کاٹ دیئے۔ بھوکوں
اور لکڑیوں سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ شہنشاہ کارلوس جب سر قسط
میں داخل ہوا تو اس کے حکم سے حکومت کے لوگوں نے شہر کے اطراف گشت
کیا۔ مسجدوں اور سہراؤں میں داخل ہو کر ہتھوڑوں سے جروہ لگاتے ہیں اٹھائے
ہوئے تختے ماہر مہید اور تمام ثبوتوں کو توڑ دیا۔"

یہ یورپ کے ایک تاریخ دان محقق کی تحقیق ہے۔ "ریشار" اس زمانے کا شریف ترین شاعر
ہے۔ اس کے متعلق ڈی کاسٹری کی رائے ہے کہ اس کے یہاں خرافات نہیں۔ اپنے ایک
قصیدے میں اپنے بہادر وروں کو پکارتا ہے :-

"اٹھو! اور ماہر مہید اور ترافاجانی کے ہتھوڑوں کو سرنگوں کر دو، ان کو آگ میں
جھونک دو۔"

اودا اس طرح تم اپنے پروردگار کا تقرب حاصل کرو۔"

ملاحظہ کیجئے شاعر وروں کو کس اعتماد سے اپنی بے خبری کا بھانڈا بھڑکتا ہے :-
"ماہر مہید کی ساری تصویر سونے اور چاندی سے بنی ہے۔ اگر اُسے دیکھو تو
یقین کر لو گے کہ اس سے بہتر نقاشی ممکن نہیں۔ مسلمان جب کسی ایک جنگ میں
شکست کھا گئے تو ان کے سردار نے ایک شخص کو خدا کی تلاش میں مکتہ بھیجا۔
جہاں لوگوں نے یہ واقعہ دیکھا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ خدا یعنی ماہر مہید ایک شکر
جوار کے ساتھ نمودار ہوا۔"

یہ اور اسی قسم کی بے شمار خرافات اس دور کی یادگار ہیں۔ یہی مٹریچر آگے چل کر اسلام اور مسلمانوں کے متعلق یورپ کے علم کی اساس اور بنیاد بنا۔

دین دار بے دینوں کی دنیا میں

نشاة ثانیہ کے دور میں یورپ ان طاقتوں سے آہستہ آہستہ آزاد ہونے لگا جن میں کلیسا سے مبتلا رکھنا چاہتا تھا۔ اس آزادی کا پہلا دور مہم جو یا نہ سرگرمیوں کا دور ہے جس میں یورپ نے مشرق کی افسانوی دولت کو مغرب میں سمیٹ لینے کے لئے نئی تجارتی راہیں ڈھونڈنے کی کامیاب کوشش کی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب خاندان عثمانیہ کے بطل عظیم سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کر لینے کے بعد مشرق اور مغرب کی حد فاصل کو کلیئہ مسلمانوں کی مٹھی میں رکھ دیا تھا اور یورپ کے تاجروں کو مشرقی ممالک کے ساتھ تجارت کرنے کے لئے سلطان ترکی کی سلطنت میں سے ہو کر گزرنا پڑتا اور ترکی حکومت کی اجازت اور شرائط کے مطابق عمل کرنا پڑتا تھا۔ اس رکاوٹ نے یورپ کی نئی بیداری پر تازیانے کا کام کیا۔ ہندوستان کے دھوکے میں امریکہ دریافت ہوا اور ہندوستان کے ساحل تک اس امید کا راستہ دریافت ہو گیا۔ خشکی کے تجارتی راستوں کی اہمیت یکایک کم ہو گئی اور اس کی جگہ بحری راستے آہستہ آہستہ تاریخ میں اپنی اہمیت کا احساس دلانے لگے۔ دنیا کی سیاسی تاریخ ایک اہم موڑ مڑنے لگی۔ اس موڑ نے علم پر بھی اپنے اثرات مرتب کئے اور ایسے سیاح مسلمان ملکوں میں آئے جنہوں نے اپنے ملکوں میں رہنے والوں کو ان دور افتادہ لوگوں سے متعارف کرانے کے لئے سفر نامے لکھے۔

لیکن اپنے مافی الضمیر کو تحریر میں بیان کرنے پر قادر لوگ صرف وہی تھے جو کلیسا کی طریق تعلیم کے نارغ التحصیل تھے اور جن کے ذہن صلیبی جنگوں کی روایات کے تربیت یافتہ تھے۔ "دیندار" تھے جو "بے دینوں" کی دنیا میں آئے تھے۔ چنانچہ ان سفر ناموں کے ذریعے جہاں صلیبی جنگوں کے موڑ خوں اور شاعروں کی بعض ہرزہ سراہیوں کی تردید ہوئی وہاں کچھ نئی روایات بھی یورپ کے خزانہ علمی میں شامل ہو گئیں۔

اسلام اور مسلمانوں کے متعلق اس دور کی علمی خصوصیت یہ ہے کہ بحث پرستی اور شرک کے متعلق ان تمام تصورات کی تردید کر دی گئی جو صلیبی جنگوں نے مسلمانوں کے متعلق قائم کئے تھے اور ان "دینداروں" کی توجہ مسلمانوں کے مصدرِ قوت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی طرف ہو گئی۔ وحی اور حاملِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم، کلیسائی تصورات سے مادی حیرت تھیں۔ اس لئے ان کو جھوٹ فرض کر لینے کے بعد رسالت کے متعلق عجیب و غریب قسم کی دایا درج ہوئیں جو یورپ میں عام ہو گئیں۔ مسلمانوں اور اسلام کے متعلق یورپ کی معلومات کی یہ دوسری بنیاد ہے۔

سری

سیاست دانِ عالم

تلاش اور مہم جوئی کے اس دور کے فوراً بعد سیاسی تفوق اور تغلب کا دور شروع ہو جاتا ہے اور ہر قدر سیاست کے ماتحت آجاتی ہے۔ ہندوستان میں انگریزوں کو فرانسیسی اور ولندیزی حریفوں کے علاوہ ایک قانونی اور مستحکم حکومت سے بھی دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس لئے ان کی سیاست ایک محدود عرصے کے لئے تجارت کے ماتحت رہی، لیکن جب مقامی قانونی حکومت میں داخلی انتشار کی صورتیں نظر آنے لگیں تو اُستے اُستے تجارت کو سیاست کے ماتحت کر دیا گیا اور تجارت کے تحفظ کے لئے سیاست کے تفوق کی پالیسی اختیار کی گئی۔ انگریزوں کو اس میں بڑی تیزی سے کامیابی نصیب ہوئی اور بہت جلد ان کے سیاسی مراکز مضبوط ہونے لگے۔

اس کے ساتھ ساتھ کلیسا کے طریقِ تعلیم کے تربیت یافتہ اور فارغ التحصیل لوگ جنہیں عرف عام میں مشنری کہا جاتا ہے اپنے کام میں مصروف تھے اور نجی طور پر بے دینوں کو خداوند یسوع مسیح کی بھڑول میں شامل کرنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ ان کوششوں کے محاذ متعدد تھے اور ہندوستان میں کلیسا کی اس دور کی تاریخ بڑی دلچسپ ہے لیکن ہمارے موضوع سے متعلق ان کوششوں کا وہ محاذ ہے جس کو علمی محاذ کہا جاسکتا ہے۔

مشروع شروع میں اس محاذ پر چند افراد کی نجی کوششیں نظر آتی ہیں اور ان میں باریک بین طالب علم سیاست کے محاذ کو مضبوط کرنے کے جذبے سے صرف نظر نہیں کر سکتے شہنشاہ شاہ جہان

کی بیٹی کے انگریز معالج کی مشہور روایت اس جذبے کی بڑی نمایاں مثال ہے۔ لیکن جب سیاست مستحکم قلعوں میں محفوظ ہو گئی اور جڑ توڑ کے وہ حربے جن کا مورخ اردو میں ابھی پیدا نہیں ہوا۔ ہندوستان گیر مغلیہ سلطنت کی وحدت کو مختلف خود مختار مکتروں میں تقسیم کر کے اور ان ٹکڑوں کو ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار بنا کر ملک میں انتشار کی مکمل فضا پیدا کر چکی تو اس محاذ کو بھی باقاعدہ سیاست کے ماتحت کر کے منظم کیا گیا۔ یہ لارڈ ولزلی کا زمانہ ہے۔ لارڈ ولزلی نے ۱۸۵۸ء میں کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس کالج کا مقصد کہیں کے ان ملازموں کو ہندوستان کی مختلف زبانوں، مختلف ثقافتوں اور مختلف اعتقادی گروہوں سے آشنا کرنا تھا۔ اس کا ایک اثر تو یہ ہوا کہ ۱۸۶۵ء کو پنجاب کے لٹنٹ گورنر نے حاضریں جلسہ کو اردو زبان میں خطاب کیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کا ایک اور بڑا دور رس اور نتیجہ خیز اثر بھی تھا جس کی طرف ہمارے سیاسی مؤرخوں میں سے بہت کم نے توجہ کی ہے۔ فورٹ ولیم کالج نے بعض ایسی کتابوں کے اردو تراجم بھی شائع کئے جن میں مسلمانوں کے بنیادی عقائد بیان کئے گئے ہیں اور جو بے حد مقبول تھیں۔ ان عربی کتابوں کو اردو میں ترجمہ کرتے وقت ان میں سے بعض ایسی عبارتیں حذف کر دی گئیں یا کر دی گئیں جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تفوق ظاہر ہوتا تھا۔ مولوی امانت اللہ کی کتاب ”ہدایت الاسلام“ اس کی ایک مثال ہے۔

تفصیلات پیش کرنے کا یہ موقع نہیں۔ مختصر یہ کہ اس کالج میں پادری صاحبان بھی تعلیم پاتے تھے اور انتظامیہ کے افسر بھی۔ اس کے ساتھ عام مسلمانوں کی بھی خدمت ہو رہی تھی۔ فورٹ ولیم کالج ان تین دھاروں کا شکم تھا۔ اس میں اردو کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے عقائد کی بھی اصلاح کی جا رہی تھی۔

عالمی بساط پر اس وقت نقشہ یہ تھا کہ مابینڈ اور پرتگال کا ستارہ اقبال مشرق میں تقریباً غروب ہو چکا تھا اور مشرق کے مختلف ممالک جن میں اکثریت مسلمان ملکوں کی تھی فرانس، جرمنی اور انگلستان کے سامراجی عزائم کے سائے میں آکر پیلے پڑنے لگے تھے۔ یہ بات خاصی معنی خیز ہے کہ ٹھیک اس زمانے میں ان تینوں ملکوں میں مشرقی زبانیں پڑھنے کا شوق تیزی سے ترقی

کرنے لگا۔ خاص طور پر وہ زبانیں جن میں اسلام کے دینی اور ثقافتی خزانے محفوظ تھے خاص توجہ کا مرکز قرار پائیں اور مستشرقین کا ایک خاصا بڑا اور قابل احترام گروہ تیار ہو گیا۔

مستشرقین

آسانی کی خاطر مستشرقین کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا گروہ ان علماء کا ہے جنہوں نے عربی اور فارسی کی معروف اور مستند کتابوں کو مرتب اور مدون کر کے شائع کیا اس سے پہلے یہ کتابیں خطی نسخوں کی شکل میں نجی کتب خانوں میں موجود تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں بے شمار نقائص تھے اور ان کو پڑھنا آسان نہ تھا۔ بعض کتابیں نایاب ہو گئی تھیں اور اہل علم ان کے حصول کی حسرت کیا کرتے تھے۔ ان مستشرقین نے ان کتابوں کو ڈھونڈ کر نکالا اور اس دعوے کے ساتھ شائع کیا کہ مختلف نسخوں سے مقابلہ کرنے اور تصحیح کرنے کے بعد انہیں ممکن حد تک صحیح ترین صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ یہ کمال ہمارا ہے کہ ہم نے ان کے اس دعوے کو سرانگھوں پر جگہ دی ہے اور اس کی تصدیق یا تائید کی کوئی بھی کوشش کئے بغیر اس دعوے کو قبول کر لیا ہے۔ چنانچہ نایاب اور کمیاب کتابیں جو یورپ کے مستشرقین کی ساہا سال کی محنت اور عرق ریزی کے بعد شائع ہوتی ہیں صحیح ترین سمجھی جاتی ہیں اور خطی نسخوں سے مقابلہ کر کے ان کی صحت پر اطمینان کر لینے کی عادت جو ہمارا سب سے بڑا علمی ورثہ تھا ختم کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آج کے مؤثر اور قابل توجہ علماء زیادہ تر یورپی یونیورسٹیوں کے ڈاکٹر ہوتے ہیں اور انہی کی رائے کو قابل توجہ سمجھا جاتا ہے۔ ان کی رائے یہی ہے کہ یورپ میں جو کچھ ہوتا ہے وہی علم کا درجہ آخر ہے۔ اس کے بعد علم کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر پرانی اور مستند کتابوں کے وہ نسخے جو کسی مستشرق کی زیر نگرانی ترتیب دیئے گئے ہوں اور جن پر ان کی طرف سے حاشیوں کا اضافہ کیا گیا ہو انہیں بند کر کے قبول کر لئے جاتے ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا دوسرا کوئی چارہ بھی نہیں۔ ہم انہی تک اپنے ابتدائی اور بنیادی مسائل میں اس حد تک اُچھے ہوئے ہیں کہ کوئی ایسا ادارہ یا تنظیم نہیں بنا سکے جو ان مستشرقین کے کارناموں کی تائید اور تصدیق کرنے پر قادر ہو اور ان کی خدمات کا صحیح مقام

متعین کر سکے۔ فی الحال یہ ہمارے ذہنی آقا ہیں اور ہمارے ذہن ان کی غلامی پر فخر کرنے ہی کو اپنا سرمایہ سمجھتے ہیں۔

مستشرقین کا دوسرا گروہ اس سے زیادہ خطرناک اور زیادہ توجہ طلب ہے۔ یہ حضرات مرتب اور مدون نہیں بلکہ مؤلف اور مصنف ہیں یعنی پرانی کتابوں کی تدوین اور ترتیب ہی ان کی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ خود کتابیں لکھتے اور ان میں اپنے اخذ کردہ نتائج پیش فرماتے ہیں۔

ان کتابوں میں سے وہ کتابیں ہماری خاص توجہ کی مستحق ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے متعلق ان مستشرقین کے قلم سے نکلیں۔

یورپی سیرت نگار

سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مؤلف مولانا شبلی نعمانی نے "یورپین تصنیفات" کے زیر عنوان یورپی سیرت نگاروں کے متعلق سیر حاصل بحث کی ہے اور مختلف ادوار میں مستشرقین کے قلم سے نکلی ہوئی کتابوں کا عالمانہ اور محققانہ جائزہ لیا ہے۔ اس جائزے میں انہوں نے ۱۸۱۷ء سے ۱۹۰۹ء تک شائع ہونے والی ۱۲ کتابوں اور مضامین کے عنوانات گناٹے ہیں۔ یہ تعداد ۱۹۰۹ء کے بعد سے اب تک خاصی بڑھ چکی ہے اور اس میں کئی ایسی کتابیں بھی شامل ہیں جنہوں نے ہندوستانی اور بعد میں پاکستانی مسلمانوں کے اذہان کو بڑی حد تک متاثر بھی کیا ہے۔ ان کے مصنفوں میں سے پروفیسر ٹائن بی اور پروفیسر ہٹی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا ممدوح نے اپنی فہرست میں منقول کتابوں میں سے چند پر تبصرہ بھی فرمایا ہے جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ:

”ان مصنفین کی تین قسمیں ہیں۔ اول وہ جو عربی سے ناواقف ہیں اور ان کا سرمایہ

معلومات دوسروں کی تصنیفات ہیں۔ دوسرے وہ جو عربی زبان اور علم ادب و

تاریخ و فلسفہ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں۔ اور تیسرے وہ جنہوں نے خاص

اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہے۔“

دوسری اور تیسری قسم کے مصنفین کا ذکر کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:

”جرمن کا مشہور فاضل سانو جس نے طبقات ابن سعد شائع کی، اسلامی امور کے متعلق ایسی باتیں لکھ جاتا ہے جن کو پڑھ کر بھول جانا پڑتا ہے کہ وہ وہی محترم شخص ہے جس کو ابھی ہم نے دیکھا تھا۔ نولڈ کی (جرمنی) نے قرآن مجید کا خاص مطالعہ کیا ہے لیکن انسائیکلو پیڈیا (جلد ۱۶) میں قرآن پر اس کا جو آرٹیکل ہے، جا بجا نہ صرف اس کے تعصب بلکہ اس کی جہالت کے راز پنہاں کی بھی پر وہ دہری کرتا ہے۔

مارگو لیس نے مسند امام احمد بن حنبلؒ کی چھ ضخیم جلدوں کا ایک ایک حرف پڑھا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری پر جو کتاب لکھی ہے دنیا کی تاریخ اس سے زیادہ کوئی کتاب کذب و افترا اور تاویل و تعصب کی مثال کے لئے پیش نہیں کر سکتی۔

یورپین مصنفین کی ان بوجھبیسوں کی وجہ بیان کرتے ہوئے مولانا مرحوم فرماتے ہیں:-
”یورپین مصنفوں کی غلط کاریوں کی بڑی وجہ تو وہی ان کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہے۔“

مولانا مرحوم نے یہ الفاظ ۱۹۱۲ء کے قسبی زمانہ میں لکھے تھے۔ یہ وہ دور تھا، جب انگریز ابھی ۱۸۵۷ء کی یاد کو بھلانے میں کامیاب ہونے کی کوشش میں مصروف تھا۔ اب اس اجمال کی مختصر سی تفصیل بیان کی جا سکتی ہے کہ نولڈ کی اپنے علم و فضل کے باوجود ۱۸۶۹ء کا مصنف ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جس میں جرمن مشرق وسطیٰ میں پھیل جانے کی سرٹوڑ کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت نولڈ کی قوم کو ایسے مستند جھوٹ ”کی ضرورت تھی جو مسلمانوں کے پیروں تلے سے زمین نکال دے قرآن مجید کا خاص طالب علم ہی اس کام میں استعمال ہو سکتا ہے۔ مارگو لیوس یا مارگو لینڈ ۱۹۰۵ء کا برطانوی مستشرق ہے۔ اس زمانے کے انگلستان کی سیاسی ضرورتوں پر نظر رکھئے۔ امام احمد بن حنبلؒ کی چھ ضخیم جلدوں کا مطالعہ اسے اپنی قومی ضروریات سے کس طرح غافل بنا سکتا تھا۔ بحیثیت انگلستانی اس کا فرض تھا کہ وہ اپنے علم و فضل کی اس شہرت کو جو مسلمانوں کو پوری طرح مرعوب کئے ہوئے تھی اپنی قوم کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے استعمال کرتا اور اپنی سی کوشش کرتا کہ مسلمانوں کو

اپنے مرکز سے ہٹا دے اور اس طرح عرب ممالک میں بدولی کی فضا پیدا کر دے۔ اسی طرح سرولیم ۱۸۹۱ء کے انگریز مؤلف ہیں۔ ہندوستان میں انگریز کے نقطہ نظر سے بعض خاصے خطرناک صوبوں۔ (بنگال و بہار) کے فیضٹ گورنر بھی رہ چکے ہیں۔ دوسرے نقطوں میں باقاعدہ سیاسی بزرگ ہیں اور ہندوستان میں برطانوی سیاست کے سربراہ اور وہ ستون ہیں۔ کتاب کی اشاعت سے تین چار برس پہلے ہندی مسلمانوں کی قیادت میں ہندوستان نے ایک خوفناک بغاوت بھی کی ہے جس کا کم از کم اثر تو یہ ہونا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مسلمانوں کی شیفتگی اور دیوانہ وار محبت انتظامیہ کے اس بہت بڑے ستون پر واضح شکاف ہو جائے اور وہ یہ سمجھ لے کہ جب تک اسی قوم کے سر پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ موجود ہے، انگریز کی برتر انتظامی صلاحیتیں اور اس کی برتر سیاسی اور حربی قوتیں اس قوم کا بال بیکا نہیں کر سکتیں۔ اس سو فی صد درست خیال کے تحت اگر وہ اس قوم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھیننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اپنا فرض منصبی پورا کر رہا ہے۔ یہ اس کے انتظامی فرائض میں سے ایک فرض ہے جس کو اگر وہ پورا نہیں کرتا تو اسے "سر کا خطاب نہیں ملنا چاہیے اور اس کی قوم کو اس کی پذیرائی نہیں کرنی چاہیے۔"

تقریباً ہی صورت ۱۹۰۹ء کے بعد شائع ہونے والی کتب کی ہے۔ یہ درست ہے کہ جسمانی طور پر مغربی اقوام ہمارے درمیان سے اٹھ گئیں لیکن ان کے سیاسی اور اقتصادی مفادات آج بھی موجود ہیں اور وہ ان مفادات کے وجود کے اعتراف و اظہار میں کسی قسم کے تکلف سے کام نہیں لیتیں۔ ابھی سویز پر انہیں سرو ہی نہیں گرم جنگ بھی کرنی پڑتی ہے۔ ملائیشیا اور انڈونیشیا کے جھگڑے میں گود و بارود سے مداخلت کرنی پڑتی ہے۔ عرب کی ماحولی "زیر حفاظت" ریاستوں کو قابو میں رکھنے کے لئے سیاسی اقدامات کرنے پڑتے ہیں۔ مالی، فنی اور مشینی امداد کا جال الگ ہے۔ وقار اور برتری کے قیام و استحکام کے جذبے نے بے شمار سیاسی الجھنوں کو پیدا کرنے اور پھر انہیں برقرار رکھنے کی ضرورت کو اتنا شدید کر دیا ہے کہ وہ خود چاہیں بھی تو اپنے اس خود ساختہ جال میں سے نہیں نکل سکتیں۔ ان بے شمار مفادات کے پیش نظر یہ سوچنا غلط ہو گا کہ نظریاتی جنگ کا وہ محاذ جس کا ایک مورچہ مشرق وسطیٰ میں لارڈ ولنگٹن کے محاذوں کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج کے نام سے کھولا گیا تھا، بند کر دیا گیا۔ پروفیسر ہٹی اور پروفیسر ٹائٹل بی اسی محاذ کے سپاہی ہیں اور انہیں نوید کی، مارگو میوس اور سرولیم میور ہی کی ٹہالیں کے

مرکن کی حیثیت میں پہچان لینا ہمارے لئے مفید ہوگا۔

مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے ان اعتراضات کی فہرست مرتب کی ہے، جو مغرب کے ان مستشرقین میں مشترک ہیں۔

۱۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی مکہ معظمہ تک پیغمبرانہ زندگی تھی لیکن مدینہ جا کر جب زور و قوت حاصل ہوتی ہے تو دفعۃً پیغمبری بادشاہی سے بدل جاتی ہے اور اس کے جو لوازم ہیں یعنی لشکر کشی، قتل، انتقام، خونریزی خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔

۲۔ کثرت ازواج اور میل الی النساء۔

۳۔ مذہب کی اشاعت جبر و زور سے۔

۴۔ لونڈی غلام کی اجازت اور اس پر عمل۔

۵۔ دنیا داروں کی سہی حکمت عملی اور بہانہ جوئی۔

اب بدلے ہوئے حالات کے تحت ان اعتراضات کو پیش کرنے کی تکنیک بدل گئی ہے۔
۱۔ مسلمان سکوت میں اپنے ملک میں کسی کتاب کے داخلے پر پابندی لگانے کی مجاز ہیں۔ اس کے علاوہ اسلامی ممالک سے سیاسی دوستیاں بھی ہیں۔ اس لئے الفاظ کے استعمال میں بے حد دانا ئی اور احتیاط کا ثبوت دیا جاتا ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ ذہن اعتراض سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے لیکن نگاہ اسے گرفت میں لے کر بدظن یا غضب ناک نہ ہو۔

۲۔ بعض اوقات نہایت معصومیت کے انداز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خیالی تصاویر شائع کر دی جاتی ہیں اور جب کسی ملک کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے تو یہ انکشاف کر کے معذرت کر لی جاتی ہے کہ یہ تصویر فلاں اسلامی ملک کے مصوّر کی بنائی ہوئی تھی۔ ہم نے اس پر اعتراض کا اندازہ نہیں کیا۔ مقصد اعتراض کرنے والے ملک اور فلاں ملک کے درمیان بد مزگی پیدا کرنا ہے۔ اس سلسلے میں بعض امریکی جرائد اور پرنسپلر ہٹی خاص شہرت کے مالک ہیں۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی پر جدید نفسیات کی روشنی میں عملی بحث "مولانا شبلی مرحوم کے مرتب کردہ اعتراض نمبر ۲ کا جدید ترین انداز ہے۔

۴۔ اعتراض نمبر ۱ خاص مسمیٰ تصویر رسالت کے پیمانے پر اسلام کے تصویر رسالت کو ناپنے کا

نتیجہ ہے۔ یورپی اقوام دہن میں امریکہ اور آسٹریلیا نسلی اعتبار سے شامل ہیں، کسی ایسے پیغمبر کی صداقت پر ایمان نہیں لاسکتیں جو اپنے مشن میں کامیاب ہوا ہو اور اپنے کسی حواری کی فداوی کی وجہ سے مصلوب نہ ہوا ہو۔ یہ انتہائی اذیت پسند اور اذیت کو شوق کا معیار ہے۔ جہلائے عرب کا معیار ان سے زیادہ صحت مند تھا جو فرشتہ یا قوم کے بڑے سردار کو رسالت کا معیار سمجھتے تھے۔ بہر حال یہ اذیت کو شوق اور اذیت پسند قوم جو دوسروں کے بہتے خون کو دیکھ کر لذت افرین حقیت سے سر جھکاتی ہے، یہ اعتراض کرتی ہی رہے گی۔ یہ اس کی مجبوری ہے۔

۵۔ ان تمام اعتراضات پر ایک اعتراض کا اور اضافہ کر لیجئے۔ موجودہ مستشرق اسلام کے نظام کو موجودہ دنیا کے لئے کافی اور اس کی ضرورتوں کے مطابق نہیں پاتے۔ یہ فقرہ آپ تقریباً ہر مصنف میں پڑھیں گے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے کا نظام جو اس زمانے کے لئے بہت اچھا ثابت ہوا تھا، موجودہ زمانے کے متعلق اس کی افادیت محل نظر ہے۔ اس کا مقصد ہماری خود اعتمادی کو فنا کرنے کے سوا کچھ نہیں کیونکہ مغرب مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کو صرف اس طریقے سے روک سکتا ہے کہ وہ اس قوم سے اس کی خود اعتمادی کو چھین لے اور اس اعتماد کو متزلزل کر دے جو اسے اپنے نظریات پر پھر سے پیدا ہو رہا ہے۔ اس لئے مغرب کا موثر ترین محاذ یہی ہے جس سے ہم کو خبردار رہنا چاہئے۔

یہ اسلام کے متعلق مغرب کے تصورات اور جن وجوہ سے یہ تصورات قائم اور باقی رکھے جا رہے ہیں، ان کی تفصیل ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہم نے ہندوستان میں ان نام آور مستشرقین کے اثرات کو زائل کرنے اور اپنے آپ کو اس مورچے کی بے دریغ اور بے حساب گولہ باری سے محفوظ رکھنے کی کیا کوششیں کی ہیں؟

تخریب سیرت

جیسا کہ سطور بالا سے ظاہر ہو گیا ہوگا ہندوستان میں اس مورچے کا نمایاں نام سرولیم میو کا ہے۔ ہندی مسلمان موصوف کے سیاسی مقصد سے بے خبر نہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کو شکست دینے اور ہندوستان کو تاج برطانیہ سے ملحق کر لینے کے بعد

انگریز ہندی مسلمانوں کو ہر مورچے پر شکست دینا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کا حربی مورچہ تقریباً بے دم ہو چکا تھا۔ اقتصادی طور پر انہیں ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے اور انگریزوں کا دست بگر بنا دینے کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ ان کے تعلیمی نظام کو درہم برہم کر دینے کے لئے مؤثر ترین حربہ اختیار کر لیا گیا تھا یعنی سرکاری زبان فارسی کی بجائے انگریزی ہو گئی تھی اور اب لارڈ ولزلی کے زمانے کی طرح حکمرانوں کو مسلوکوں کی زبان سیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ حکمران اس حد تک قابض اور متصرف ہو چکے تھے کہ محکوموں کو دو وقت کی روکھی سوکھی حاصل کرنے کے لئے حکمرانوں کی زبان سیکھنے اور ان کے چلن کو اپنانے کی ضرورت پیدا کر دی گئی تھی۔ وہ زمانہ آگیا تھا جب انگریزی زبان ہی معاشی طور پر کفالت کر سکتی تھی۔ فارسی اور اردو پر ڈٹے رہنے والے پسماندہ، جاہل اور غیر مہذب کے ناموں سے موسوم ہونے کے علاوہ بھوکوں بھی مرنے لگے تھے۔ ٹھیک اس زمانے میں سر ولیم میور اور ان کے رفقا اپنے علم کے طبل و علم کے ساتھ نظریات کے مورچے پر نمودار ہوئے۔ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہ رہی کہ سلطنت، دولت، حکومت، ثروت اور عزت چھین لینے کے بعد ملکہ برطانیہ کی نہایت رحم دل اور رعایا پرور حکومت مسلمانوں کے دین و ایمان پر بھی ڈاکہ ڈالنا چاہتی ہے۔

اس محاذ پر بے شمار لوگ فوراً امڈ آئے اور ہندی مسلمانوں نے ایک مضبوط فنیل دفاع قائم کر لی۔ اس فنیل کے سب سے پہلے سپاہی سر سید احمد خاں مرحوم ہیں جنہوں نے "خطبات احمدیہ" کے نام سے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر اردو میں پہلی کتاب لکھی۔ اس کتاب میں سر ولیم میور کے علم کا راز فاش کیا گیا۔ اس کی تصنیف "لائف آف محمد" کی غلطیاں گنواٹی گئیں اور اس کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا۔ دوسرے متعدد ناموں میں مشہور شیعہ عالم چراغ علی کا نام نمایاں ہے۔ جنہوں نے "محمد دی پرافٹ" کے عنوان سے انگریزی میں ایک کتاب لکھی اور مستشرقین کی غلطیوں کی نشان دہی کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی گستاخیوں کا بھی جواب دیا۔

یہ انفرادی کوششیں ہیں جن کا آغاز ۱۸۸۲ء میں ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ پادری اور ریمبس بک سوسائٹیاں بھی میدان میں اتریں۔ اسی مورچے کو مضبوط تر بنانے اور مسلمانوں کی فنیل دفاع کو کمزور کرنے کے لئے علم کے میدان میں سے بھی مسلمانوں کے اندر "حنور ملکہ عالیہ برطانیہ" کے

دُعا گو پیدا کئے گئے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ سیاست کے میدان میں "دُعا گوؤں" کی کوئی کمی نہ تھی لیکن علم کے میدان میں انگریز کو اکاؤنٹ "دُعا گو" سے زیادہ نہ مل سکے۔ ہندو ہر وقت اور ہر محاذ پر انگریز کا خادم جاننا تھا۔ اس موہنے پر سوامی دیا نند سرسوتی کی قیادت میں آریہ سماج اپنے نئے آقاؤں کی مدد کے لئے بڑھی اور ہندوستان کے گلی گلی اور محلے محلے میں اسلامی نظریات کے خلاف محاذ قائم ہو گیا۔

یہ محاذ مستشرقین، مغربی مصنفین، اعتراض کرنے والے پادریوں، آریہ سماجیوں اور خود مسلمانوں کے اندر "دُعا گو" جماعتوں کے ناپاک اتحاد سے عبارت تھا جس نے بہت جلد ایک اجتماعی تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ اور ملک بھر میں مناظروں کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ مسلمان علماء نے اس پہلودار محاذ کے ہر گوشے پر دفاعی بند باندھے اور مسیحی، آریہ سماجی اور "دُعا گو" مناظروں کے مقابلے میں بڑے بڑے فاضل اور حاضر جواب مناظر اترے جن کے اسمائے گرامی اس دور کی تاریخ میں ناقابل فراموش ہیں لیکن یہ ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی کہ حقیقی، مؤثر اور دیرپا دفاع اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب خود مسلمانوں کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مستند واقعات کو اس حد تک عام کر دیا جائے کہ ہر مسلمان اپنی جگہ پر اس فنیل دفاع کی مضبوط اینٹ بن جائے، اس جذبے کے تحت انفرادی کوششیں بہت جلد اجتماعی تحریک کی صورت اختیار کر گئیں جسے "تحریک سیرت" کا نام دیا جاتا ہے۔

مولانا شاہ سلیمان پھلواروی

اس تحریک کا آغاز پٹنہ (بھارت) کے ضلع عظیم آباد کی ایک چھوٹی سی بستی پھلواروی سے ہوا اور اس کی ابتدا کرنے والے ہاتھ ایک درویش حق نگاہ حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی مرحوم و مغفور کے ہاتھ تھے۔

پھلواروی میں ایک بڑی درگاہ آج بھی مرجع خلافت ہے۔ اور اس درگاہ کے سجادہ نشینوں کا دو ہائی عالی قدیم سے شریعت اور طریقت کا گہوارہ چلا آتا ہے۔ شاہ سلیمان پھلواروی اسی خاندان کے چشم و چراغ اور اس درگاہ سے عقیدت رکھنے والے ہزاروں لاکھوں دلوں کے حکمران

تھے۔ اس درگاہ پر آج بھی ربیع الاول کے مہینے میں بہت بڑا عرس ہوتا ہے جس میں دُور دُور سے عقیدت کیش حاضر ہوتے ہیں۔

یہ ۱۸۸۵ء کے ماہ ربیع الاول کا ذکر ہے کہ مولانا شاہ پھلواروی نے اس عظیم الشان عرس کی چاند راتوں کو سیرت اور تذکرہ تاریخ اسلام کے اجلاس میں بدل دیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم مولانا شاہ سلیمان پھلواروی مرحوم و مغفور کے متعلق لکھتے ہیں :-

”وسیع النظر عالم، بذلہ سنخ ادیب، خوش بیان خطیب، پراثر واعظ، موقع شناس مقرر اور بڑے بڑے بزرگوں کے حلقے سے فیضیاب صوفی تھے۔ ان کو تاریخ کا شوق اور عربی نظم و نثر کا اچھا ذوق تھا۔ اچھے کتب خانوں اور کتابوں کی تلاش رہتی تھی۔ وہ قدیم اور جدید کے درمیان حلقہ اتصال تھے۔“

اس صاحبِ علم اور صاحبِ دل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شروع کیا۔ یہ انداز بہت جلد مقبول ہو گیا اور ملک کے طول و عرض میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ کوئی بڑا چھوٹا اجتماع ایسا نہیں ہوتا تھا جس میں مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کی شرکت ضروری نہ سمجھی جاتی ہو۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ندوۃ العلماء اور انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسوں میں حضرت مولانا مغفور تشریف لاتے اور ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دلوں کو گرم جاتے۔ اس تذکرے نے ملک گیر تحریک کی صورت اختیار کر لی اور مسلمان عوام میں سیرت کا ذوق پیدا ہو گیا۔ سیرت پر کتابوں کی تلاش اس کا ناگزیر نتیجہ تھی۔

اردو میں سیرت کی پہلی مستند کتاب

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اس تحریک سے پہلے اس موضوع پر جو کتابیں شائع ہوئیں ان کا بنیادی مقصد سر ولیم میور اور ان کے ہمصفیروں کی تاریخی اور علمی غلطیوں کی نشان دہی کرنا اور ان کی ذہنی برتری اور پیشوائی کا حتی المقدور تدارک کرنا تھا۔ اس لئے ان کتابوں کا نمایاں پہلو اعتراضات کا جواب تھا۔ خود سیرت ثنائی حیثیت اختیار کر لیتی تھی۔ اس طریق کار نے اپنے زمانے میں قابل قدر خدمت کی اور اس خدمت کو ہماری علمی تاریخ ہی نہیں، ہماری اُزادی کی تاریخ بھی نہیں بھلا سکے گی۔ لیکن ان

کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے واقعات کی ثانوی حیثیت بہر حال مسلم ہے۔ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کی تحریک نے اس طریق کار میں بنیادی انقلاب پیدا کیا اور سیرت کے واقعات کو اولیت دے کر اعتراضات کے جواب کی حیثیت ثانوی کر دی۔ اس طرح سے گویا اس موضوع پر بعد میں لکھی جانے والی کتابوں کے لئے راستہ ہموار کر دیا گیا۔

حضرت مولانا مرحوم کی اپنی خواہش بھی تھی کہ اس انداز کی ایک مبسوط اور مستند کتاب مرتب ہو جائے لیکن تحریک کی مصروفیات نے اس بارگراں کو اٹھانے کی مہلت نہ دی۔ آپ کے صاحب زادے حضرت مولانا حسن میاں پھلواروی نے اس کام کا آغاز کیا لیکن یہ کام چند چھوٹے چھوٹے رسائل سے آگے نہ بڑھ سکا۔ یہ سعادت پنجاب کو نصیب ہوئی اور حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کی خواہش کی تکمیل مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے حصے میں آئی۔

قاضی صاحب مرحوم و معذور ریاست پٹیالہ کبے جج، وسیع النظر عالم اور صاحبِ دل محقق تھے۔ انہوں نے ۱۹۱۲ء میں اپنی کتاب ”رحمۃ اللعالمین“ کی پہلی جلد شائع کی۔ تحریک سیرت کے مرکز پھلواروی کے ساتھ مرحوم کا رابطہ خاص تھا۔ چنانچہ اس پہلی جلد کے پہلے ایڈیشن کی پہلی کاپی بعدِ خلوص و احترام پھلواروی روانہ کی گئی اور اس پر رائے دینے کی استدعا کی گئی۔ مولانا حسن میاں پھلواروی نے تنقید و تبصرہ کے بعد لکھا:۔

”اس کتاب کے بعد مجھے یہ کام کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔“

”رحمۃ اللعالمین“ آج بھی اتنی ہی مقبول اور علمی طبقے میں متداول ہے جتنی پہلے تھی۔ اس کی اشاعت کے اہتمام میں کوتاہیاں ہوئی ہیں جن کی وجہ سے یہ بازار میں طویل عرصوں کے لئے غائب رہتی رہی ہے۔ اب قاضی صاحب کے پوتے جو آج کل گلبرگ لاہور میں مقیم ہیں، اسے دوبارہ شائع کر رہے ہیں۔

سیرت النبیؐ

اسی زمانے میں مولانا شبلی نعمانی نے اپنی مشہور کتاب ”الفاروق“ کی اشاعت کے بعد۔ ”سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ کے نام سے سیرت پر کتاب لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ یہ کتاب ”رحمۃ اللعالمین“

کے بعد شائع ہوئی۔ یہ گویا اس سلسلے کی دوسری کتاب ہے۔ اس کی تالیف کی کہانی مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کی زبان سے سنئے۔ فرماتے ہیں :-

”مصنف مرحوم کو سیرت نبویؐ لکھنے کا خیال الفاروق کے بعد ہی پیدا ہو گیا تھا چنانچہ ۱۳۲۳ھ میں اس کا ایک مختصر سا حصہ یعنی غزوہ اہد تک وہ لکھ بھی چکے تھے کہ بعض مشکلات کی بنا پر رک گئے لیکن ملک کا تقاضائے شوق برابر جاری رہا۔ بالآخر انہوں نے ۱۳۳۰ھ میں اس بار امانت کے اٹھانے کا آخری فیصلہ کیا۔ مصنف مرحوم کی وفات کے بعد مصنف مرحوم نے جو مسودہ چھوڑا تھا اس میں اس حصہ تک مبیضہ صاف تھا البتہ تین چار مقامات پر اضافہ کی علامتیں بنی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس حصہ کی تکمیل کے بعد ان کو خیال آیا کہ قدیم مؤرخین کی طرح سن وار واقعات کی ترتیب رکھ کر آخر میں جزئی حالات واقعات متفرقہ کے عنوان سے لکھ دیئے جائیں۔ چنانچہ مبیضہ پر سکہ تک اپنے قلم سے وہ لکھ سکے۔ یہ امانت جب میرے سپرد ہوئی تو میں نے بقیہ سنین کے آخر میں اسی قسم کے جزئیات متفرقہ کا اضافہ کر دیا۔

مولانا کی زندگی میں ان تصنیف کے وقت ان کو بعض کتابیں قلمی ملی تھیں جیسے روضۃ الانف جس سے پورا استفادہ وقت طلب تھا۔ اب وہ چھپ گئی ہے۔ بعض کتابوں کی ان کو تلاش ہی رہی مگر ان کو نہ مل سکیں۔ جیسے کتاب الہدایہ والنبایہ ابن کثیر۔ مصنف سے اکثر حسرت کے ساتھ مٹا کہ افسوس کہ تاریخ ابن کثیر نہیں ملتی۔ وہ مل جاتی تو ساری مشکلیں حل ہو جاتیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب وہ چھپ کر عام ہو گئی۔ منذرک حاکم اس وقت تک ناپید تھی، اب طبع ہو کر گھر گھر پھیل گئی۔ غرض ان کتابوں کے ماتھے اُجھانے سے بہت سے نئے معلومات بڑھ گئے۔ چنانچہ اس نسخہ کی تصحیح و اضافہ میں ان نئے کام لیا گیا۔

مختصر یہ کہ نومبر ۱۹۱۴ء میں مولانا شبلی نعمانی کا انتقال ہوا۔ اس وقت تک سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم شائع نہیں ہوئی تھی۔ مولانا مرحوم کے قابل صدا احترام شاگرد اور ان کے صحیح جانشین مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے اپنے استاد کے مسودے میں استاد مرحوم کی خواہش اور اشاروں کے مطابق اور بعض نایاب کتابوں کے مل جانے کی وجہ سے تصحیح و اضافہ کے ساتھ "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کی پہلی دو جلدیں شائع کیں جن میں ولادت باسعادت سے لے کر وفات تک کے حالات درج ہیں۔ اس کے بعد چار مزید جلدیں مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے اپنے قلم سے نکلیں۔ ایک اطلاع کے مطابق ساتویں جلد زیر ترتیب تھی کہ مولانا سلیمان ندوی کا پاکستان میں انتقال ہوا۔

بعد کے خادمان سیرت

ان دو کتابوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے مطالعہ کے متعدد راستے کھول دیے اور سیرت کے خادموں کی بڑی تعداد میدانِ عمل میں کود پڑی۔ چھوٹی بڑی بیسیوں کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں سے اکثر کا انداز مناظرانہ ہے لیکن کچھ کتابیں ایسی بھی آئیں جنہوں نے تحقیق کے نئے گوشے اُجاگر کئے۔ ان میں سے پُرانے عربی منابع سے استفادہ کرنے کے سلسلے میں مولانا سکیم ابوالبرکات عبدالرؤف صاحب قادری دانا پوری کی تالیف اصح السیر فی ہدی خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص علمی مقام حاصل ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے جدید انداز اور آج کی زبان میں سیرت کے مختلف گوشوں پر مختلف مضامین لکھے۔ ان کے علاوہ انہی خطوط پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگیں کے نام سے بھی دو کتابیں آئیں جنہوں نے فکر و نظر کے کئی راستے صاف کئے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے اخذ کردہ بعض نتائج سے مکمل اتفاق بعض اوقات ممکن نہیں ہوتا لیکن طریق فکر کی جو نئی راہیں ممدوح نے سمجھائی ہیں ان پر مزید مفید کام کیا جاسکتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بعض گوشوں کو جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہنوں کے قریب تر لایا جاسکتا ہے۔

اس سلسلے میں سیرت کمیٹی پٹی کی خدمات کا اعتراف بھی ضروری ہوگا۔ اس کمیٹی کے بانی

عبدالحمید قرشی تھے جن کی شخصی اور ذاتی مساعی نے پورے برصغیر میں سیرت کمیٹیاں قائم کیں اور چھوٹے چھوٹے پمفلٹوں اور رسائل کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو گھر گھر پہنچا کر ایک اہم کام کیا۔ قیام پاکستان کے کچھ ہی عرصہ بعد پاکستان میں قرشی صاحب کی وفات ہوئی جس کے ساتھ ہی سیرت کمیٹی کی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں۔

لیکن ان تمام عظیم الشان خدمات اور قابل احترام مساعی کے باوجود مولانا شبلی نعمانی کی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قبول عام نصیب ہوا اسے صرف اللہ کی دین ہی کہا جاسکتا ہے۔ عوام نے تو اسے سرانگہوں پر جگہ دی ہی تھی سیرت شریفہ کے مختلف پہلوؤں کے ماہرین نے بھی اپنے علم کے مطابق اس کے مختلف پہلوؤں کو جانچا اور پرکھا۔ اہل علم میں اس کی مقبولیت مستم ہے۔

آج کی ضرورت

آج ہم محمد اللہ پاکستان میں آباد ہیں اور اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ اسلام کے مزاج کے قریب لانے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس عبوری دور میں افراط و تفریط بعید از قیاس نہیں اور ایسے قرآن فہموں کا پیدا ہو جانا بھی کوئی بڑی بات نہیں جو قرآن کے شارح اول و آخر صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور تک پہنچنے کی سعادت نہیں پاسکے اور اپنی عقل پر تکیہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس لئے عبوری دور کا ہر ذہنی اور روحانی انتشار اس دور کی خصوصیت ہے برائے الحزن کے خیال میں مسلمان کا سب سے مضبوط اور قابل اعتماد نگر محمد انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہے جس نے ہر طوفان میں مسلمان کو سہارا دیا اور ہر سیلاب میں اس کی کشتی کو قائم رکھا۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ موجودہ عبوری دور کے ہیجان و تلاطم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہماری قوم خصوصاً پاکستانی قوم کی سب سے بڑی اور اشد ضرورت ہے مستشرقین نے جو کچھ کیا وہ سیاست تھی۔ آج کل ہمارے عقل پرست جو کچھ کر رہے ہیں وہ سیاست نہیں سادگی اور کم علمی ہے۔ اس خطرناک تر دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا سادہ ترین اور دل نشین ترین صورت میں ہر گھر میں عام ہو جانا بے حد ضروری ہے۔ اس مقصد کی تکمیل مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی تالیف

سے زیادہ کوئی دوسری تالیف احسن طریقے سے نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مقبولیت کے جن درجات پر فائز کیا ہے، وہ اس مقصد کی سمت بڑھنے کے لئے پہلا کامیاب قدم بن سکتا ہے اس لئے میری نظر بار بار اسی تالیف کی طرف اٹھتی تھی۔

چند مشکلات

اس نقطے پر یہ سوال غیر ضروری نہیں سمجھا جا سکتا کہ اصل سیرت کی موجودگی میں یہ مقصد پورا ہو رہا تھا، اس کی تلخیص کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی اس کے لئے کچھ فاقی تاثرات بیان کرنا ضروری ہوں گے۔ جب اقام الحروف کو پہلی بار سیرت کا مطالعہ کرنے کا شوق ہوا تو مولانا مرحوم کی تالیف کے حصول اور مطالعہ کے ضمن میں چند مشکلات سامنے آئیں۔ — خاص مولانا مرحوم کی تالیف دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جس کی قیمت کم از کم میری قوت خرید سے بہت دور تھی۔ لائبریری وغیرہ سے اسے حاصل کرنا اور بعض ذہنی اور روحانی ضرورتوں کے موقعوں پر اسے اپنی دسترس سے باہر پانا اکثر اوقات میرے لئے انتہائی کوفت کا باعث بنا تھا۔

ب۔ — تالیف کے وقت مولانا کے پیش نظر عام قاری کے علاوہ ہندوستان کے علمائے تاریخ بھی تھے جن کے درمیان سیرت کے بعض مسائل پر اختلاف تھا۔ اس لئے اس کتاب میں بعض مباحث آتے ہیں جن کو واضح کرنا اور اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کے لئے مولانا کو مختلف نقطہ رائے نظر ان کے دلائل اور حوالے اور پھر اپنے استنباط کی تائید کے لئے دلائل اور حوالے پیش کرنے پڑے۔ علماء اور ان مباحث کے طالب علموں کے لئے ان میں بڑی قیمتی باتیں ہیں۔ لیکن سیرت پڑھنے کے خواہش مند کی حیثیت سے میرا ذہن نہ ان مباحث کا احاطہ کر سکا تھا اور نہ ان کی ضرورت محسوس کرتا تھا بلکہ مجھ عامی کا ذوق ان مباحث کو بعض اوقات واقعات کے تسلسل میں رکاوٹ سمجھتا تھا اور میں ان طویل صفحات کو پڑھے بغیر چھوڑ جاتا تھا۔

ج۔ — مؤلف مرحوم نے مغربی مستشرقین کے اعتراضات پر خالص توجہ فرمائی ہے اور انہیں نقل کر کے ان کے نہایت مدلل اور عالمانہ جواب دیئے ہیں لیکن جیسا کہ سطور بالا سے ظاہر ہوا ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کی نوعیت مرغ باد نما کی طرح سیاسی ہوا کے

مطابق پہلو بدلتی ہے اور ان کا مقصد علمی تحقیق نہیں سیاسی مقاصد کا حصول ہوتا ہے۔ مؤلف مرحوم کے زمانے میں مستشرقین جس سیاسی محاذ کو فتح کرنے میں اپنی حکومتوں کو کمک پہنچا رہے تھے، اب وہ محاذ بدل چکے ہیں۔ اس لئے مستشرقین کی "تحقیقات" کے زاویے بھی بدل گئے ہیں۔ مغرب کا موجودہ سب سے بڑا خطرہ مسلم ممالک کا ہلاک ہے جو کسی وقت بھی مشترک قرآن، مشترک نبیؐ اور مشترک سمت سجدہ کی بنیادوں پر قائم ہو سکتا ہے۔ اس خطرے کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان فقہ، تاریخ اور دیگر فروعی مسائل کی تعبیر و تشریح کے متعلق جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان کو حقیقی، قوی اور بنیادی ثابت کیا جائے۔ آج کے مستشرقین کی زیادہ تر وجہ اسی طریقہ ہے اور یہ حضرات اپنے پیش رو مستشرقین کے اعتراضات کو لایعنی ثابت کرنے میں ہم سے بھی پیش پیش ہیں۔ اس صورت حال میں مؤلف مرحوم کی یہ کوشش جو اپنے زمانے میں نہایت مستحسن اور اہم تھی اس وقت ان اعتراضات اور ان کے جواب کے تاریخی ریکارڈ سے زیادہ اہم نہیں رہی۔ کم از کم میرے لئے ان اعتراضات اور ان کے مدافعانہ جوابات میں کوئی کشش باقی نہ رہی۔

تلمنخیص

ان وجوہ کی بنا پر اور اس مقصد کی طرف پہلا قدم اٹھانے کی غرض سے جس کا ذکر اوپر ہوا میں نے مولانا شبلی نعمانی کی تالیف کی دو جلدوں کی تلمنخیص کرنے کا ارادہ کیا اور علمی مباحث اور اعتراضات کے جوابات کو اس میں سے حذف کر دیا۔ موجودہ صورت میں عرب کے جغرافیائی حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے حالات اور ولادت باسعادت سے لے کر وصال تک کے حالات مولانا شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں پیش خدمت ہیں۔ متن میں میری طرف سے کسی ایک لحاظ کا اضافہ نہیں ہوا البتہ بعض مواقع پر جہاں میں نے متن کو کسی وجہ سے تشنہ پایا ہے یا بعض اشاروں کی تشریح ضروری سمجھی ہے وہاں حاشیوں کا اضافہ کر دیا ہے اس طرح اس کتاب کے بعد کے خادمان سیرت کی تحقیقات کا کچھ حصہ بھی اس میں شامل ہو گیا ہے۔ جماعت ہے مفید اور دلچسپ ثابت ہو گا۔ ان حاشیوں کی وجہ سے یہ تلمنخیص خالصتاً مولانا شبلی نعمانی

مرحوم کی تالیف ہی کی تلخیص نہیں رہی بلکہ اس کو مکمل کرنے میں بعض دیگر علماء سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ مناسب حجم کے اندر اس وقت تک کے خادمانِ سیرت کی محنتوں کا بیشتر ثمر پڑھنے والے تک پہنچ سکے اور مقصد کی تکمیل میں مویذ ہو سکے۔

لیکن میں اپنی اس محنت کے باوجود یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میں کوئی تامل محسوس نہیں کرتا کہ یہ پہلا قدم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مستند سیرت کو ہر گھر میں پہنچانے کی کوشش ہے اصل کتاب اپنے مباحث اور نقطہ نظر کے اعتبار سے اس سے بہر حال اہم تر ہے اور موجودہ صفحات کو اصل تک پہنچنے کا ذریعہ ہی سمجھنا چاہئے۔ یہ صفحات وہ ضرورت پوری نہیں کر سکیں گے جس کے پیش نظر مؤلف مرحوم نے عرق نشانی کی تھی۔

میں اپنی کم مائیگی کے پورے احساس اور شعور کے ساتھ تالیف اور سیرت کے ایک عالم بے بدل کی وساطت سے بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر ہوا ہوں۔ دعا ہے کہ یہ سامری شرف قبول کی پہنچے۔

احسان

نامہ

ایک گدائے بے نوا شہنشاہ کو نہیں کے
دربار میں اخلاص و عقیدت کی نذر لے کر
آیا ہے۔

چشم آستین بردار و گوہر انما شہ کن

شبلی

شوال ۱۳۳۰ھ

وجہ تسمیہ

جغرافیہ

عرب کے اقوام و قبائل

عرب کی قدیم حکومتیں

تہذیب و تمدن

عرب کے مذاہب

وجہ تسمیہ

عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائیں ہیں۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں اور چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے دنیا کو پہنچ سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو عرب اور دنیا کی تمام قوموں کو مجم (ژولیدہ بیان) کہہ کر پکارا۔

بعض کی رائے ہے کہ عرب اصل میں عربہ تھا۔ قدیم اشعار میں عرب کے بجائے عربہ آیا ہے۔ عربہ کے معنی سامی زبانوں میں دشت اور صحرا کے ہیں اور چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا ہے اس لئے تمام عرب کو عرب کہنے لگے۔

جغرافیہ

عرب کے حدود و اربعہ یہ ہیں :-

مغرب — بحیرہ قلزم

مشرق — خلیج فارس اور بحر عمان

مفت مولف مرحوم نے یہ حدود جیالوجی کے نقطہ نظر سے بیان فرمائی ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب کی تالیف کے وقت ۱۹۱۶ء سے قبل، جیالوجی کی یہی حد بنریاں سیاسی طور پر بھی تقریباً قائم تھیں۔ اور گواس وقت اس علاقے کے مختلف گروہوں میں اقتدار کی جنگ جاری تھی۔ لیکن عربوں میں محدث علاقائی قومیت کا تصور عام نہیں ہوا تھا۔ زمانہ تالیف کے بعد سے اب تک نصف صدی گزر چکی ہے اس عرصہ میں دو عالمگیر جنگیں بھی ہو چکی ہیں جنہوں نے نظریات پر گہرا اثر ڈالا ہے اور دنیا کے نقشے کو یکسر بدل دیا ہے۔ جزیرہ نمائے عرب اس سے مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ اب جزیرہ نمائے عرب مندرجہ ذیل خود مختار ریاستوں پر مشتمل ہے۔

(۱) سعودی عرب (۲) اردن۔ (۳) شام (۴) لبنان۔ (۵) عراق۔ (۶) خلیج فارس کی دفاتی عرب ریاستیں۔ (۷) سلطان عمان اور سلطان مسقط کے علاقے (۸) عدن کا زیر حفاظت علاقہ (۹) یمن آن کے علاوہ دنیا کے کچھ ممالک اسرائیل کو بھی اس جزیرہ نما کا ایک خود مختار ملک سمجھتے ہیں۔

(بقیہ ماحشیہ بر صفحہ ۳۵)

جنوب: بحر ہند

شمال: — کے حدود مختلف فیہ ہیں۔ بعض ممالک حلب اور فرات تک اس کی حدود کو

جمعیت دیتے ہیں۔

سینا کا جزیرہ مابین کا اصل نام النبیہ ہے اکثر مصنفین عرب و یورپ اس کا مصر میں شمار کرتے ہیں لیکن جیالوجی کی رو سے وہ عرب سے متعلق ہے۔ عرب کی پیمائش باقاعدہ اب تک

دقیقہ حاشیہ از صفحہ ۲۴) سعودی عرب رقبہ کے اعتبار سے ان سب میں سے بڑا ہے اور اس کتاب کے موضوع سے براہ راست متعلق ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دیگر عرب ممالک کی حدود کی تفصیلات میں جائے بغیر سعودی عرب کے محل وقوع کو تفصیل سے بیان کر دیا جائے۔

نقشے پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ سعودی عرب دوسرے تمام عربی ممالک کے ٹھیک وسط میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں اردن اور عراق واقع ہیں و شام اردن کے شمال مشرق میں ہے اور بنان شام کے مغربی ساحل پر۔ اردن کے مغربی ساحل پر اسرائیل کی حد بندی نظر آئے گی جسے عرب بجا طور پر اپنے سینے میں گروے ہوئے خنجر کا نام دیتے ہیں) سعودی عرب کے شمال مشرق میں ریاست کویت، قطر اور خلیج فارس کی دفعتی ریاستیں واقع ہیں۔ جنوب مغرب میں یمن ہے اور ٹھیک مغرب میں بحیرہ طوزم۔ شمال مغرب میں خلیج عقبہ۔

لے متداول نقشوں میں جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں واقع خطہ آب کو بحیرہ عرب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بحر ہند کی حدیں اس سے نیچے شروع ہوتی ہیں۔

لے حلب کسی شام کا دارا تھا۔ فرات عراق کا مشہور دریا ہے۔

لے یہ ایک طرف خلیج عقبہ، دوسری طرف سوڈان اور جنوب کی طرف سے بحیرہ طوزم میں گھرا ہوا جزیرہ نما ہے۔ سعودی عرب کے مغرب میں واقع ہے اور متحدہ عرب جمہوریہ کے علاقہ میں شامل ہے۔

نہیں ہوئی۔ تاہم اس قدر یقینی ہے کہ وہ جرمن اور فرانس سے چوگنا زیادہ وسیع ہے۔ طول تقریباً پندرہ سو، عرض چھ سو اور مجموعی رقبہ بارہ لاکھ میل مربع ہے۔

ملک کا بڑا حصہ ریگستان ہے۔ پہاڑوں کا جال تمام ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ جبل السراۃ ہے جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا

لے موجودہ جرمنی مشرقی جرمنی اور مغربی جرمنی میں تقسیم ہے۔ کل رقبہ تفصیل ذیل ہے۔

(بحوالہ انسائیکلو پیڈیا آف نیشنز)

مشرقی جرمنی بشمول مشرقی برلن ۴۱۶۳۵ مربع میل۔ مغربی جرمنی بشمول مغربی برلن ۹۵۹۱۳ مربع میل۔ کل رقبہ ۱۳۷,۵۴۸ مربع میل ہوا۔ فرانس کا کل رقبہ جس میں جزیرہ کورسیکا اور دوسرے چھوٹے چھوٹے ساحلی جزیرے شامل ہیں ۲,۱۲,۶۸۱ مربع میل ہے۔ پس دونوں ملکوں کا مجموعی رقبہ ۳,۵۰,۲۲۹ مربع میل ہوا۔ محولہ بالا دونوں ملکوں کے مجموعی رقبے کا چوگنا چودہ لاکھ مربع میل سے زیادہ ہوتا ہے۔

نئے جدید جغرافیہ نویسوں کے اندازے کے مطابق جزیرہ نمائے عرب میں شامل مختلف عربیہ ستوں کے رقبے حسب ذیل ہیں (بحوالہ انسائیکلو پیڈیا آف نیشنز)

سعودی عرب تقریباً	۹,۰۰,۰۰۰	مربع میل	عراق تقریباً	۱,۷۵,۵۵۵	مربع میل
شام	۷۲,۲۲۴	"	اردن	۳۶,۷۱۵	"
لبنان	۴,۰۱۵	"	علاقہ مقبوضہ اسرائیل	۷,۹۹۲	"
کویت	۵۸,۰۰۰	"	بحرین تقریباً	۲۱۳	"
قطر	۸,۰۰۰	"	یمن	۷۵,۰۰۰	"
خلیج عمان کی وفاقی ریاستیں تقریباً	۲۲۰,۰۰۰	مربع میل	جزیرہ نمائے عرب کا کل رقبہ	۸,۵۹,۵۰۰	مربع میل ہوا۔

نئے ہمارے موضوع کا تعلق زیادہ تر سعودی عرب سے ہے۔ اس لئے نئی تحقیق

کی روشنی میں اس ملک کے طبعی حالات کی تفصیل بیان کرنا مفید ہوگا۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۳۷)

گیا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فیٹ بلند ہے۔ بعض حصے زرخیز اور شاداب بھی ہیں۔

چاندی اور سونے کی کانیں کثرت سے ہیں۔ علامہ ہمدانی نے "صفۃ جزیرۃ العرب" میں ایک ایک کان کا نشان دیا ہے۔ قریش جو تجارت کیا کرتے تھے، مورعین نے لکھا ہے، زیادہ تر ان کا مال تجارت چاندی ہوتی تھی۔

۶

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶) (ملاحظہ ہو جغرافیہ عرب و رانساٹیکلو پیڈیا آف نیشنز) بحیرہ قلم کے کناروں کے متوازی ایک تنگ میدانی علاقہ ہے جس کا طول خلیج عقبہ سے یمن کی سرحد تک تقریباً گیارہ سو میل ہے۔ اس میدانی علاقے کو تہام کہا جاتا ہے۔

اس سے اندرون ملک کی طرف بڑھیں تو شمال کی طرف حجاز کی پہاڑیاں پکایک بلند ہو جاتی ہیں۔ ان کی بلندی تین ہزار فٹ سے نو ہزار فٹ ہے۔ جنوب کی طرف عسبر کی پہاڑیاں ہیں جو بحیرہ قلم کے کنارے کنارے تقریباً دو سو تیس میل اور اندرون ملک ۱۸۰ سے ۲۰۰ میل تک پھیلی ہوئی ہیں۔

حجاز کا سلسلہ کوہ مشرق کی طرف نسبتاً آسان ڈھلوان کی شکل میں نشیب کی طرف اترتا ہے اور ملک کی مرکزی سطح مرتفع نجد میں ختم ہو جاتا ہے۔ نجد مغرب کی طرف سطح سمندر سے تقریباً پانچ ہزار فٹ بلند ہے اور مشرق کی طرف اس کی بلندی دو ہزار فٹ رہ جاتی ہے۔ نجد اور زیریں زمین الحساء کو ایک صحرا جدا کرتا ہے جس کا عرض تقریباً ۲۵ میل ہے۔ الحساء کا اوسط عرض ایک سو میل ہے اور یہ سطح سمندر سے آٹھ سو فٹ بلند ہے۔ یہ علاقہ آہستہ آہستہ خلیج فارس کے نشیبی ساحل علاقے میں مل جاتا ہے۔ سعودی عرب میں اس ساحلی علاقے کا جو حصہ شامل ہے وہ شمال میں راس المتعاب سے لے کر ریاست قطر تک ہے۔ اس کا طول تقریباً تین سو میل ہے۔

مکہ کا کم از کم ایک تہائی حصہ ریتیا صحرایہ ہے۔ سب سے بڑا صحرائی علاقہ ربع الخالی ہے، ہم سے مشرق ہے۔ یہ جنوب میں واقع ہے۔ اس کا تہہ تقریباً (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸)

عرب کے اقوام و قبائل

مورخین عرب نے اقوام و قبائل عرب کو تین حصوں پر منقسم کیا ہے۔
 عرب بایده:۔ یعنی عرب کے قدیم ترین قبائل جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے۔
 عرب عاربه:۔ بنو قحطان جو عرب بایده کے بعد عرب کے اصل باشندے تھے اور جن کا
 اصل مسکن ملک یمن تھا۔

عرب متعربہ:۔ بنو اسماعیل یعنی حضرت اسماعیلؑ کی اولاد جو حجاز میں آباد تھی۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۳۷) دو لاکھ پچاس ہزار مربع میل ہے۔ شمال میں النفوذ کا صحرائی علاقہ
 ہے جس کا رقبہ بائیس ہزار مربع میل ہے۔ ملک میں کوئی قدرتی جھیل نہیں۔ مشرقی علاقوں
 کے نخلستانوں میں کنوؤں کے سوا پانی کا کوئی چشمہ یا دریا نہیں۔

لے تیل کے علاوہ سعودی عرب کی معدنی دولت کی تلاش کی کوئی منظم کوشش نہیں کی
 گئی۔ ۱۹۳۲ء سے اس سلسلے میں کچھ توجہ دی گئی اور ۱۹۳۲ء میں سعودی عربین مائیننگ
 منڈیکٹ کے نام سے ایک کمپنی بنی جس میں زیادہ تر برطانیہ، امریکہ اور کینیڈا کے حصے
 تھے۔ اس کا مقصد سعودی عرب میں معدنیات کی تلاش اور ان کی کھدائی تھا۔ لیکن اس کمپنی
 نے سونے کی صرف ایک کان "مہد الدیب" (سونے کا گہوارہ) کی کھدائی کی۔ اس کان کے
 متعلق مشہور ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں دریافت ہوئی تھی۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۳۹)

ظہور اسلام کے وقت بنو قحطان اور بنو اسماعیل، جن کو عدنانی قبائل بھی کہتے ہیں، ملک کے اصل باشندے تھے اور ان کے علاوہ خال خال یہودیوں کی آبادی تھی۔ اس بنا پر درحقیقت ملک عرب اس وقت تین مختلف عناصر سے مرکب تھا۔ ہر عنصر کا قوام بے شمار قبائل و فروع سے تھا، جو میں سے شام تک ہر قطعہ زمین میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کی پھر مختلف چھوٹی چھوٹی

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۲۸) یہ مدینہ کے جنوب مشرق میں واقع تھی۔ ۱۹۲۹ء میں اس کی کھدائی شروع ہوئی اور ۱۹۵۲ء میں آخری بار اس سے کچھ وصحات نکالی گئی۔ اس وقت تک اس میں سے تین کروڑ پندرہ لاکھ ستاسی ہزار سات سو اسی ڈالر کا سونا اور چاندی حاصل کیا گیا۔ کمپنی میں حکومت سعودی عرب کے پندرہ فی صد اور سعودی عرب کے شہریوں کے دس فی صد حصص تھے۔ حکومت سعودی عرب کو سونے کی کل قیمت پر پانچ فی صد رائلٹی ملتی تھی۔

۱۹۳۲ء۔ مئی ۱۹۳۲ء میں سعودی عرب کی حکومت نے ایک امریکی فرم سٹینڈرڈ آئل آف کیلیفورنیا کو تیل کی مراعات دیں۔ یہ کمپنی بعد میں جو بیٹن امریکن آئل کمپنی کے نام سے موسوم ہوئی۔ ۲ دسمبر ۱۹۳۸ء میں کمپنی کے سرمائے کو ایک بار پھر منظم کیا گیا۔ اب اس میں مندرجہ ذیل حصے دار شامل ہیں۔

سٹینڈرڈ آئل آف کیلیفورنیا = ۳۰ فی صد۔ میکسا ز کمپنی = ۲۰ فی صد۔ سٹینڈرڈ آئل آف نیو جرسی = ۳۰ فی صد۔ سوکنی مو بل آئل کمپنی = ۱۰ فی صد۔

تیل کے ذخائر سعودی عرب کے مشرقی صوبے الحساء میں پائے جاتے ہیں۔ ۱۹۵۹ء میں چھپیس کروڑ اکیس لاکھ اکیس ہزار چار سو اٹھتر بیرل خام تیل نکلا تھا۔ گویا خام تیل کی روزانہ اوسط نو لاکھ بانوے ہزار ایک سو چودہ بیرل تھی۔ یہ تیل ایک سو انچاس کنوؤں میں سے حاصل ہوا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک کنوئیں میں سے ہر روز پانچ ہزار دو سو انچاس بیرل تیل نکلتا رہا۔ امریکہ میں تیل کے کنوؤں کی یومیہ اوسط صرف بارہ بیرل فی کنواں ہے۔

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۰)

شاخیں تھیں کیونکہ اس کتاب میں اکثر ان کے نام آئیں گے، اس بنا پر ان کا ایک مختصر خاکہ درج ذیل ہے۔

بنو قحطان

اس خاندان کی تین بڑی شاخیں ہیں۔

۱۔ قضاعہ ۲۔ کہلان ۳۔ ازد۔ حمیر بھی اسی کی شاخ ہے جو یمن کے فرمانروائے لیکن واقعات کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔

دبقیہ حاشیہ از صفحہ ۲۹) سعودی عرب کے خام تیل کا ایک تہائی حصہ یورپ کی منڈیوں میں بھینچنے کے لئے ۱۰۶۸ میل لمبی پاٹ لائن کے ذریعے لبنان کے شہر صیدا کو بھیجا جاتا ہے۔ یہ پاٹ لائن دسمبر ۱۹۵۰ء میں بچھائی گئی تھی۔ مزید ایک تہائی سویز کے مشرقی علاقوں میں فروخت کے لئے ایک دوسری پاٹ لائن کے ذریعے بحرین میں بھیجا جاتا ہے۔ باقی کا ایک تہائی بڑے بڑے تیل بردار سمندری جہازوں کے ذریعے یورپ اور امریکہ کی منڈیوں کو روانہ ہوتا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں ہر ماہ تقریباً ۱۴۸ بڑے بڑے تیل بردار جہاز اس کام میں لائے گئے تھے۔

اس کمپنی کے علاوہ سعودی عرب میں دو اور کمپنیاں کام کر رہی ہیں۔ ان میں سے ایک جاپانی کمپنی ہے اور دوسری امریکی کمپنی جس کا نام پال گٹھ آئل کمپنی ہے۔ تیل کی دریافت نے سعودی عرب اور دوسرے عربی ممالک کی کابالہٹ دی ہے۔ اس سے پہلے سعودی عرب کے سرکاری خزانے کی بیشتر آمدنی حجاج کی مرہون ہوا کرتی تھی۔ یہ آمدنی اب بھی قائم ہے لیکن تیل کی آمدن ان سب سے بڑھ کر ہے۔ ایک اندازے کے مطابق سرکاری خزانے کا ۸۱ فی صد تیل سے حاصل ہوتا ہے۔

”اراکو“ (دعوت بین امریکن آئل کمپنی) تیل کے ہر بیرل پر ۲۰ فی صد رائلٹی دیتی ہے۔ اس کے علاوہ تیل پر انکم ٹیکس بھی ادا کیا جاتا ہے۔ دسمبر ۱۹۵۵ء میں دبقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۱)

۱۔ قبائل قضاہ:۔ عام علمائے انساب قضاہ کو بنو قحطان میں داخل کرتے ہیں اور ہم بھی یہاں ان کی پیروی کرتے ہیں ورنہ ازروئے تحقیق وہ بنو اسماعیل ہیں۔ بہر حال ان کی حسب ذیل شاخیں ہیں:۔

بنو کلب، بنو تنوخ، بنو جرم، بنو جہینہ، بنو نہد، بنو عذرہ، بنو اسلم، بلی، سلیح، ضجعم، تغلب، نمر، اسد، تیم، املاط، کلب۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۴۰) ایک معاہدے کے تحت تیل پر رائٹنگ، ٹیکس اور دوسری تمام دہویوں کو ملا کر حکومت کا حصہ کمپنی کی کل آمدن کا پچاس فی صد مقرر کیا گیا تھا۔

سعودی عرب کی کل آمدنی سے متعلق اعداد و شمار نہیں ملتے۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۹۵۸ء میں کل آمدنی تقریباً چار سو ملین ڈالر تھی۔

سعودی عرب کی تجارت زیادہ تر امریکہ سے ہوتی ہے۔ ۱۹۵۷ء میں امریکہ نے سعودی عرب سے بیالیس ملین ڈالر کا تیل خریدا اور سعودی عرب نے امریکہ سے چھ سو ملین ڈالر کی اشیائے صرف خریدیں جن میں کھانے پینے کی اشیاء، بوتلیں کپڑا اور موٹریں وغیرہ شامل تھیں۔ اب جرمنی اور جاپان کے ساتھ بھی تجارتی تعلقات بڑھ رہے ہیں۔ جون ۱۹۵۸ء سے حکومت نے درآمدی پالیسی کو سخت کر دیا ہے تاکہ سامان آسائش کی درآمد میں کمی ہو سکے۔

اپریل ۱۹۵۹ء میں قاہرہ میں عرب پٹرولیم کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں سعودی عرب کے وفد نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ شرق وسطیٰ کے تیل پیدا کرنے والے ممالک کو صرف خام تیل کے منافع ہی میں حصہ دار نہیں رہنا چاہیے بلکہ اس کی مواصلت، صفائی اور فروخت کے منافع میں بھی حصے کا مطالبہ کرنا چاہیے۔

یہ صرف سعودی عرب کے تیل کی کہانی ہے۔ سعودی عرب میں تیل ۱۹۳۷ء میں نکلا تھا۔ اس کے علاوہ جزیرہ نمائے عرب میں عراق، کویت، بحرین، قطر اور خلیج فارس کی وفاقی ریاستوں میں بھی تیل کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ آمدنی کی حدود حسب ذیل ہیں۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۴۲)

۲۔ کہلان، بھیلہ، خنجر، ہمدان، کندہ، جھج، طے، لخم، جذام، عاملہ۔

۳۔ ازو:۔ انصار اسی کی شاخ ہیں۔

اوس، خنزرج، خزاعہ، غسان، دوس۔

مشہور عدنانی قبائل جن کا آخری مقسم مضر ہے حسب ذیل ہیں:-

قبائل مضر اولاً بنی خندف اور بنو قیس دو خاندانوں پر منقسم ہیں۔

۱۔ خندف:- بذیل، کنانہ، اسد، ضبہ، مزینہ، رباب، تمیم، ہون۔ ان میں سے ہر ایک کے متعدد فروغ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱) عراق کی قومی آمدن کا ۶۰ فی صد حقہ تیل سے حاصل ہوتا ہے۔

کویت کی قومی آمدنی ۱۹۵۸ء کے اعداد و شمار کے مطابق چار سو پندرہ ملین ڈالر سالانہ تھی۔ اس میں ۱۹۳۶ء میں تیل نکلتا تھا۔

بحرین میں تیل کی دریافت ۱۹۳۲ء میں ہوئی تھی۔ ۱۹۵۸ء کے اعداد و شمار کے مطابق سالانہ آمدنی پندرہ ملین ڈالر تھی۔

قطر میں تیل کی دریافت ۱۹۳۹ء میں ہوئی۔ سالانہ آمدنی ۱۹۵۸ء کے اعداد و شمار کے مطابق ساٹھ ملین ڈالر تھی۔

عمان کی ساحلی و فاقی ریاستوں کی کل تعداد سات ہے۔ ان میں سے سب سے پہلے ۱۹۵۵ء میں ابوظہبی میں تیل دریافت ہوا۔ اس وقت تک تیل کو تجارتی خطوط پر فروخت کرنے کی کوئی تنظیم نہیں بنی تھی تاہم برطانوی کمپنیاں تیل تلاش کر رہی تھیں اور سہولت کے عوض ان ریاستوں کو سب ذیل معاوضہ دیا گئی۔

ابوظہبی = چار لاکھ ڈالر۔ دہلی = آٹھ لاکھ ڈالر۔ شارجہ = چھ ہزار ڈالر۔ واسطیہ

امحان = ہزارہ، ام الکبیر میں سے ہر ایک کو تقریباً ۱۰ ہزار اور ۳۴ ہزار ڈالر کے درمیان

ان ریاستوں کی آمدنی کے موجودہ اعداد و شمار حاصل نہیں ہو سکے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲)

اصول	فروع	اصول	فروع
کنانہ ہون رباب	قریش - دول قارہ عدی - تیم - عقل - ثور	تیم	مقاص - قریش - بہدہ - یربوع - ریاح - ثعلبہ - کلب -

قیس :- عدوان - غطفان - اعصر - سلیم - ہوازن -
ان میں بعض کے فروع یہ ہیں :-

اصول	فروع	اصول	فروع
غطفان اعصر	عبس - ذبیان - فزاذہ - مرہ غنی - یاہلہ	ہوازن	سعد بنہ - حثیم - ثقیف - سلول - بنو عامر (عامر کی شاخیں بنو بلال - بنو مرہ بنو کعبہ ہیں)

.. یہود
بنو قینقاع - بنو نضیر - بنو قرظہ -

دبقیہ حاشیہ از صفحہ ۴۲ تا ۴۱ ہم یہ قبیوں کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی اوپر بیاہ کعدہ
آمدنی کی گنا بڑھ گئی ہے۔ ان ریاستوں میں ہٹلوں، بلکوں اور ہسپتالوں کی تعمیر آمدنی میں
منافع کا ثبوت ہیں۔

عرب کی قدیم حکومتیں

بنو قحطان و آل اسمعیل نے اسلام سے پہلے متعدد حکومتیں قائم کی تھیں جن کے جستہ واقعات کہیں کہیں ملتے ہیں۔ کتبوں اور دیگر مؤرخین کی تصریحوں سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں پانچ مستمد سلطنتیں گزری ہیں۔

۱۔ معینہ میں — معینہ میں ایک مقام کا نام ہے جو کسی زمانے میں سلطنت کا پایہ تخت تھا۔
۲۔ سائی — یعنی قوم سبا۔

۳۔ حضرموت — حضرموت میں کا مشہور مقام ہے۔

۴۔ قتبانی — قتبانی حدن میں ایک مقام ہے جو آج کل گنام ہے۔

۵۔ نابتی — حضرت اسمعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام ثابت تھا۔ یہ سلسلہ ان ہی کی طرف منسوب ہے۔

معینہ سلطنت جنوبی عربستان میں تھی۔ اس کے صدر مقامات قرن اور معینہ تھے۔ کتبوں سے تقریباً پچیس حکمرانوں کا پتہ چلتا ہے۔ محققین یورپ میں اختلاف ہے کہ معینہ اور سبائی حکومتیں ہم زمان تھیں یا متقدم و متاخر۔ گلازر کا خیال ہے کہ معینہ حکومت بہت متقدم ہے اور حضرت عیسیٰؑ سے چند سو برس قبل موجود تھی لیکن مولر کا بیان ہے کہ کوئی معینہ کتبہ آٹھ سو برس قبل مسیح سے پہلے کا نہیں ملتا۔ اس بنا پر سبائی اور معینہ دونوں ہم عصر ہیں۔

سبائی دور، جیسا کہ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے، حضرت عیسیٰؑ سے سات سو برس قبل ہے

اس سلطنت کا پایہ تخت مارب تھا۔ اس زمانے کے سنگی کتبے بکثرت موجود ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ سے ایک سو پندرہ برس قبل تک اس حکومت کا پتہ چلتا ہے۔ اس دور کے بعد حمیر کا زمانہ ہے۔ حمیر نے مارب پر قبضہ کر کے اس کو پایہ تخت بنا لیا۔

قریباً ۵۰۰ سال قبل مسیح میں حمیر نے سبا کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ کتنوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حمیر میں چھپیس فرما نروا گزرے۔ حمیر کے بعض کتبوں میں سن و سال بھی کندہ ہے۔ ان کے عہد میں رومی سلطنت نے عرب میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن یہ کوشش پہلی جی تھی اور آخری بھی۔ اسے لیس، گالس جس نے حضرت عیسیٰؑ سے اٹھارہ برس پہلے عرب پر چڑھائی کی تھی بالکل ناکامیاب رہا۔ اس کے دھیر و غا بازی سے اس کو صحرا میں لے گئے اور ریگستان میں پہنچ کر اس کا سارا لشکر تباہ ہو گیا۔

حمیر نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا۔ اسی زمانے کے قریب حبشیوں نے عرب کے جنوب میں حکومت قائم کرنا شروع کی اور ایک زمانہ میں حمیریوں کو شکست دے کر اپنی مستقل حکومت قائم

۱۔ مولانا عبدالرؤف قادری دانا پوری نے اپنی کتاب اصح السیر میں حمزہ انصہانی کی کتاب تاریخ ملوک الارض کے حوالے سے یمن میں بنی قحطان کے بادشاہوں کے نام نقل کئے ہیں اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سبا کی حمیری اور تبا بعد کی مختلف اور جدا جدا سلطنتیں نہ تھیں۔ سبا بن یثجب سب کا جد اعلیٰ تھا۔ اسی کی اولاد سبا کی ملوک ہیں اور اسی کا لڑکا حمیر بن سبا چونکہ منظم سلطنت کا بانی ہے۔ اس لئے بعد کے نام سلاطین کو ملوک حمیر بھی کہتے ہیں۔

رایش کو جو سبا اور حمیری کی اولاد ہے پہلے تبع کا لقب دیا گیا کیونکہ اُس نے ان لوگوں کو تابع کیا جو پہلے تابع نہ ہو سکے تھے۔ اور اقرن کو بھی اسی طرح تبع کا لقب ملا۔ لیکن تبع بن الاقرن کے بعد سے تبع بن حسان تک جتنے شاہان حمیرہ وئے سب تبع کہلائے اور ان کو تبا بعد کی حکومت کا نام دیا گیا۔

۲۔ اس سے مراد حجاز اور نجد ہی کا علاقہ ہو سکتا ہے۔ جزیرہ نما عرب میں تیسری قوم کے اثر و نفوذ کا ذکر اگلی سطریں میں خود مؤلف کے قلم سے ہو گا۔ (بقیہ حاشیہ بر ص ۴۹)

کرگی۔ اسی عہد کا ایک کتبہ جو آج کی مکتھ آیا ہے اس پر یہ الفاظ ہیں :-
 ”رحمن مسیح اور روح القدس کی قدرت و فضل و رحمت سے اس یادگاری پتھر پر
 ابرہہ نے کتبہ لکھا جو کہ بادشاہ حبش اراحمیس ذبیان کا نائب حکومت ہے :-
 نائبی حکومت جو شام کے حدود سے متصل تھی اور جو قوم ثمود کی مرادف یا ان کی قائم مقام تھی
 اس کی نسبت فارستر صاحب اپنے جغرافیہ میں لکھتے ہیں :-
 ”نابت کا نام اور اثر نہ صرف ریگستانی اور صحرائی عرب پر مستولی تھا بلکہ حجاز و نجد

(بقیہ ماضیہ از صفحہ ۴۵) ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی
 زندگی میں عربوں اور یورپی مؤرخوں اور محققوں کے حوالے سے وضاحت کی ہے کہ یمن کا
 جو بادشاہ یہودی ہو گیا تھا اس کا نام ذونواس تھا۔ اس نے اپنے ماتحت صوبہ نجران
 کے عیسائیوں پر مذہبی تعصب کی بنا پر شدید مظالم کئے۔ انجیلیں جلا دیں اور جو لوگ عیسیت
 سے تائب نہیں ہوئے انہیں ایک گڑھے میں الاؤ جلا کر زندہ جلا دیا۔ ان نجرانی عیسائیوں
 میں سے ایک آدمی کسی طرح بیزنطینی شہنشاہ کے دربار میں پہنچا اور عیسائیوں کی مظلومیت
 کی داستانیں سنا کر اسے امداد پر مائل کیا۔ بیزنطینی شہنشاہ اس وقت ایران پر حملہ کر رہا تھا
 تھا۔ اس کے علاوہ یمن اس کی سلطنت سے زیادہ فاصلہ پر واقع تھا اس نے اپنے زیر اثر ملک حبشہ
 کے عیسائی بادشاہ کو سفارتی کی کہ وہ یمن سے قریب تھا اور آسانی کے ساتھ نجران کے عیسائیوں کی
 مدد کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ بیزنطینی بادشاہ نے کشتیوں سے حبشہ کی مدد کرنے کا بھی وعدہ کیا۔
 ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے دوسری روایت یہ بھی بیان کی ہے کہ طبران کا میر قاصد سیدھا
 حبشہ میں پہنچا تھا۔ صورت جو بھی ہوا اپنے ہم مذہبیوں کی مدد کے لئے حبشہ کا بادشاہ اس کی
 ہزار کی فوج کے ساتھ یمن پر حملہ آور ہوا۔ یمنی سلطنت نے مدافعت کی لیکن بالآخر ذونواس کی
 شکست ہوئی اور یمن پر حبشیوں کا قبضہ ہو گیا۔ ابرہہ شہنشاہ حبش کی طرف سے یمن کا
 دوسرا گورنر تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی محولہ بالا کتاب میں اس کتبے کا پورا متن دیا
 ہے۔

کے صوبہ ہائے عظیم پر بھی حاوی تھا۔ نابتی جہاں ایک طرف منافع بخش تجارت سے بہرہ اندوز ہونے میں کمال رکھتے تھے وہاں دوسری طرف بطور سچے بنو اسمعیل کے خطرات جنگ کے لئے بالکل مستعد رہتے تھے۔ فلسطین و شام میں ان کی غارت گریوں اور غلیج عرب میں مصری جہازات پر ان کی رہزنی نے بارہا تاجدارانِ مقدونیہ کو ان کی دشمنی پر آمادہ کر دیا۔ لیکن روم کی مجموعی قوت سے پیشتر کوئی شے انہیں روک نہ سکی۔ اور روم کی طاقت بھی انہوں نے اسٹرابو کے زمانے میں بالکل مجبورانہ اور مضتبہ انداز سے قبول کی۔

یہ قدیم سلطنتوں کا حال تھا۔ اسلام سے قبل یہ تمام سلطنتیں برباد ہو چکی تھیں۔ ان کے بجائے یمن میں بڑے بڑے سردار رہ گئے تھے۔ جن کو قیل یا مقول کہتے تھے۔ عراق میں آل منذر کا خاندان قائم تھا جو فارس کے زیر اثر تھا۔ شام کی حدود میں عسائی خاندان فرمانروا تھا جو قیصرانِ روم کا ماتحت تھا اور جس کا آخری فرمانروا جبیلہ بن الایہم عسائی تھا۔

۱۔ جدید محققوں کی تحقیق یہ ہے کہ حبش کے تین گورنریکے بعد دیگرے یمن پر حکمران ہوئے۔ تیسرے اور آخری گورنر کا نام مسروق تھا۔ اس کے عہد میں ایک آدمی ایران گیا اور نوشیروہن سے مدد لینے میں کامیاب ہو گیا۔ ایرانی فوج نے عربوں کے تعاون سے حبشیوں کو یمن سے نکال دیا اور یمن ایران کے ماتحت ایک صوبہ بن گیا۔ جس پر دوبارہ ایرانی سے عامل مقرر ہو کر آتے تھے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے میں ابداں نامی ایک ایرانی عامل یمن پر حکمران تھا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس گورنر کے تحت بڑے بڑے عرب سردار بھی ہوں گے جن کو قیل یا مقول کہا جاتا ہو گا۔

۲۔ عسائی خاندان اصل میں یمن کا رہنے والا تھا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً چار سو برس قبل سد مأرب کے ٹوٹ جانے اور ییل عرم کے گرنے سے یمن میں عام ہلاکت ہوئی۔ اور اس کی وجہ سے کچھ یمنی قبائل دوسرے علاقوں میں ہجرت کر گئے۔ ان میں سے ایک قبیلہ عسائی بھی تھا۔ یہ قبیلہ پھرتا پھرتا دمشق میں پہنچا جو اس وقت بیزنطینی سلطنت کے وظیفہ دار قبیلہ ضمیم کے زیر حکومت تھا۔ بیزنطینی حکومت دمشق (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۴۸)

تہذیب و تمدن

تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے۔ مثلاً یمنی کسی زمانے میں انتہا درجے کی ترقی تک پہنچ چکے تھے۔ یورپ کے محققین آثارِ قدیمہ جنہوں نے یمن کے آثارِ قدیمہ کی تحقیقات کی ہے اور پیرانے کتبوں کو پڑھا ہے وہ یمن کی قدیم تہذیب و تمدن کا اعتراف کرتے ہیں۔ مؤرخین عرب کا دعویٰ ہے کہ یمن نے ایک زمانہ میں اس حد تک ترقی کی تھی کہ وہاں کے سلاطین نے تمام ایران فتح کر لیا تھا۔ چنانچہ سمرقند کی وجہ تسمیہ بتاتے ہیں کہ یمن کا ایک بادشاہ جس کا نام شمر تھا اُس نے سمرقند کو کھدوا کر برباد کر دیا تھا۔ اسی بنا پر ایرانی اس مقام کو شمرکند کہنے لگے۔ پھر مغرب ہو کر سمرقند ہو گیا۔

دقیقہ حاشیہ از صفحہ ۴۲) میں اس قبیلے کو خانہ بدوش عربوں اور اپنی سلطنت کے درمیان عاجز سلطنت (بفرشیٹ) کے طور پر استعمال کرتی تھی۔ قبیلہ عسان نے حسبِ حیثیت ایک ڈیڑھ یا دو دینار فی کس ٹیکس دینا قبول کیا اور دمشق میں رائٹس اختیار کر لی لیکن یہ اعلیٰ گزاری چند روزہ ثابت ہوئی۔ عسانیوں نے جلد ہی ٹیکس دینے سے انکار کر دیا اور ضخم کے مقابلے میں اتر آئے۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں ضخم بالکل قتل ہو گئے اور عسانی دمشق پر تہ بفر ہو گئے۔ رومن شہنشاہ و یقیوس (وفات ۳۰۵ء) نے اس نئی ریاست کو تسلیم کر لیا اور سالانہ پندرہ سیر سونا بطور وظیفہ مقرر کیا۔

اسی طرح عرب کے وہ مقامات جو ایران اور شام سے متصل تھے مثلاً حیرہ جو آل نعمان کا پایہ تخت تھا اور حوران جو خاندان غسان کا صدر مقام تھا، تہذیب و تمدن سے خالی نہ تھے۔

لیکن عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات میں تہذیب و تمدن کی یہ حالت نہ تھی۔ عربی زبان نہایت وسیع ہے۔ باوجود اس کے جن چیزوں کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے ان کے لئے خاص عربی زبان میں الفاظ نہیں ملتے بلکہ ایران یا روم سے مستعار آئے ہیں۔ سکتہ کے لئے ایک لفظ بھی موجود نہیں۔ درہم و دینار دونوں غیر زبان کے الفاظ ہیں۔ درہم یونانی لفظ درخم ہے اور یہ وہی لفظ ہے جو انگریزی میں ڈرام ہو گیا۔ چراغ معمولی چیز ہے تاہم اس

لے جدید علمائے تاریخ کی تحقیق ہمیں بتاتی ہے کہ موجودہ کوفہ کا پرانا نام حیرہ ہے جو عراق کا پایہ تخت تھا۔ جس طرح بیزنطینیوں نے دمشق میں ایک وظیفہ خوار عربی سلطنت قائم کر کے اپنی سلطنت کو خانہ بدوشوں کی تاراج سے محفوظ کیا تھا اسی طرح عراق میں ایران نے ایک صاحبزریاست قائم کی اور آل نعمان کو وظیفہ خوار کی حیثیت سے اس پر حکمران بنا دیا۔ انہوں نے خانہ بدوشی ترک کر دی۔ بستیوں کو آباد کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے صدیوں قبل ایک زبردست عربی سلطنت کے حاکم اور مختار بنے رہے۔ لیکن مزدک کے زیر اثر ایرانیوں کی اخلاقی حالت نالگفتہ بہ ہو گئی اور حسنی اباحت ان میں اس حد تک راسخ ہو گئی کہ بہن اور بیٹی تک کی تیز مٹ گئی۔ اس سلطنت نے عربوں کو بھی اپنے ڈھنگ پر لانا چاہا۔ لیکن عربی غیرت نے اس کی مدافعت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حیرہ کے حکمران کو مدائن میں بلا کر قتل کر دیا گیا۔ ایک عرب ایاس بن قبیضہ کو عربوں کا براٹے نام سرور بنا دیا گیا لیکن ملامت حیرہ ایرانی صوبہ بنا دیا گیا۔ ایرانی گورنروں نے عرب کشی کی ہولناکیاں مثالیں قائم کیں۔

حیرہ اور یمن کے علاوہ مشرقی اور جنوب مشرقی ساحلی علاقوں یعنی عمان اور بحرین (موجودہ الحساء کا علاقہ) میں ایرانی اثرات مستحکم ہو گئے۔ عمان میں سلندی بن المستکبر کا خاندان کسرتے ایران کی طرف سے نامزد ہو چکا تھا۔ اسی سلندی کے بیٹوں جیفرا اور عبد (بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰)

کے لئے عربی میں کوئی لفظ نہ تھا۔ چراغ کو لے کر سراج کر لیا۔ پھر ایک مصنوعی لفظ بنایا۔ مصباح یعنی ایک آلہ جس سے صبح بنائی جاتی ہے۔ کوزہ کے لئے کوئی لفظ نہیں۔ کوزہ کو کوزہ کر لیا ہے۔ لوٹے کو ابریق کہتے ہیں جو آب ریزہ کا معرب ہے۔ خلشست فارسی لفظ تھا اسی کو عربی میں طست کر لیا ہے۔ پیالہ کو کاس کہتے ہیں۔ وہی کاسہ فارسی لفظ ہے۔ گرتہ کو عربی میں قرطی کہتے ہیں۔ یہ بھی فارسی ہے۔ پاجامہ کو سروان کہتے ہیں جو شلوار کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب نے کسی زمانے میں جو ترقی کی تھی اُس پاس کے ممالک کی تہذیب و تمدن سے متاثر ہو کر کی تھی۔ اس لئے جو مقامات ان ممالک سے دور تھے اسی اصلی حالت پر رہ گئے۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک عیش و نعمت کے سامان بہت کم تھے۔ مسئلہ حجاب کے شان نزول میں بخاری وغیرہ میں مذکور ہے کہ ان زمانے تک گھروں میں جائے ضرورت تھی۔ مستورات رفع حاجت کے لئے باہر جایا کرتی تھیں۔ ترمذی باب الفقیر میں ہے کہ اس وقت تک چھلنیاں نہ تھیں۔ بھوسے کو پھونک کر اڑاتے۔ جو رہ جاتا تھا وہی اٹھا ہوتا تھا۔ ابو داؤد میں ایک صحابی کی روایت ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تھا لیکن میں نے آپ سے حشرات الارض کا حرام ہونا نہیں سنا۔ اگرچہ اس حدیث کی شرح میں محدثین لکھتے ہیں کہ ایک راوی کے تہہ بسنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حشرات الارض کی حرمت نہیں بیان کی لیکن اس سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب حشرات الارض کھاتے تھے۔ تازیخ اور ادب میں یہ تصریح موجود ہے کہ عرب کھنکھورا، گوئے، گرگٹ، سہی اور جانوروں کا چمڑہ کھاتے تھے۔

(بقیہ سانشید از صفحہ ۴۹) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب فرمایا تھا۔

عمان کے ایک اور سردار ہوزہ بن علی کو کسریٰ نے ایک جواہر نگار ٹوپی عنایت کی تھی جس کی وجہ سے اس کا لقب ذوالتاج یا صاحب تاج مشہور ہو گیا۔ بحرین کے صدر مقام ہجر میں ایران کی طرف سے ایک فوجی افسر ہاکرنا تھا بعض عرب موروثی فوجی افسر تھے

عرب کے مذاہب

عرب میں اسلام سے پہلے مختلف مذاہب تھے۔ بعضوں کا خیال تھا کہ جو کچھ ہے زمانہ یا فطرت (قانون قدرت) ہے۔ خدا کوئی چیز نہیں۔ بعض خدا کے قائل تھے لیکن قیامت اور جزا و سزا کے منکر تھے۔ بعض خدا اور جزا و سزا کے بھی قائل تھے لیکن نبوت کے منکر تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر کوئی پیغمبر ہو سکتا ہے تو اس کو فرشتہ ہونا چاہئے جو حاجات انسانی سے منزہ ہو۔ لیکن عموماً لوگ بت پرست تھے۔ وہ بتوں کو خدا نہیں سمجھتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ خدا تک پہنچنے کے وسیلے ہیں۔ قبیلہ حمیر جو مین میں رہتا تھا آفتاب پرست تھا۔ کنانہ چاند کو پوجتے تھے۔ قبیلہ بنی تمیم دبران کی عبادت کرتا تھا۔ اسی طرح قیس شمری کی۔ قبیلہ اسد عطار دکی اور لخم و خدام مشتری کی پرستش کرتے تھے۔

مشہور بتوں اور ان کے پوجنے والوں کے نام حسب ذیل تھے :-

نام بت	مقام	قبیلہ جو اس بت کو پوجتا تھا	نام بت	مقام	قبیلہ جو اس بت کو پوجتا تھا
لات	طائف	ثقیف	عزى	مکہ معظمہ	قریش و کنانہ
منات	مدینہ منورہ	اوس - خزرج - غسان	دو	وہ الجندل	کلب
سواع	..	ہذیل	یغوث	..	مذحج اور بعض قبائل مین
یعوق	..	ہمدان	..	..	..

سب سے بڑا بُت مہل تھا جو کعبہ کی چھت پر منصوب تھا۔ قریش لڑائیوں میں اس کی جے پکارتے تھے۔

عرب میں بُت پرستی کا بانی ایک شخص عمرو بن لُحی تھا۔ اس کا اصلی نام ربیعہ بن حارثہ تھا۔ عرب کا مشہور قبیلہ خزاعہ اسی کی نسل سے ہے۔ عمرو سے پہلے جرہم کعبہ کے متولی تھے۔ عمرو نے لڑکر جرہم کو مکہ سے نکال دیا اور خود حرم کا متولی ہو گیا۔ وہ ایک دفعہ شام کے کسی شہر میں گیا۔ وہاں کے لوگوں کو بُت پوجتے دیکھا تو پوچھا ان کو کیوں پوجتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ حاجت روا ہیں۔ لڑائیوں میں فتح دلاتے ہیں۔ فحط پڑتا ہے تو پانی برساتے ہیں۔ عمرو نے چند بُت اُن سے لے لئے اور لا کر کعبہ کے اُس پاس قائم کئے۔ کعبہ چونکہ عرب کا مرکز تھا اس لئے تمام قبائل میں بُت پرستی کا رواج ہو گیا۔ ان میں سب سے قدیم بُت منات تھا۔ یہ سمندر کے کنارے قدید کے قریب نصب تھا۔ اوس و خنزر ج یعنی مدینہ کے لوگ اسی پر قربانی چڑھاتے تھے اور جب کعبہ کا حج کر کے آتے تھے تو احرام پہن اُتارتے تھے۔ ہذیل اور قضاہ بھی اسی کی پرستش کرتے تھے۔

یا قوت حموی نے معجم البلدان (ذکر مکہ) میں لکھا ہے کہ عرب میں بُت پرستی کی عام شکایت کی وجہ یہ ہوئی کہ قبائل عرب جو تمام اطراف سے حج کو آتے تھے واپس جاتے ہوئے حرم کے سقروں کو اٹھا لیتے تھے اور ان کو اصنام کعبہ کی صورت پر تراش کر ان کی عبادت کرتے تھے۔

اللہ کا اعتقاد

عرب گو قریباً سب کے سب بُت پرست تھے لیکن اس کے ساتھ یہ اعتقاد اُن کے دل کے کبھی نہیں گیا کہ اصلی خدائے بزرگ اور چیز ہے اور وہی تمام عالم کا خالق ہے۔ اس خالق اکبر کو وہ اللہ کہتے تھے۔

نصرانیت اور مجوسیت

اگرچہ زمانے اور مدت کا تعین مشکل ہے لیکن یہ تینوں مذہب ایک مدتِ دراز سے

عرب میں رائج ہو چکے تھے۔ علامہ ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ قبیلہ ربیعہ و غسان نصرانی تھے۔ قضاغہ میں بھی اس مذہب کا اثر پایا جاتا تھا۔ نصرانیت کو اس قدر ترقی ہو چکی تھی کہ خود مکہ معظمہ میں ایسے لوگ موجود تھے (مثلاً ورقہ بن نوفل) جو عبرانی زبان میں انجیل پڑھ سکتے تھے۔ متعدد ایسے لوگ تھے جنہوں نے شام میں جا کر تعلیم پائی تھی۔

حمیر بنو کنانہ بنو حرث، بنو کعب، کندہ — یہ قبائل یہودی تھے۔ مدینہ منورہ میں یہودی نے پورا غلبہ پایا تھا اور توراۃ کی تعلیم کے لئے متعدد درس گاہیں قائم تھیں جن کو بیت المدارس کہتے تھے۔ حدیث کی کتابوں میں اسی نام سے ان کا ذکر آتا ہے۔ قلعہ خیبر کی تمام آبادی یہودی تھی۔ امراء انقیس کا ہم عصر مشہور شاعر سموکل بن عادیا جس کی وفاداری آج تک عرب میں ضرب المثل ہے، یہودی تھا۔

اہل کتاب کی روایتیں مکہ معظمہ میں اس قدر رواج پا چکی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن نازل ہوتا تھا اور اس میں بنی اسرائیل کے واقعات مذکور ہوتے تھے تو کفار بدگمانی کرتے تھے کہ کوئی یہودی یا عیسائی آپ کو سکھاتا ہے۔
قبیلہ تمیم مجوسی تھا۔ زرارہ ثنیمی نے جو اس قبیلہ کا مشہور رئیس تھا۔ اسی بنا پر اپنی بیٹی سے شادی کر لی تھی۔ گو اس پر اس کو ندامت ہوئی۔ اقرع بن حابس بھی مجوسی تھا۔

مذہب حنفی

دین ابراہیمی کا اُم الاصول توحیدِ خالص تھی۔ زمانہ کے امتداد اور جہالت کے شیوع سے یہ اصول اگرچہ شرک آلود ہو گیا تھا، یہاں تک کہ خود خانہ خدا میں بتوں کی پرستش ہوتی تھی تاہم بالکل فنا نہیں ہو سکتا تھا۔ عرب میں کہیں کہیں اس کا دھندلا سا نشان نظر آتا تھا۔ جو لوگ صاحب بصیرت تھے اُن کو یہ منظر نہایت نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا کہ انسان عاقل جماد لا یعقل کے سامنے سر جھکا دے۔ اس بنا پر بہت پرستی کی برائی کا خیال بہنوں کے دل میں آیا لیکن اس کا تاریخی زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ ہی پہلے شروع ہوتا ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی بت کے سالانہ میلے میں ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان

بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل شریک تھے۔ ان لوگوں کے دل میں دفعۃً یہ خیال آیا کہ یہ کیا یہودہ پن ہے کہ ہم ایک پتھر کے آگے سر جھکاتے ہیں جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ کسی کا نقصان کر سکتا ہے، نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ یہ چاروں قریش کے خاندان سے تھے۔ ورقہ حضرت خدیجہؓ کے برادرِ عم زاد تھے۔ زید حضرت عمرؓ کے چچا تھے۔ عبداللہ بن جحش حضرت حمزہؓ کے بھانجے تھے۔ عثمان عبدالعزیٰ کے پوتے تھے۔

زید بن ابراہیم کی تلاش میں شام گئے۔ وہاں یہودی اور عیسائی پادریوں سے ملے لیکن کسی سے تسلی نہ ہوئی۔ اس لئے اجمالی اعتقاد پر اکتفا کیا کہ ”میں ابراہیمؑ کا مذہب قبول کرتا ہوں۔“

صحیح بخاری میں (باب بنیان الکعبہ سے پہلے) حضرت اسماءؓ و دختر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ

”میں نے زید کو اسی حالت میں دیکھا کہ کعبہ سے پیٹھ لگاٹے لوگوں سے کہتے تھے، اے اہل قریش! تم میں سے کوئی شخص بغیر میرے ابراہیمؑ کے دین پر نہیں ہے۔“

عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ زید ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس رسم کی ممانعت کی۔ جب کوئی شخص ایسا ارادہ کرتا تو جا کر اس لڑکی کو مانگ لیتے اور خود اس کی پرورش کرتے۔ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے زید کو دیکھا تھا اور ان سے صحبت رہی تھی۔ ورقہ اور عبداللہ بن جحش اور عثمانؓ پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے۔ اسی زمانے کے قریب امیہ بن ابی صلت نے، جو طائف کا رئیس اور مشہور شاعر تھا، بت پرستی کی مخالفت کی۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ بن زبیر بن بکار کی سند سے لکھا ہے کہ امیہ نے زمانہ جاہلیت میں آسمانی کتابیں پڑھی تھیں۔ اور بت پرستی چھوڑ کر دین ابراہیمی اختیار کر لیا تھا۔

شمال میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رویف تھے۔ انہوں نے امیہ کا ایک شعر پڑھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اور۔۔۔“

انہوں نے سو شعر پڑھے۔ ہر شعر کے ختم ہونے پر آپ فرماتے جاتے تھے کہ
"اور۔۔۔!"

انہیں آپ نے فرمایا کہ
"امیہ مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا۔"

عرب میں اور متعدد اہل نظر پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے بت پرستی سے توبہ کی تھی۔ ان
میں سب سے زیادہ مشہور شخص عرب کا نامور خطیب قیس بن ساعدۃ الایادی ہے۔ اس کا تذکرہ
اگے آتا ہے۔ ایک شخص قیس بن شبہ تھا جس کی نسبت حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ جاہلیت
کے زمانے میں خدا پرست ہو چکا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر مشرف بہ
اسلام ہوا۔

کیا عرب میں ان مذاہب نے کچھ اصلاح کی؟

جیسا کہ اوپر بیان ہوا، عرب میں تمام مشہور مذاہب موجود تھے۔ یہودیت بھی، نصرانیت
بھی، مجوسیت بھی، حنیفیت بھی اور عقلی بلند پروازی کی معراج الحاد بھی۔ لیکن ان سب کا نتیجہ
کیا تھا۔۔۔؟ عقائد کے لحاظ سے یا تو خداؤں کی وہ کثرت جس کو نصرانیت نے بہت
گھٹایا تھا، ہم تین کی تعداد سے کم نہ کر سکی۔ ان کے ساتھ یہ اعتقاد کہ حضرت عیسیٰ خود سولی پر
چڑھ کر تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ بن گئے۔ یا تو حید تھی لیکن خدا اس قسم کا عقاب جو آدمیوں
سے کشتی لڑتا تھا۔

بنتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھاٹی جاتی تھی۔ باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی۔ حقیقی
بہنوں سے ایک ساتھ شادی جائز تھی۔ ازدواج کی کوئی حد نہ تھی۔ قمار بازی، شراب خوری،
زنا کاری کا رواج عام تھا۔ بے حیائی کی یہ حالت تھی کہ سب سے بڑا نامور شاعر امرؤ القیس
جو شہزادہ بھی تھا قصیدہ میں اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بیکاری کا قصہ مزے لے لے کر
بیان کرتا ہے اور یہ قصیدہ کعبہ پر آویزاں کیا جاتا ہے۔

لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ جلا دینا، مستورات کا پیٹ چاک کر ڈالنا، معصوم بچوں کو

تہ تیغ کرنا عموماً جائز تھا۔

یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ تمام دنیا میں یہی تاریخ کی چھائی ہوئی تھی۔
کیا اس عام ظلمت، اس عالمگیر تیرگی، اس وسیع اور ہمہ گیر تاریکی میں ایک آفتاب عالمتاب کی
حاجت نہ تھی۔

سلسلہ اسماعیلی

سلسلہ اسماعیلی —————
حضرت اسماعیلؑ کی قربانی —————
حضرت اسماعیلؑ کی اولاد —————

سلسلہ اسماعیلی

دنیا میں ہر طرف تاریکی چھائی تھی۔ ایران، ہند، مصر، یورپ میں عالمگیر اندھیرا تھا۔ قبول ایک طرف، اس وسیع خطہ خاک میں گز بھرنے میں نہیں ملتی تھی جہاں کوئی شخص خالص خدا کے واحد نام لے سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کلدان میں یہ صدا بلند کرنا چاہی تو آگ کے جلوں سے کام پڑا۔ مصرائے ناموس کو خطرے کا سامنا ہوا۔ فلسطین پہنچے کسی نے بات نہیں پوچھی۔ خدا کا نام جہاں لیتے تھے شرک اور بت پرستی کے غلطے میں آواز دہ کر جاتی تھی۔ معمورہ عالم کے صفحے نقش ہائے باطل سے ڈھک چکے تھے۔ اب ایک سادہ، بے رنگ، ہر قسم کے نقش و نگار سے معر نقش و رنگار تھا جس پر طغرائے حق لکھا جائے۔ یہ صرف باز کا صحرائے ویران تھا جو تمدن اور عمران کے داغ سے کبھی داغ دار نہیں ہوا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ حضرت ماجرہ اور حضرت اسماعیل کو عرب میں لائے اور ان کو یہیں آباد کیا۔ مدت سارہ نے (جیسا کہ توراۃ میں ہے) کچھ عرصہ کے بعد انتقال کیا۔ حضرت ابراہیمؑ مکہ میں بے آئے۔ حضرت اسماعیلؑ جوان ہو چکے تھے۔ اعلانِ حق میں ایک ہم آواز مانتہ آیا۔ دونوں مل کر ایک چھوٹے سے چوکھونٹے گھر کی بنیاد ڈالی۔ علامہ ارزقی نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو تعبیر کی اُس کا عرض و طول حسب ذیل تھا۔

بلندی — زمین سے چھت تک و گز

طول — حجر اسود سے رکن شامی تک ۵۲۰ گز

عرفن — رکن شامی سے عربی تک ۱۲ گز

عمارت بن چکی تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تاکہ اس کا مقام پرچہ دون جہاں سے طواف شروع کیا جائے۔ خدا کا یہ گھر ایسا تعمیر ہوا تھا کہ نہ چھڑتی نہ کواڑ اور نہ چوکھٹ بازو تھے۔ جب قصی بن کلاب کو کعبہ کی تولیت حاصل ہوئی انہوں نے قدیم عمارت گرا کر نئے سرے سے تعمیر کی اور کھجور کے تختوں کی چھت پائی



(حاشیہ صفحہ ۵۹) خانہ کعبہ کے بیرونی گوشوں کو ارکان کہتے ہیں۔ ان میں شمالی گوشے کا نام رکن عراقی ہے کیونکہ وہ عراق کی جانب ہے۔ اسی مناسبت سے مغربی گوشے کو رکن شامی اور قبیلی گوشے کو رکن یمنی کہا جاتا ہے۔ مشرقی گوشے کو رکن اسود کہتے ہیں کیونکہ حجر اسود اسی گوشے میں ہے۔ (مرتب)

حضرت اسماعیلؑ کی قربانی

خدا کا گھر بن چکا تو ضرورت تھی کہ اس کی تولدیت اور خدمت کے لئے کوئی نفس قدسی مشاغل سے الگ ہو کر اپنی زندگی اس پر نظر چڑھا دے۔ اس قسم کی نذر کو ابراہیمؑ شریعت قربانی سے تعبیر کرتے تھے۔ توریت میں یہ محاورہ بکثرت آتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب دکھلایا گیا کہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دے۔ انہوں نے اس خواب کو عینی سمجھا اور بعینہ اس کی تعمیل پر آمادہ ہوئے۔

حضرت ابراہیمؑ کو اپنے استقلال اور جاں نثاری پر اعتماد تھا لیکن یہ تحقیق طلب تھا کہ مزید سالہ نو جوان بھی اپنی گردن پر چھری چلتے دیکھ سکتا ہے یا نہیں۔ بیٹے سے مخاطب لڑکھا:

”بیٹا میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں۔ تو بتا تیری کیا رائے ہے؟“
بیٹے نے نہایت استقلال سے جواب دیا:

”آبا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے وہ کر گزریئے۔ خدا نے چاہا تو میں ثابت قدم ہوں گا۔“

اب ایک طرف نو سالہ پیر ضعیف ہے جس کو دُعاؤں سحر کے بعد خاندانِ نبوت کا شیم و چراغ عطا ہوا تھا جس کو وہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب رکھتا تھا، اب اسی محبوب کے قتل کے لئے اس کی آستینیں چڑھ چکی ہیں اور ہاتھ میں چھری ہے۔

دوسری طرف نوجوان بیٹا ہے جس نے بچپن سے آج تک باپ کی محبت آمیز نگاہ کی گود میں پرورش پائی ہے اور اب باپ ہی کا مہر پرور ہاتھ اس کا قاتل نظر آتا ہے۔
قدسی، فضائے آسمانی، عالم کائنات یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے ہیں اور انگشت پر ہیں کہ دفعۃً عالم قدس سے آواز آتی ہے۔

”ابراہیمؑ! تو نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم نیک بندوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیا کرتے ہیں۔“

بیٹے نے جس استقلال، جس عزم، جس حیرت خیز اثبات سے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا اس کا صلہ یہی تھا کہ یہ رسم (قربانی) قیامت تک دنیا میں اس کی یادگار رہے۔
اولاد اسمعیلؑ میں قربانی کی تمام یادگاریں موجود ہیں اور حج جو کہ ایک بڑا فریضہ اس کا ہے تمام تر اسی قربانی کی یادگار ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کو جب خدا نے بیٹے کی قربانی کا حکم دینا چاہا، تو پکارا: ”ابراہیمؑ!“ حضرت ابراہیمؑ نے کہا ”میں حاضر ہوں!“ حج کے وقت مسلمان جو ہر قدم پر ”اللہ اکبر“ کہتے چلتے ہیں یہ وہی ابراہیمؑی اٹھانہیں جن کا لفظی ترجمہ وہی ہے ”میں حاضر ہوں۔“

۲۔ شریعت ابراہیمؑی میں دستور تھا کہ جس کو قربان گاہ پر چڑھاتے تھے یا خدا کے نذر دیتے تھے وہ بار بار معذرت یا قربانی گاہ کے پھیرے کرتا تھا۔ حج میں صفا و مروہ کے درمیان جو سات بار سعی کرتے ہیں یہ اُسی کی یادگار ہے۔

۳۔ نذر کے فرائض میں ایک یہ تھا کہ ایام نذر تک بال نہیں کترواتے تھے۔ میں بھی یہی دستور ہے۔ جب احرام اتارتے ہیں تب بال کترواتے یا منڈواتے ہیں۔

۴۔ حج کا ایک ضروری رکن قربانی ہے۔ یہ وہی حضرت اسمعیلؑ کی قربانی کی یادگار ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کی اولاد

کعبہ کی برکت اور کشش سے لوگ اُس پاس آباد ہونے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ جرہم اُکر آباد ہوا۔ اس قبیلے میں مضاض بن عمرو جرہمی ایک ممتاز شخص تھے حضرت اسماعیلؑ نے ان کی لڑکی سے شادی کی۔ ان سے بارہ اولاد ہوئی جن کے نام توریت میں مذکور ہیں۔ ان میں سے اکثر اہل عرب قیدار کی اولاد ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت کعبہ کے متولی ہوئے۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے نانا مضاض نے یہ منصب حاصل کیا اور کعبہ کی تولیت خاندان اسماعیل سے نکل کر جرہم کے خاندان میں آگئی۔ لیکن پھر ایک اور خزاہ نے کعبہ پر قبضہ کر لیا اور مدت تک اسی خاندان میں یہ منصب رہا۔

سلسلہ نسب

حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے جن کا ذکر توریت میں بھی ہے۔ ان میں سے قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اور بہت پھیلی۔ ان ہی کی اولاد میں عدنان ہیں اور انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی کے خاندان سے ہیں۔

انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ابّا عن جدِ معزز اور ممتاز چلا آتا ہے لیکن جس شخص نے اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا وہ نضر بن کنانہ تھے بعض محققین کے نزدیک قریش کا لفظ سب سے پہلے نضر کو ملا۔

قصی

نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصی بن کلاب نے نہایت عزت اور اقتدار حاصل کیا۔ اس زمانے میں حرم کے متولی حلیل خزاعی تھے۔ قصی نے حلیل کی صاحبزادی سے جن کا نام حبی تھا شادی کی تھی۔ اس تعلق سے حلیل نے مرتے وقت وصیت کی کہ حرم کی خدمت قصی کو سپرد کر دی جائے۔ اس طرح یہ منصب بھی ان کو حاصل ہو گیا۔ قصی نے ایک دار المشورۃ قائم کیا جس کا نام دار المذوہ رکھا۔ قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی تیاری کرتے تو اسی عمارت میں کرتے قافلہ باہر جاتے تو یہیں سے تیاری ہو کر جاتے۔ نکاح اور دیگر تقریبات بھی یہیں ادا ہوتے۔ قصی نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے جو ایک مدت تک یادگار رہے۔ مثلاً سفایہ اور رفاہ جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا ان ہی نے قائم کیا۔ تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ سینکڑوں ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں۔ ان کی میزبانی قریش کا فرض ہے۔ چنانچہ قریش نے ایک عمالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظمہ میں حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جن میں آیام حج میں پانی بھریا جاتا تھا کہ حج کے کام آئے۔ مشعر حرام بھی ان ہی کی ایجاد ہے جس پر آیام حج میں چسراغ جلاتے تھے۔

قصی کی چھ اولاد تھی۔ عبدالدار۔ عبد مناف۔ عبد العزیٰ۔ عبد بن قصی۔ تنخم۔ یہ قصی نے مرتے وقت حرم محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کو دیئے۔ اگرچہ وہ سب بھائیوں میں ناقابل تھے۔ لیکن قصی کے بعد قریش کی ریاست عبد اللہ نے حاصل کی اور ان ہی کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خاندان ہے۔ عبد مناف کے چھ بیٹے تھے۔ ان میں سے ہاشم نہایت صاحب صولت اور با اثر تھے۔ انہوں نے بھائیوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حرم کے مناصب، جو عبدالدار کو دیئے گئے واپس لے جائیں۔ وہ لوگ اس منصب عظیم کے قابل نہیں۔ عبدالدار کے خاندان نے انکار کیا اور جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ بالآخر اس پر صلح ہو گئی کہ عبدالدار سے سفایہ اور رفاہ واپس

ے کر ہاشم کو دے دیا۔

ہاشم

ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ حجاج کو نہایت میرحشبی سے کھانا کھلاتے تھے۔ چرمی حوضوں میں پانی بھرا کر زمزم اور منیٰ کے پاس سبیل رکھتے تھے۔ تجارت کو نہایت ترقی دی۔ قیصر روم سے خط لکھوایا کہ قریش جب اس کے ملک میں ایاب تجارت لے کر جائیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔ چنانچہ اہل عرب جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ اس زمانے میں انگوریہ (القرہ) جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ہے، قیصر کا پایہ تخت تھا۔ تجارت قریش انگوریہ میں جاتے تو قیصر نہایت عزت اور حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا۔

عرب میں راستے محفوظ نہ تھے۔ ہاشم نے مختلف قبائل میں دورہ کر کے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ

”قریش کے کاروان تجارت کو ضرر نہ پہنچائیں گے جس کے صلہ میں کاروان قریش ان قبائل میں ان کی ضرورت کی چیزیں خود لے کر جائے گا اور ان سے خرید و فروخت کرے گا۔“

یہ سبب تھا کہ عرب میں باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلہ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا۔

ایک دفعہ مکہ میں قحط پڑا۔ ہاشم نے اس قحط میں شوربہ میں روٹیاں چورا کر کے لوگوں کو کھلائیں۔ اس وقت سے ان کا نام ہاشم مشہور ہو گیا۔ عربی زبان میں چورا کرنے کو ہاشم کہتے ہیں جس کا اسم فاعل ہاشم ہے۔

ایک بار تجارت کی غرض سے شام گئے۔ راستے میں مدینے میں ٹھہرے۔ وہاں سال کے سال بازار لگتا تھا۔ بازار میں گئے تو ایک عورت کو دیکھا جس کے حرکات و سکنات

سے شرافت اور فراست کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ حسین اور جلیل بھی تھی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ خاندان بنی نجار سے ہے اور سلمیٰ نام ہے۔ ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست کی اور اس نے قبول کر لی۔ غرض نکاح ہو گیا۔ شادی کے بعد یہ شام کو چلے گئے اور غزہ میں جا کر انتقال کیا۔ سلمیٰ کو حمل رہ گیا تھا۔ لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام شبیبہ رکھا گیا۔ اس نے تقریباً آٹھ برس تک مدینہ میں پرورش پائی۔ ہاشم کے بھائی جن کا نام مطلب تھا، ان کو یہ حالات معلوم ہوئے تو فوراً مدینہ روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر بھتیجے کی جستجو کی۔ سلمیٰ نے اُن کے آنے کا حال سنا تو بلوا بھیجا۔ تین دن مہمان رہے چوتھے دن شبیبہ کو ساتھ لے کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ ان کی عمر آٹھ برس تھی۔ یہاں آکر ان کا نام عبدالمطلب پڑ گیا۔

عبدالمطلب

عبدالمطلب کے لغتی معنی مطلب کا غلام ہیں۔ اس لئے ارباب سیر نے وجہ تسمیہ میں بہت سے نام لکھے ہیں جن میں صحیح ترین یہ ہے کہ چونکہ مطلب نے ان کی پرورش کی تھی اور یہ یتیم تھے اس لئے عرب کے محاورہ کے مطابق "غلام مطلب" مشہور ہوئے۔

عبدالمطلب کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ چاہ زمزم جو ایک مدت سے اٹ کر گم ہو گیا تھا انہوں نے اس کا پتہ لگوا یا اور کھدوا کر نئے سرے سے درست کرا دیا۔ انہوں نے منّت مانی تھی کہ دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لیں گے، تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ خدا نے یہ آرزو پوری کی۔ دسوں بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے اور پجاری سے کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو۔ دیکھو کس کے نام پر نکلتا ہے۔ اتفاق سے عبد اللہ کا نام نکلا۔ یہ اُن کو لے کر قربان گاہ چلے۔ عبد اللہ کی بہنیں جو ساتھ تھیں رونے لگیں اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربان کیجئے، ان کو چھوڑ دیجئے۔ عبدالمطلب نے پجاری سے کہا کہ عبد اللہ پر اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالو۔ اتفاق یہ کہ عبد اللہ ہی کے نام قرعہ نکلا۔ عبدالمطلب نے اب دس کے بجائے بیس اونٹ کر دیئے۔ یہاں تک کہ بڑھاتے بڑھاتے ستونک نسبت پہنچی تو اونٹوں پر قرعہ آیا۔ عبدالمطلب نے سو اونٹ قربانی کئے اور عبد اللہ بیچ گئے۔ یہ واقعہ

کی روایت ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اونٹوں کے معاوضہ کی تدبیر روسائے قریش نے تجویز کی تھی۔

عبدالمطلب کے دس یا بارہ بیٹوں میں سے پانچ شخصوں نے اسلام یا کفر کی خصوصیت کی وجہ سے شہرت عام حاصل کی یعنی ابو لہب، ابوطالب، عبداللہ، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ۔ عام طور پر مشہور ہے کہ ابو لہب کا اصلی نام اور ہے۔ یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ نے دیا، لیکن یہ غلطی ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں تصریح کی ہے کہ یہ لقب خود عبدالمطلب نے دیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ ابو لہب نہایت حسین اور جمیل تھا اور عرب میں گورے چہرے کو شعلہ آتش کہتے ہیں۔ فارسی میں بھی آتشیں رخسار ہے۔

عبداللہ

عبداللہ قربانی سے بچ گئے تو عبدالمطلب کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ قبیلہ زہرہ میں وہیب بن عبد مناف کی صاحبزادی جن کا نام آمنہ تھا قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں۔ وہ اس وقت اپنے چچا وہیب کے پاس رہتی تھیں۔ عبدالمطلب وہیب کے پاس گئے اور عبداللہ کی شادی کا پیغام دیا۔ انہوں نے منظور کیا اور عقد ہو گیا۔ اس موقع پر خود عبدالمطلب نے بھی وہیب کی صاحبزادی سے، جن کا نام مالہ تھا، شادی کی۔ حضرت حمزہؓ ان ہی مالہ کے بطن سے ہیں۔ مالہ رشتہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہوئیں۔ اس بنا پر حضرت حمزہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی بھی ہیں۔

دستور تھا کہ نو شاہ شادی کے بعد تین دن تک سسرال میں رہتا تھا۔ عبداللہ تین دن رہے اور پھر گھر چلے آئے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً سترہ برس سے کچھ زیادہ تھی۔

عبداللہ تجارت کے لئے شام کو گئے۔ واپس آتے ہوئے مدینہ میں ٹھہرے اور بیمار ہو کر یہیں رہ گئے۔ عبدالمطلب کو یہ حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بیٹے عمارت کو خبر لانے کے لئے بھیجا۔ وہ مدینہ میں پہنچے تو عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ چونکہ یہ خاندان میں سب سے

زیادہ محبوب تھے تمام خاندان کو سخت صدمہ ہوا۔

عبداللہ نے ترکہ میں اونٹ، بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام ام امین تھا۔
 سب چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترکہ میں ملیں۔ ام امین کا اصلی نام برکہ تھا۔

ظہورِ قدسی

ظہورِ قدسی
رضاعت
مدینہ کا سفر
عبدالمطلب کی کفالت
حربِ فجار کی شرکت
تعمیرِ کعبہ
شغلِ تجارت
تزویجِ خدیجہؓ
خروجِ سفر
مراجمِ شریک سے اجتناب

ظہورِ قدسی

تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے ولائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۱۷۵۷ء میں ہوئی تھی۔
 آپ کا نام محمد رکھا گیا اور عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالمطلب نے یہ نام رکھا تھا۔

رضاعت

سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ نے اور دو تین روز کے بعد ثویبہ نے دودھ پلایا (جو ابولہب کی لونڈی تھی)

خلیمہ سعدیہؓ

ثویبہ کے بعد حضرت خلیمہ سعدیہؓ نے آپ کو دودھ پلایا۔ اس زمانے میں دستور تھا کہ شہر کے رؤساء اور شرفاء شیرخوار بچوں کو اطراف کے قصبات اور دیہات میں بھیج دیتے تھے۔ یہ رواج اس غرض سے تھا کہ بچے بدوؤں میں پل کر فصاحت کا جو ہر پیدا کرتے تھے اور عرب کی خالص خصوصیات محفوظ رہتی تھیں۔

غرض دستور مذکور کی بنا پر سال میں دو مرتبہ دیہات سے شہر میں عورتیں آیا کرتی تھیں۔ اور شرفائے شہر اپنے شیرخوار بچوں کو ان کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ اس دستور کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے چند روز بعد قبیلہ ہوازن کی چند عورتیں بچوں کی تلاش میں آئیں۔ ان میں حضرت خلیمہؓ بھی تھیں۔ اتفاق سے ان کو کوئی بچہ ہاتھ نہیں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے ان کو مقرر کرنا چاہا تو ان کو خیال آیا کہ یتیم بچے کو نہ کر کیا کروں گی، لیکن خالی ہاتھ بھی نہ جاسکتی تھیں۔ اس لئے حضرت آمنہؓ کی درخواست قبول کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر گئیں۔ ان کی ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام

شیما تھا۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت انس تھا۔ وہی آپ کو کھلایا کرتی تھیں۔ دو برس کے بعد حلیمہؓ آپ کو مکہ میں لائیں اور آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا، لیکن چونکہ اس زمانے میں مکہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی آپ کی والدہ نے فرمایا کہ واپس لے جاؤ۔ چنانچہ وہ دوبارہ گھر میں لائیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپ حضرت حلیمہؓ کے ہاں کس برس تک رہے۔ ابن اسحاق نے وثوق کے ساتھ چھ برس لکھا ہے۔

ہوازن کا قبیلہ فصاحت و بلاغت میں مشہور ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ

”میں تم سب میں فصیح تر ہوں کیونکہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔“

بنی سعد ہوازن ہی کے قبیلہ کو کہتے ہیں۔

حضرت حلیمہؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا محبت تھی۔ عہد نبوت میں جب وہ آپ کے پاس آئیں، تو آپ ”میری ماں — میری ماں!“ کہہ کر لپٹ گئے۔ یہ دلچسپ واقعات آگے آئیں گے۔

حارثؓ

حضرت حلیمہؓ کے شوہر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی باپ کا نام حارثؓ بن عبد العزیٰ ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکہ میں آئے اور اسلام لائے۔ حارثؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ

”یہ تم کیا کہتے ہو؟“

آپ نے فرمایا:

”ہاں! وہ دن آئے گا کہ میں آپ کو دکھا دوں گا کہ میں سچ کہتا تھا۔“

حارثؓ مسلمان ہو گئے۔

رضاعی بھائی بہن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار رضاعی بھائی بہن تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ عبد اللہ
 انیسہ، حذیفہ اور خذافہ جو شیماء کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان میں سے عبد اللہ اور شیماء کا اسلام
 کلاماً ثابت ہے۔ باقیوں کا حال معلوم نہیں۔

مدینہ کا سفر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جب چھ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر مدینہ گئیں۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی ننھال خاندان نجار میں تھی وہیں ٹھہریں۔ اس سفر میں ام ایمن بھی ساتھ تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ تھیں۔ مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کی والدہ اس ننھالی رشتے کی وجہ سے مدینہ گئیں۔ لیکن یہ رشتہ دور کا رشتہ تھا۔ قیاس میں نہیں آتا کہ صرف اتنے سے تعلق سے اتنا بڑا سفر کیا جائے۔ میرے نزدیک بعض مورخین کا یہ بیان صحیح ہے کہ حضرت آمنہؓ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے گئی تھیں جو مدینہ میں مدفون تھے۔ بہر حال ایک مہینہ تک مدینہ میں مقیم رہیں۔ واپس آتے ہوئے جب مقام ابواء میں پہنچیں تو ان کا انتقال ہو گیا اور یہیں مدفون ہوئیں۔ ام ایمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ آئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام مدینہ کی بہت سی باتیں یاد رہ گئی تھیں جب آپ قیام مدینہ کے زمانہ میں ایک دفعہ بنو عدی کی منازل پر گزرے تو فرمایا کہ اسی مکان میں میری والدہ ٹھہری تھیں۔ یہی وہ تالاب ہے جس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا۔ اسی میدان میں میں انیسہ ایک لڑکی کے ساتھ کھیل کرتا تھا۔

عبدالمطلب کی کفالت

والدہ ماجدہ کے انتہائی کے بعد عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دامن تربیت میں لیا۔ ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

عبدالمطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی اور حجوں میں مدفون ہوئے۔

وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ عبدالمطلب کا جنازہ اٹھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے اور فرط محبت سے روتے جاتے تھے۔ عبدالمطلب مرنے کے وقت اپنے بیٹے ابوطالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سپرد کر دی۔ ابوطالب نے اس فرض کو جس خوبی سے ادا کیا اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ یہ واقعہ غامض پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ عبدالمطلب کی موت نے بنو ہاشم کے رتبہ امتیاز کو دھوا گھٹا دیا۔ اور یہ پہلا دن تھا کہ دنیوی اقتدار کے لحاظ سے بنو امیہ کا خاندان بنو ہاشم پر زبر آگیا۔ عبدالمطلب کی مندریاست پر اب حرب متمکن ہوا جو امیہ کا نامور فرزند تھا۔ مناسبت ریاست میں سے صرف ستقاہ یعنی حجاج کو پانی پلانا عباس کے ہاتھ میں رہا جو عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔

ابوطالب کی کفالت

عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے۔ ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مے والد عبداللہ اور ابوطالب ماں جائے بھائی تھے۔ اس لئے عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب ہی کے اخوت تربیت میں دیا۔ ابوطالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی پروا نہیں کرتے تھے۔ موتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے۔

غالباً جب آپ کی عمر دس بارہ سال کی ہوئی تو آپ نے بکریاں چرائیں۔ زمانہ رسالت میں آپ اس سادہ اور پُر لطف مشغلہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ صحابہ کے ساتھ جنگ میں تشریف لے گئے۔ صحابہ جھڑپیں توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ آپ نے فرمایا: ”جو خوب سیاہ ہو جاتے ہیں زیادہ مزے کے ہوتے ہیں۔ یہ میرا اس زمانے کا تجربہ ہے۔“

ب میں بچپن میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا۔“

شام کا سفر

ابوطالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ قریش کا یہ دستور تھا سال میں ایک دفعہ تجارت غرض سے شام کو جایا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوئی کہ ابوطالب نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا۔ سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابوطالب چلنے لگے تو آپ اُن سے لپٹ گئے۔ ابوطالب نے آپ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔ عام مؤرخین کے بیان کے موافق بحیرہ کا مشہور واقعہ سی سفر میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب ابوطالب بصرہ میں پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اترے جس کا نام بحیرا تھا۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا کہ

”یہ سید المرسلین ہیں۔“

لوگوں نے پوچھا:

”تم نے کیوں کر جانا؟“

اُس نے کہا:

”جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب مسجد کے لئے جھک گئے۔“

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔

حرب فجار کی شرکت

عرب میں اسلام کے آغاز تک لڑائیوں کا جو متواتر سلسلہ چلا آتا ہے ان میں یہ جنگ سب سے زیادہ مشہور اور خطرناک تھی۔

یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلہ میں ہوئی تھی۔ قریش کے تمام خاندانوں نے اس معرکہ میں اپنی اپنی الگ فوجیں قائم کی تھیں۔ آل ہاشم کے علم بردار زبیر بن عبدالمطلب تھے اور اسی صف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے۔ بڑے زور کا معرکہ ہوا۔ اول قیس پھر قریش غالب آئے اور بالآخر صلح پر خاتمہ ہو گیا۔ اس لڑائی میں قریش کا رئیس اور سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھا جو ابوسفیان کا باپ اور امیر معاویہ کا دادا تھا۔

چونکہ قریش اس جنگ میں برسرِ حق تھے اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی۔ لیکن جیسا کہ ابن ہشام نے لکھا ہے، آپ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ امام سہیلی نے صاف تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جنگ نہیں کی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں :-

”اور آپ نے لڑائی میں جنگ نہیں کی حالانکہ آپ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لڑائی ایام الحرام میں پیش آئی تھی۔ نیز یہ وجہ تھی کہ فریقین کافر تھے اور مسلمانوں کو لڑائی کا حکم صرف اس لئے خدا نے دیا کہ خدا کا بول بالا ہو۔ اس لڑائی کو فجار اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ایام الحرام میں یعنی ان مہینوں میں پیش آئی تھی

جن میں لڑنا ناجائز تھا۔

حلف الفضول

لڑائیوں کے متواتر سلسلہ نے سینکڑوں گھرانے برباد کر دیئے تھے اور قتل و سفاکی موروں کا اخلاق بن گئے تھے۔ یہ دیکھ کر بعض طبیعتوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی۔ جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے تو زبیر بن عبدالمطلب نے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سرگروہ تھے، یہ تجویز پیش کی۔ چنانچہ خاندان ہاشم، زہرہ اور تیم، عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔

انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ میں شریک تھے اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ ”معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ بدلتا۔ اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لئے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں۔“

اس معاہدہ کو حلف الفضول اس لئے کہتے ہیں کہ اول اول اس معاہدہ کا خیال جن لوگوں کو آیا ان کے نام میں لفظ فضیلت کا مادہ داخل تھا یعنی فضیل بن حرث، فضیل بن داعتہ اور مفضل بن جبرہم اور قطورا کے قبیلے کے تھے۔ اگرچہ یہ معاہدہ بیکار گیا اور کسی کو یاد بھی نہ رہا۔ چنانچہ قریش نے نئے سرے سے بنیاد ڈالی تاہم بانی اول کو نیک نیتی کا ثمرہ ملا کہ ان کے نام کا یادگار اب بھی باقی ہے۔

تعمیر کعبہ

کعبہ کی عمارت صرف قد آدم اونچی تھی اور دیواروں پر چھت نہ تھی۔ جس طرح ہمارے ملک میں عید گاہیں ہوتی ہیں۔ چونکہ عمارت نشیب میں تھی، بارش کے زمانے میں شہر کا پانی حرم میں آتا تھا۔ اس کی روک کے لئے بالائی حصہ پر بند بنوا دیا گیا تھا۔ لیکن وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا اور عمارت کو بار بار نقصان پہنچتا تھا۔ بالآخر یہ رائے قرار پائی کہ موجودہ عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے زیادہ مستحکم بنائی جائے۔ جس اتفاق یہ کہ جدہ کی بندرگاہ پر ایک تجارتی جہاز کنارے سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ قریش کو خبر لگی تو ولید بن مغیرہ نے جدہ پہنچ کر جہاز کے تختے مول لے لئے۔ جہاز میں ایک رومی معمار تھا جس کا نام باقوم تھا۔ ولید اس کو ساتھ لایا اور تمام قریش نے مل کر تعمیر شروع کی۔ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لئے تھے کہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہ جائے لیکن جب حجر اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا پیدا ہوا۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ خدمت اس کے ہاتھ سے انجام پائے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں کھینچ گئیں۔

عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تھا تو پیالے میں خون بھر کر اس میں انگلیاں ڈبو لیتا تھا۔ اس موقع پر بھی بعض دعوے داروں نے یہ رسم ادا کی۔ چار دن تک یہ جھگڑا برپا رہا۔ پانچویں دن ابو امیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر تھا رائے دی کہ کل صبح کو سب سے پہلے جو شخص آئے وہی ثالث قرار دیا جائے۔ سب نے یہ رائے تسلیم کی۔ دوسرے دن تمام قبائل کے معزز آدمی موقع پر پہنچے۔ کرشمہ ربانی دیکھو کہ صبح کو سب سے پہلے لوگوں کی نظریں جس پر پڑیں وہ جمال جہاں تاب چہرہ محمدیؐ تھا۔ لیکن رحمت عالم

صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ کیا کہ اس شرف سے تنہا بہرہ ور ہوں۔ آپؐ نے فرمایا جو قبائل
دعویٰ داریں سب کا ایک ایک سردار انتخاب کر لیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک
سپادہ بچھا کر حجر اسود کو اس میں رکھ دیا اور سرداروں سے کہا کہ سپادہ کے سپاروں کو نے تمام
لیں اور اوپر کو اٹھائیں جب سپادہ موقع کے برابر آگئی تو آپؐ نے حجر اسود کو اٹھا کر
نصب فرما دیا۔

اس طرح ایک سخت لڑائی آپؐ کے حُسن تدبیر سے رُک گئی۔ کعبہ کی عمارت اب
مستفک کر دی گئی۔ لیکن چونکہ سامان تعمیر کافی نہ تھا ایک طرف زمین کا کچھ حصہ چھوڑ کر بنیادیں
قائم کی گئیں۔ اس حصہ کے گرد سپار دیواری کھینچ دی گئی کہ پھر موقع ہوگا تو کعبہ کے اندر لے لیں
گے۔ یہی حصہ ہے جس کو آج حطیم کہتے ہیں اور جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
بعد نبوت ارادہ فرمایا تھا کہ دیوار ڈھا کر نئے سرے سے عمارت بنائی جائے لیکن پھر خیال
ہوا کہ نئے نئے مسلمان ہیں دیوار کعبہ کے ڈھانے سے بدگمان ہو جائیں گے۔

شغل تجارت

ابوطالب کے ساتھ آپ پچپن میں بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے جس سے ہر قسم کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا اور آپ کے حسن معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی۔ لوگ عموماً اپنا سرمایہ کسی تجربہ کار اور امین شخص کے ہاتھ میں دے کر اس کے منافع میں شرکت کر لیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوشی کے ساتھ اس شرکت کو گوارا فرماتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرکائے تجارت کی شہادتوں سے جو احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کس دیانت اور راست بازی کے ساتھ اس کام کو انجام دیتے تھے۔

تاجر کے محاسن اخلاق میں سب سے زیادہ نادر مثال ایفاء عہد اور اتمام وعدہ کی ہو سکتی ہے، لیکن منصب نبوت سے پہلے مکہ کا تاجر امین اس اخلاقی نظیر کا بہترین نمونہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن ابی الحساء، ایک صحابی، بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا تھا۔ کچھ معاملہ ہو چکا تھا اور کچھ باقی تھا۔ میں نے وعدہ کیا کہ پھر آؤں گا۔ اتفاق سے تین دن تک مجھ کو اپنا وعدہ یاد نہ آیا۔ تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ منتظر پایا۔ لیکن خلاف وعدہ سے آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ صرف اس قدر فرمایا کہ

”تم نے مجھے زحمت دی۔ میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔“

کاروبار تجارت میں آپ ہمیشہ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے۔ نبوت سے پہلے بھی جن لوگوں سے تجارت میں آپ کا سابقہ تھا وہ بھی اس کی شہادت دیتے تھے۔ سایب نامی

صحابی جب مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے اُن کی تعریف کی آپؐ نے فرمایا:

”میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔“

سایبؓ نے کہا:

”آپؐ پر میرے ماں باپ قربان! آپؐ میرے شریک تجارت تھے، لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔“

قیس بن سایبؓ محزومی ایک اور صحابی بھی آپؐ کے شریک تجارت تھے۔ وہ بھی ان ہی الفاظ کے ساتھ آپؐ کے حسن معاملہ کی شہادت دیتے ہیں۔

(تجارت کی غرض سے شام و بصرہ و یمن کے متعدد سفر آپؐ نے کئے تھے)

نزہین خدیجہؓ

حضرت خدیجہؓ ایک معزز خاتون تھیں۔ ان کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ملتا ہے اور اس رشتہ کے لحاظ سے وہ آپؐ کی چھری بہن تھیں۔ ان کی دو شادیاں پہلے ہو چکی تھیں۔ اب وہ بیوہ تھیں۔ چونکہ نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھیں، جاہلیت میں لوگ ان کو طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے۔ نہایت دولت مند تھیں۔ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اب پچیس برس کی ہو چکی تھی میتعد قافلوں میں آپؐ شریک ہو چکے تھے۔ تجارت کے کاروبار کے ذریعے سے لوگوں کے ساتھ معاملات پیش آتے تھے۔ اس بنا پر آپؐ کے حسن معاملہ، راست بازی، صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاقی کی عام شہرت ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ زبانِ خلق نے آپؐ کو امین کا لقب دے دیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے ان اسباب کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپؐ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں۔ جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپؐ کو اس کا مضاعف دوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور مال تجارت لے کر بصرہ تشریف لے گئے۔

واپس آنے کے تقریباً تین مہینے کے بعد حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے عرب میں گارتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھیں اور اس میں بالغ

یانا بالغہ کی قید نہ تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے چچا کے ہوتے خود براہ راست تمام مراتب طے کئے۔ تاریخ مصیبت پر ابوطالب اور تمام رؤسائے خاندان جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے۔ ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور پانچ سو درہم طلائی ہر قرآن پڑھا۔

حضرت خدیجہؓ جس مکان میں رہتی تھیں وہ آج بھی (حسب بیان مؤرخ طبری) ان ہی کا نام سے مشہور ہے۔ امیر معاویہؓ نے اس مکان کو خرید کر مسجد بنا دیا۔
شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی اور پہلے دو شوہروں سے صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ ان کے نام اور مفصل حالات آگے آئیں گے۔
صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر اولاد ہوئی بجز حضرت ابراہیمؓ کے حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے ہوئی۔ ان کے حالات آگے تفصیل سے آئیں گے۔

جستہ جستہ واقعات

یہ واقعات تھے جن میں تاریخی ترتیب معلوم ہوتی ہے اس لئے مسلسل لکھے گئے۔ ان امور کے سوا جستہ جستہ واقعات کا بھی پتہ لگتا ہے۔ چونکہ ان کے سنیں اور تاریخیں غیر معلوم ہیں اس لئے ان کو عام سلسلہ سے الگ ایک جاکھنا زیادہ موزوں ہوگا۔

۱۳۱۹ھ میں عباسی علمی پاشا ثانی خدیو مصر نے بہ تقریب ۱۱ مقامات مقدسہ کی زیارت کی تھی۔ ان کے رفقاء میں سے محمد بسیب البتنونی نے ایک مفصل سفر نامہ لکھا جس میں اس مکان کی تفصیلات لکھی ہیں۔ اس وقت تک یہ مکان موجود تھا اور زیارت گاہ خلائق تھا۔
(مرتب)

حدودِ سفر

اہل مکہ عموماً تجارت کی غرض سے سفر کرنے کے عادی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس تقریب سے متعدد سفر کئے۔ شام اور بصرہ کے سفر کا حال پہلے گزر چکا ہے۔ اس کے علاوہ اور مقامات نبوت میں بھی آپ کا تشریف لے جانا ثابت ہے۔ عرب میں مختلف مقامات میں جو بازار قائم تھے، ان میں سے جعاشہ کا ذکر ابن سیدانہاں نے کیا ہے حضرت خدیجہؓ نے جہاں جہاں آپ کو تجارت کی غرض سے بھیجا تھا ان میں جریش بھی ہے جو مین میں ہے حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے اور علامہ ذہبی نے بھی تصدیق کی ہے کہ جریش میں آپ دو دفعہ تشریف لے گئے اور ہر دفعہ حضرت خدیجہؓ نے معاوضہ میں ایک اونٹ دیا۔

نبوت کے بعد جس سال آپؐ کی خدمت میں عرب کے تمام دور و دراز مقامات سے وفد آئے، ان میں جب بحرین سے عبدالقیس کا وفد آیا تو آپ نے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لے کر وہاں کا حال پوچھا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ہمارے ملک کا حال ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

”میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے۔“

مراسم شرک سے اجتناب

یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپ یحییٰ اور شباب میں بھی جب منصب پیغمبری سے ممتاز نہیں ہوئے تھے مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے۔

ایک دفعہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا لا کر رکھا۔ یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا۔ جانور جو ذبح کیا گیا تھا کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا۔ آپ نے کھانے سے انکار کیا۔

یہ امر واقعی طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے بت پرستی کی بُرائی شروع کر دی تھی اور جن لوگوں پر آپ کو اعتماد تھا ان کو اس بات سے منع فرماتے تھے۔

احباب خاص

نبوت سے پہلے جو لوگ آپ کے احباب خاص تھے سب نہایت پاکیزہ اخلاق، بلند رتبہ اور مالی منزلت تھے۔ ان میں سب سے مقدم حضرت ابوبکرؓ تھے جو برسوں آپ کے شریک صحبت رہے۔ حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی حکیم بن حزام جو قریش کے نہایت معزز رئیس تھے وہ بھی احباب خاص میں تھے۔ حرم کلمہ مصعب بن نفادہ ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔ دارالندوہ کے بھی یہی مالک تھے۔ چنانچہ اسلام کے بعد امیر معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم پر بیع ڈالا لیکن یہ کل رقم خیرات کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں پانچ برس بڑے تھے۔

اگرچہ یہ مدت تک یعنی ہجرت کے اٹھویں سال تک ایمان نہیں لائے لیکن اس حالت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ کعبہ میں ذونین کا اسباب

فیلام ہوا۔ اس میں ایک عمدہ حملہ تھا۔ انہوں نے پچاس اشرفیوں میں اس کو خریدا اور مدینہ لے کر آئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تذکر کریں۔ آپ نے فرمایا کہ میں مشرکوں کا ہدیہ نہیں قبول کرتا، البتہ قیمت لو تو لے سکتا ہوں۔ مجبور ہو کر انہوں نے قیمت یعنی گوارا کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے لیا۔

حضرت حماد بن ثعلبہ جو ازد کے قبیلہ سے تھے، جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے۔ یہ بھی احباب خاص میں سے تھے۔ نبوت کے زمانے میں یہ مکہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ راستہ میں جا رہے ہیں اور پیچھے لونڈوں کا غول ہے۔ مکہ کے کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا:

”محمدؐ — میں جنون کا علاج کر سکتا ہوں۔“

آپ نے حمد و ثنا کے بعد چند مؤثر جملے ادا کئے۔ حمادؓ مسلمان ہو گئے۔

جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تجارت کے کاروبار میں شریک تھے ان میں سے ایک صاحب قیس بن سائب مخزومی تھے۔ مجاہد بن جبر جو مشہور مفسر گزرے ہیں ان ہی کے غلام تھے۔ ان کا بیان ہے کہ شرکار کے ساتھ آپ کا معاملہ نہایت صاف رہتا تھا اور کبھی کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش نہیں آتا تھا۔

آفتاب رسالت کا طلوع

بیوقوف

حضرت حمزہؓ اور عمرؓ کا اسلام ————— سنہ نبوی

تغذیبِ مسلمین —————

ہجرت حبش ————— سنہ نبوی

شعب ابوطالبؓ میں محصور ہونا ————— سنہ نبوی

حضرت خدیجہؓ اور ابوطالبؓ کی وفات ————— سنہ نبوی

قبائل کا دورہ —————

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانے میں پیدا ہوئے مکہ بڑے پرستی کا مرکز اعظم تھا جو کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا تمغائے امتیاز صرف اس قدر تھا کہ اس صنم خانہ کے متولی اور کلید بردار تھے۔ بایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔ دیگر رسوم جاہلیت میں بھی کبھی شرکت نہیں کی۔ قریش نے اس بنا پر کہ عام لوگوں سے ہر بات میں ممتاز رہنا چاہئے، یہ قاعدہ قرار دیا تھا کہ ایام حج میں قریش کے لئے عرفات جانا ضرور نہیں اور یہ کہ جو لوگ باہر سے آئیں وہ قریش کا لباس اختیار کریں ورنہ ان کو عربیاں ہو کر کعبہ کا طواف کرنا ہوگا۔ چنانچہ اسی بنا پر طواف عربیاں کا عام رواج ہو گیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں میں کبھی اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا۔ عرب میں افسانہ گوئی کا عام رواج تھا۔ راتوں کو لوگ تمام اشغال سے فارغ ہو کر کسی مقام میں جمع ہوتے تھے۔ ایک شخص جس کو اس فن میں کمال ہوتا تھا داستان شروع کرتا تھا۔ لوگ بڑے فوق اور شوق سے رات رات بھر سنتے تھے۔ بچپن میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جلسے میں شریک ہونا چاہا تھا لیکن اتفاق سے راہ میں شادی کا کوئی جلسہ تھا دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ وہیں نیند آگئی۔ اٹھتے تو صبح ہو چکی تھی۔

ایک دفعہ اور ایسا ہی اتفاق ہوا۔ اُس دن بھی یہی اتفاق پیش آیا۔ چالیس برس کی مدت میں صرف دو دفعہ اس قسم کا ارادہ کیا لیکن دونوں دفعہ توفیق الہی نے بچا لیا کہ — تیری شان ان مشاغل سے بالاتر ہے۔

مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک غار تھا جس کو حرا کہتے ہیں۔ آپ مہینوں وہاں

جا کر قیام فرماتے اور مراقبہ کرتے۔ کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے۔ وہ ہو چکتا تو پھر گھر پر تشریف لاتے اور پھر واپس جا کر مراقبہ میں مصروف ہوتے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ غار حرا میں آپؐ تخت یعنی عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ عبادت کیا تھی؟ یعنی شرح بخاری میں ہے:

”یہ سوال کیا گیا کہ آپؐ کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہے کہ غور و فکر و عبرت پذیری۔“

یہ وہی عبادت تھی جو آپؐ کے دادا ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کی تھی۔ ستاروں کو دیکھا تو چونکہ بجلی کی جھلک تھی، دھوکا ہوا۔ چاند نکلا تو اور بھی شبہ ہوا۔ آفتاب پر اس سے زیادہ لیکن جب نظروں سے غائب ہو گئے، تو بے ساختہ پکار اٹھے:

”میں فانی چیزوں کو نہیں چاہتا۔ میں اپنا منہ اُس کی طرف کرتا ہوں جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔“ (سورہ انعام - ۹)

نبوت کا دیباچہ یہ تھا کہ خواب میں آپؐ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے۔ جو کچھ آپؐ خواب میں دیکھتے تھے بعینہ وہی پیش آتا تھا۔ ایک دن جب کہ آپؐ حسب معمول غار حرا میں مراقبہ میں مصروف تھے، فرشتہ غیب نظر آیا کہ آپؐ سے کہہ رہا ہے:

”پڑھ اُس خدا کے نام جس نے کائنات کو پیدا کیا۔ جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھرے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا خدا کریم ہے۔ وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعے علم سکھایا اور جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اُسے معلوم نہ تھیں۔“ (اقواء)

آپؐ گھر تشریف لائے تو جلال الہی سے لبریز تھے۔

آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ وہ آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لو گئیں، جو عبری زبان جانتے تھے اور توریت و انجیل کے ماہر تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ کی کیفیت سنی تو کہا:

”یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا۔“

صحیح بخاری باب التبعیر میں ہے کہ چند روز تک جب وحی رک گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے تھے کہ اپنے آپ کو گرا دیں۔ دفعۃً جبریل نظر آتے تھے اور کہتے تھے:

”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو۔“

اس سے آپ کو اس وقت تسکین ہو جاتی تھی۔ لیکن جب پھر وحی کچھ دنوں کے لئے رک جاتی تھی تو پھر آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تھے اور پھر حضرت جبریلؑ نمایاں ہو کر تسکین دیتے کہ آپ واقعی خدا کے پیغمبر ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت مشکلیں پیش نظر تھیں اگر آپ کا فرض اسی قدر ہوتا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح صرف تبلیغ دعوت پر اکتفا فرمائیں یا حضرت کلیمؑ کی طرح اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جائیں تو مشکل نہ تھی۔ لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغ اسلام سے منور کر دینا تھا۔ اس لئے نہایت تدبیر اور تدبیر سے کام لینا پڑا۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ خطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس غرض کے لئے صرف وہ لوگ انتخاب کئے جاسکتے تھے جو فیض یاب صحبت وہ چمکتے تھے۔ جن کو آپ کی حرکات و سکنات کا تجربہ ہو چکا تھا۔ جو پچھلے تجربوں کی بنا پر انہیں گے صدق دعویٰ کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے یہ لوگ، حضرت خدیجہؓ، آپ کی حرمِ محترمہ تھیں۔ حضرت علیؓ تھے جو آپ کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ زیدؓ تھے جو ان کے آزاد کردہ غلام اور بندہ خاص تھے۔ حضرت ابوبکرؓ تھے جو برسوں سے فیض یاب خدمت تھے۔ سب سے پہلے آپ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا۔ وہ جھپٹنے سے پہلے مومن تھیں۔ پھر اور بزرگواروں کی نوبت آئی اور سب ہمہ تن اعتقاد تھے۔

حضرت ابوبکرؓ دولت مند، ماہرِ انساب، صاحبِ اثر تھے اور فیاض تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب وہ ایمان لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ غرض ان اوصاف کی وجہ سے مکہ میں ان کا عام اثر تھا اور معزین شہران سے ہربات میل مشورہ جیتے تھے

ارباب روایت کا بیان ہے کہ کبار صحابہ میں سے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت سعید بن ابی وقاصؓ فاتح ایران، حضرت طلحہؓ سب ان ہی کی ترغیب اور ہدایت سے اسلام لائے۔ ان کی وجہ سے یہ چرچا چپکے چپکے اور لوگوں میں بھی پھیلا اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ ان سابقین اولین میں عمارؓ، خطابؓ بن الارث، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف، حضرت سعید بن ابی وقاصؓ، طلحہؓ، ارقمؓ، سعید بن زیدؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عثمان بن مظعونؓ، عبیدہؓ، صہبؓ رومی زیادہ ممتاز ہیں۔

لیکن جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہوا۔ نہایت احتیاط کی جاتی تھی کہ محرم خاص کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ نماز کا وقت جب آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز ادا کرتے۔ ابن الاثیر کا بیان ہے کہ چاشت کی نماز آپؐ حرم ہی میں ادا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں بھی جائز تھی۔ ایک دفعہ آپؐ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے آپؐ کے چچا ابوطالبؓ آنکھ اُن کو اس جدید طریقہ عبادت پر تعجب ہوا۔ کھڑے ہو گئے اور بغور دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد پوچھا کہ یہ کون دین ہے؟

آپؐ نے فرمایا:

”ہمارے دادا ابراہیمؑ کا یہی دین تھا۔“

ابوطالبؓ نے کہا،

”میں اس کو اختیار تو نہیں کر سکتا لیکن تم کو اجازت ہے اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہ ہو سکے گا۔“

تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا۔ لیکن اب آفتاب رسالت بند ہو چکا تھا۔ صاف حکم آیا:

”اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے وائسکاف کہہ دے۔“ (حجر-۶)

اور نیز حکم آیا:

”اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈرا۔“ (شعراء-۱۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا:

”یا معشر قریش —!“

لوگ جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ

”اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟“

سب نے کہا:

”ہاں —! کیونکہ تم کو ہمیشہ سے ہم نے سچ بولتے دیکھا ہے۔“

آپ نے فرمایا:

”تو میں یہ کہتا ہوں کہ تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا۔“

یہ سن کر سب لوگ جن میں ابولہب آپ کا چچا بھی تھا، سخت برہم ہو کر چلے گئے۔

چند روز کے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو۔ یہ درحقیقت تبلیغ اسلام

کا پہلا موقع تھا۔ تمام خاندان عبدالمطلب مدعو کیا گیا۔ حمزہؓ، ابوطالب، عباسؓ، سب شریک تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ

”میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کو کفیل ہے۔ اس بارگراں کو اٹھانے میں

کون میرا ساتھ دے گا؟“

تمام مجلس میں سناٹا تھا۔ دفعۃً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا:

”گو مجھ کو آشوب چشم ہے۔ گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گویں سب سے نو عمر ہوں، تاہم میں

آپ کا ساتھ دوں گا۔“

قریش کے لئے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص جن میں ایک سیزدہ سالہ نوجوان ہے

دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ لیکن آگے چل کر زمانے نے

بتا دیا کہ یہ سراپا سچ تھا۔

اب مسلمانوں کی ایک معتد بہ جماعت تیار ہو گئی تھی جن کی تعداد چالیس سے زیادہ تھی۔

آپ نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کیا۔ کفار کے نزدیک یہ حرم کی سب سے بڑی توہین

تھی۔ اس لئے دفعۃً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور ہر طرف سے لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے۔ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب حضرت حارث بن ابی مالہ گھر میں تھے۔ ان کو خبر ہوئی۔ دوڑے ہوئے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانا چاہا لیکن ہر طرف سے ان پر تلواریں پڑیں اور وہ شہید ہو گئے۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا جس سے زمین رنگین ہوئی۔

غرض جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززوں نے ابوطالب سے آکر شکایت کی۔ ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارادے فرض سے باز نہ آ سکتے تھے۔ اس لئے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی۔ اس میں تمام روسائے قریش یعنی عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابوسفیان، عاص بن ہشام، ابو جہل، ولید بن مغیرہ، عامر بن وائل وغیرہ شریک تھے۔ ان لوگوں نے ابوطالب سے کہا کہ

”تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ ہمارے آباد اجداد کو گمراہ کہتا ہے ہم کو احمق ٹھہراتا ہے۔ اس لئے یا تو تم پیچ میں سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔“

ابوطالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے۔ قریش اب تحمل نہیں کر سکتے اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر لفظوں میں کہا:

”جانِ عم۔! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اٹھانہ سکوں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری پشت پناہ جو کچھ تھے، ابوطالب تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اب ان کے پاسے ثبات میں بھی لغزش ہے۔ آپ نے ابدیدہ ہو کر فرمایا:

”خدا کی قسم۔ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہیں آؤں گا۔ خدا تعالیٰ یا اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اس پر شمار ہو جاؤں گا۔“

آپ کی پُر اثر آواز نے ابوطالب کو سخت متاثر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

”جا۔ کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدستور دعوت اسلام میں مصروف ہوئے۔ قریش اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ نہ کر سکے لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ راہ میں کانٹے بچھاتے تھے، نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے، بدزبانیاں کرتے تھے ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ قریش متحیر تھے کہ آپ یہ سب سختیاں کیوں جھیلتے ہیں۔ انسانی دماغ ایسی سخت نفس کشی اور جان بازی کا مقصد جاہ و دولت اور نام و نمود کی خواہش کے سوا اور کیا خیال کر سکتا ہے۔ قریش نے بھی یہی خیال کیا۔ اس بنا پر عقبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا:

”محمد! کیا چاہتے ہو؟ کیا مکہ کی ریاست، کیا کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب کچھ مہیا کر سکتے ہیں اور اس پر بھی راضی ہیں کہ کل مکہ تمہارا زیر فرمان ہو جائے لیکن ان باتوں سے باز آؤ۔“

عقبہ کو اس درخواست کی کامیابی کا پورا یقین تھا لیکن ان سب ترغیبات کے جواب میں آپ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں۔

”اے محمد! — کہہ دے کہ میں تمہی جیسا آدمی ہوں۔ مجھ پر وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے۔ پس سیدھے اُسی کی طرف جاؤ اور اُسی سے معافی مانگو۔“

(حم السجدہ — ۱)

”کہہ دے کہ کیا تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں یہ زمین پیدا کی اور تم خدا کے شریک قرار دیتے ہو۔ یہی سارے جہان کا پروردگار ہے۔“ (حم السجدہ ۲)

عقبہ واپس گیا تو وہ عقبہ نہ تھا۔ اُس نے قریش سے جا کر کہہ دیا کہ

”محمد جو کلام پیش کرتے ہیں وہ شاعری نہیں کوئی اور چیز ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آجائیں گے تو یہ تمہاری عزت ہے، ورنہ عرب ان کو خود فنا کر دے گا۔“

لیکن قریش نے یہ رائے نامنظور کی۔

حضرت حمزہؓ اور عمرؓ کا اسلام

(سند نبوی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمام (چچاؤں) میں سے حضرت حمزہؓ کو آپؐ سے خاص محبت تھی۔ وہ آپؐ سے صرف دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کے کھیلے تھے۔ دونوں نے ثوبتہ کا دو دو سوپیا تھا اور اس رشتے سے بھائی بھائی تھے۔ وہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن آپؐ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اُن کا مذاق طبیعت سپہ گری اور شکار انگنی تھا۔ معمول تھا کہ منہ اندھیرے تیرکمان لے کر نکل جاتے۔ دن دن بھر شکار میں مصروف رہتے۔ شام کو واپس آتے تو پہلے حرم میں جاتے، طواف کرتے۔ قریش کے رؤساء صحن حرم میں آگ آگ دربار جا کر بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت حمزہؓ ان لوگوں سے صاحب سلامت کرتے۔ کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے۔ اس طریقے سے سب سے یار نہ تھا اور سب لوگ اُن کی قدر و منزلت کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخالفین جس بے رحمی سے پیش آتے تھے، بیگانوں سے بھی دیکھا نہ جاتا تھا۔ ایک دن ابو جہل نے رُو درُو آپؐ کے ساتھ نہایت گستاخیاں کیں۔ ایک کنیز دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہؓ شکار سے آئے تو اُس نے تمام ماجرہ کہا۔ حضرت حمزہؓ غصے سے بے تاب ہو گئے۔ تیر و کمان ہاتھ میں لئے حرم میں آئے اور ابو جہل سے کہا:

”میں مسلمان ہو گیا ہوں۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوشِ حمایت میں انہوں نے اسلام کا اظہار تو کر دیا لیکن گھر پر آئے تو متروک تھے کہ ابائی دین کو دفعۃً کیوں کر چھوڑ دوں۔ تمام دن سوچتے رہے۔ بالآخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دین حق یہی ہے۔ دو ہی چار روز کے بعد حضرت عمرؓ بھی اسلام لائے۔

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز نا مانوس نہیں رہی تھی چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعیدؓ اسلام لائے۔ حضرت سعیدؓ کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہؓ بھی مسلمان ہو گئیں۔ اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبد اللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے۔ ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے۔ یہاں تک کہ قبیلہ میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے ان کے دشمن بن گئے۔ بنیہ ان کے خاندان کی کینز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اُس کو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ

”ومے لول تو پھر ماروں گا۔“

بنیہ ان کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا زد و کوب سے دریغ نہیں کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا اترتا نہ تھا۔ ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بد دل نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود (ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کا ارادہ کیا۔ تلوار کرے لگا سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے۔ کارکنانِ قضا نے کہا۔ ع

آمد اں یارے کہ مامی خواستیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبد اللہ مل گئے۔ ان کے تیور دیکھ کر پوچھا:

”خیر ہے۔۔۔؟“

بولے:

”محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔“

انہوں نے کہا:

”پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہارے بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔“

غوراً پلٹے اور بہن کے پاس پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لٹے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا:

”یہ کیا آواز تھی۔۔۔؟“

بولیں:

"کچھ نہیں۔"

انہوں نے کہا:

"میں سُن چکا ہوں۔ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔"

یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہوئے اور جب ان کی بہن بچانے کو اُمّیں تو اُن کی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ اُن کا جسم ہولناک ہو گیا۔ لیکن اسلام کی محبت اس سے بالاتر تھی۔ بولیں کہ:

"عمرؓ جو بن اُسے کر دیکھ اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔"

ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا۔

کے جسم سے خون جاری تھا۔ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا:

"تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔"

فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء سامنے لاکر رکھ دیئے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورۃ تھی:-

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (حدید - ۱)

زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے خدا کی تسبیح

پڑھتا ہے اور خدا ہی غالب اور حکمت

والا ہے۔

ایک ایک لفظ پر اُن کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے:-

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ (حدید - ۱)

خدا پر اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

تو بے اختیار پکار اُٹھے کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ

اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی

خدا نہیں اور یہ کہ محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں

واقع تھا، پناہ گزین تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُستانہ مبارک پر پہنچ کر دُشک دی۔ چونکہ شمشیر بکف

تھے صحابہ کو تر و دوہوا لیکن امیر حمزہؓ نے کہا:

"اُنے دو! مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔"

حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اُگے بڑھے اور اُن کا دامن پکڑ کر فرمایا:

”کیوں عمرؓ کس ارادے سے آیا ہے؟“

نبوت کی پُر جلال آواز نے اُن کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ
”ایمان لانے کے لئے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے سائنۃ اللہ اکبر پکار اٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر اس
زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا۔ اس وقت تک اگرچہ
چالیس پچاس آدمی اسلام لا چکے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہؓ سید الشہداء نے بھی اسلام
قبول کر لیا تھا۔ تاہم مسلمان فرائض مذہبی اعلانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل
ناممکن تھا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے ساتھ دفعۃً یہ حالت بدل گئی۔ انہوں نے اعلانیہ اسلام
ظاہر کیا۔ کافروں نے اول اول بڑی شدت کی۔ لیکن وہ ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں
تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ صبح بخاری میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ
اسلام لائے تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اتفاق سے عاص بن وائل اُنکلا۔ اُس نے پوچھا:

”کیا ہنگامہ ہے؟“

لوگوں نے کہا:

”عمرؓ مرتد ہو گئے۔“

عاص ابن وائل نے کہا:

”اچھا تو کیا ہوا۔ میں نے عمرؓ کو پناہ دی۔“

تعذیبِ مسلمان

①

اسلام جب آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کا برصہ کو ان کے قبیلوں نے اپنے حصار حفاظت میں لے لیا تو قریش کا طیش و غضب ہر طرف سے سمٹ کر ان غریبوں پر ٹوٹا جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ ان میں کچھ غلام اور کنیزی تھیں۔ کچھ غریب اوطان تھے جو دو ایک پشت سے مکہ آرہے تھے اور کچھ کمزور قبیلوں کے آدمی تھے جو کسی قسم کی عظمت و اقتدار نہ رکھتے تھے۔ قریش نے ان کو اس طرح ستانا شروع کیا کہ جو رستم کی تاریخ میں اس کی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی کی تحقیر ہے۔ جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو وہ غریب مسلمانوں کو پکڑتے۔ عرب کی تیز و محبوب ریتی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا تو بنا دیتی ہے۔ وہ ان غریبوں کو اسی توے پر ٹٹاتے پچھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ بدلنے نہ پائیں۔ بدن پر گرم بالو بچھاتے، لوہے کو آگ پر گرم کر کے اس سے داغتے، پانی میں ڈبکیاں دیتے۔

یہ مصیبتیں اگرچہ تمام بے کس مسلمانوں پر عام تھیں لیکن ان میں سے جن لوگوں پر قریش زیادہ مہربان تھے ان کے نام یہ ہیں :-

حضرت خباب بن الارت تمیم کے قبیلے سے تھے۔ جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کر دیے گئے تھے۔ ام انمار نے خرید لیا تھا۔ یہ اس زمانے میں اسلام لائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقم کے گھر میں مقیم رہے اور صرف چھ سات مسلمان اسلام لائے تھے۔ قریش نے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے۔ اس پر چت لٹایا۔ ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ بدلنے نہ پائیں۔ یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہو گئے۔ خباب نے مدتوں کے بعد جب یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا تو پیٹھ کھول کر

دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل پسیدہ تھی۔ (حضرت خبابؓ جاہلیت میں لوہار کا کام کرتے تھے۔ اسلام لائے تو بعض لوگوں کے ذمہ ان کی بقایا تھی۔ مانگتے تو جواب ملتا جب تک محمدؐ کا انکار نہ کرو گے ایک کوڑی نہ ملے گی۔ یہ کہتے کہ نہیں! جب تک تم مر کر پھر جیو نہیں!۔)

حضرت بلالؓ — یہ وہی حضرت بلالؓ نہیں جو مؤذن کے لقب سے مشہور ہیں۔ حبشی النسل اور امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی، تو امیہ ان کو جلتی بالو پر ٹٹاتا اور پتھر کی چٹان سینہ پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرنے پائیں۔ ان سے کہتا کہ اسلام سے باز آ ورنہ یونہی گھٹ گھٹ کر مر جائے گا لیکن اس وقت بھی ان کی زبان سے ”احد“ کا لفظ نکلتا۔ جب یہ کسی طرح متزلزل نہ ہوئے تو گلے میں رستی باندھی اور لونڈوں کے حوالے کیا۔ وہ ان کو شہر کے اس سرے سے اُس سرے تک گھسیٹتے پھرتے تھے لیکن اب بھی وہی رٹ تھی — ”احد، احد“۔

حضرت عمارؓ بن کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد یاسرؓ مکہ میں آئے۔ ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی کینز سے جس کا نام سمیہؓ تھا شادی کر دی۔ عمارؓ اسی کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ یہ جب اسلام لائے تو ان سے پہلے صرف تین شخص اسلام لے چکے تھے۔ قریش ان کو جلتی ہوئی زمین پر ٹٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بے ہوش ہو جاتے۔ ان کے والد اور والدہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا۔

حضرت سمیہؓ حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں۔ ان کو ابو جہل نے اسلام لانے کے جرم میں برہمی ماری اور وہ ہلاک ہو گئیں۔

حضرت یاسرؓ حضرت عمارؓ کے والد تھے۔ یہ بھی کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہو گئے۔

حضرت صہیبؓ، یہ رومی مشہور ہیں۔ لیکن درحقیقت رومی نہ تھے۔ ان کے والد سنان کسریٰ کی طرف سے ابلہ کے حاکم تھے اور ان کا خاندان موصل میں آباد تھا۔ ایک دفعہ رومیوں نے اس نواح پر حملہ کیا اور جن لوگوں کو قید کر کے لے گئے، ان میں حضرت صہیبؓ بھی تھے۔ یہ روم میں پہلے اس لئے عربی زبان اچھی طرح بول نہ سکتے تھے۔ ایک عرب نے ان کو خریدا اور مکہ میں لایا۔ یہاں عبداللہ بن جعدان نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوتِ اسلام شروع کی تو یہ اور عمار بن یاسرؓ ایک ساتھ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپؐ نے اسلام کی ترغیب دی اور یہ مسلمان ہو گئے قریش
 ان کو اس قدر اذیت دیتے تھے کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے تھے۔ جب انہوں نے مدینہ کو ہجرت
 کرنی چاہی تو قریش نے کہا، اپنا سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ تو جا سکتے ہو۔ انہوں نے نہایت خوشی
 سے منظور کیا۔

حضرت ابولفکیہ صفوان بن امیہ کے غلام تھے اور حضرت بلالؓ کے ساتھ اسلام لائے۔ امیہ کو
 جب یہ معلوم ہوا تو ان کے پاؤں میں رستی باندھی اور آدمیوں سے کہا کہ گھسٹتے ہوئے لے جائیں اور
 تپتی ہوئی زمین پر ٹھامیں۔ ایک گبریلؑ راہ میں جا رہا تھا۔ امیہ نے ان سے کہا:
 ”تیرا خدا ہی تو نہیں ہے!“

انہوں نے کہا:

”میرا اور تیرا دونوں کا خدا اللہ تعالیٰ ہے۔“

اس پر امیہ نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دم نکل گیا۔ ایک دفعہ ان کے
 سینے پر اتنا بھاری بوجھل پتھر رکھ دیا کہ ان کی زبان نکل پڑی۔
 حضرت لبنیہؓ — یہ بیچاری ایک کنیز تھیں حضرت عمرؓ اس بے کس کو مارتے مارتے تھک
 جاتے تو کہتے تھے کہ

”میں نے تجھ کو رحم کی بنا پر نہیں بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں۔“

وہ نہایت استقلال سے جواب دیتی کہ

”اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو خدا اس کا انتقام لے گا۔“

حضرت زبیرؓ حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں اور اس وجہ سے حضرت عمرؓ اسلام سے
 پہلے ان کو جی کھول کر مٹاتے۔ ابو جہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔

۱۔ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ عمارؓ اس وقت ایمان لائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقمؓ

کے مکان میں چلے آئے تھے اور جب کہ تیس اشخاص سے زیادہ اسلام لاپچکے تھے۔ مرتب

۲۔ حضرت عمرؓ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ مرتب

حضرت نہدیہؓ اور ام عبیسہؓ — یہ دونوں بھی کینزیں تھیں اور اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتی تھیں۔

حضرت ابو بکرؓ کے دفتر فضائل میں یہ پہلا باب ہے کہ انہوں نے ان مظلوموں میں سے اکثروں کی جان بچائی۔ حضرت بلالؓ، عامرؓ بن فہیرہ، لبنیہؓ، زبیرہؓ، نہدیہؓ، ام عبیسہؓ سب کو بھاری بھاری دامنوں پر خرید لیا اور آزاد کر دیا۔

یہ لوگ وہ تھے جن کو قریش نے نہایت سخت جسمانی اذیتیں پہنچائیں۔ ان سے کم درجہ پر وہ لوگ تھے جن کو طرح طرح سے تھاتے تھے۔

حضرت عثمانؓ جو کبیر السن اور صاحب جاہ و اعزاز تھے جب اسلام لائے تو دوسروں نے نہیں بلکہ خود ان کے چچا نے رستی باندھ کر مارا۔ حضرت ابو ذرؓ جو ساتویں مسلمان ہیں جب مسلمان ہوئے اور کعبہ میں اسلام کا اعلان کیا تو قریش نے مارتے مارتے ان کو لٹا دیا۔ حضرت زبیر بن العوامؓ جن کا مسلمان ہونے والوں میں سے پانچواں نمبر تھا جب اسلام لائے تو ان کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کے ناک میں دھواں دیتے۔ حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی سعید بن زیدؓ جب اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رستیوں سے باندھ دیا۔ لیکن یہ تمام مظالم، یہ جلا دانہ بے رحمیاں، یہ عبرت خیز سفاکیاں، ایک مسلمان کو بھی راہِ حق سے متزلزل نہ کر سکیں۔

ہجرت حبش

(مصحف نبوی)

قریش کے ظلم و تعدی کا بادل جب پیہم برس کر نہ کھلا تو رخت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاثارانِ اسلام کو ہدایت کی کہ حبش کو ہجرت کر جائیں۔ حبش قریش کا قدیم تجارت گاہ تھا۔ وہاں کے حالات پہلے سے معلوم تھے۔ اہل عرب حبش کے فرمانروا کو نجاشی کہتے تھے۔ اور اس کے عدل و انصاف کی عام شہرت تھی۔

جاثارانِ اسلام ہر قسم کی تکلیف جھیل سکتے تھے اور ان کا پیاناہ صبر لبریز نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن مکہ میں رہ کر فرائض اسلام کا آرا دی سے بجالانا ممکن نہ تھا۔ اس وقت تک حرم کعبہ میں کوئی شخص بلند آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود جب اسلام لائے، تو انہوں نے کہا:

”میں اس فرض کو ضرور ادا کروں گا۔“

لوگوں نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے۔ حرم میں گئے اور مقامِ ابراہیمؑ کے پاس کھڑے ہو کر سورۃ الرحمن شروع کی۔ کفار ہر طرف سے لٹ پڑے اور ان کے منہ پر طمانچہ مارنے شروع ہو گئے۔ اگرچہ انہوں نے جہاں تک پڑھنا تھا پڑھ کر دم لیا لیکن واپس گئے تو چہرے پر زخم کے نشان لے کر گئے۔ حضرت ابوبکرؓ جاہ و اقتدار میں دیگر دوسائے قریش سے کم نہ تھے لیکن آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتے تھے اور اسی بنا پر ایک بار ہجرت کے لئے آمادہ ہو گئے۔

اس کے علاوہ ہجرت سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ جو شخص اسلام لے کر جہاں جا وہاں اسلام کی شعاعیں خود بخود پھیلتی تھیں۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما سے اول اول گیارہ مرد اور چار عورتوں نے ہجرت کی جن کے نام حسب ذیل ہیں :-

۱۔ حضرت عثمان بن عفان — مع اپنی زوجہ محترمہ (حضرت) رقیہؓ کے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔

۲۔ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ — مع اپنی زوجہ کے جن کا نام حضرت سہلہؓ (بنت سہیل) تھا۔ ان کا باپ عتبہ قریش کا مشہور سردار تھا۔ چونکہ سخت کافر تھا اس لئے ان کو گھر چھوڑنا پڑا۔

۳۔ حضرت زبیر بن العوام — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی اور مشہور صحابی تھے۔

۴۔ حضرت مصعب بن عمیر — ہاشم کے پوتے تھے۔

۵۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف — مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ قبیلہ زہرہ سے تھے اور اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہالی رشتہ دار تھے۔

۶۔ (حضرت) ابوسلمہؓ (ابن عبدالاسد) مخزومی — مع اپنی زوجہ ام سلمہؓ بنت ابی امیہ کے۔ یہ ام سلمہؓ وہی ہیں جو ابوسلمہ کے مرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔

۷۔ (حضرت) عثمان بن مظعون جمعی — مشہور صحابی ہیں۔

۸۔ (حضرت) عامر بن ربیعہ — مع اپنی زوجہ کے جن کا نام (حضرت) عیسیٰؓ (بنت ابی حشمہ) تھا۔ سابقین اولین میں ہیں۔ بدر میں بھی شریک تھے۔ حضرت عثمانؓ نے سفر حج میں ان کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ (اصحابہ)

۹۔ (حضرت) ابوسبیرؓ بن ابی رہم (خیا) — ان کی ماں ثبۃؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ یہ سابقین فی الاسلام میں ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اصحابہ میں لکھا ہے کہ یہ ہجرت ثانیہ میں گئے تھے۔

لے علمائے تاریخ میں بحث کے مہاجرین اول کی تعداد اور ان کے تصمین میں کسی قدر اختلاف ہے۔ جن کی تفصیلات علامہ سید سلیمان ندوی نے سیرت النبیؐ جلد اول کے حاشیے میں درج کی ہیں۔

۱۰۔ حضرت ابو ساطب بن عمرو — بدر میں شریک تھے۔ امام زہری کا بیان ہے کہ سب سے پہلے ان ہی نے ہجرت کی۔

۱۱۔ حضرت سہیل بن بیضا۔

۱۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود — مشہور صحابی اور مجتہدین صحابہ میں داخل ہیں۔

ان لوگوں نے شہد نبوی ماہ رجب میں سفر کیا۔ حسن اتفاق یہ کہ جب یہ بندرگاہ پر پہنچے تو دو تجارتی جہاز حبشہ کو جا رہے تھے۔ جہاز والوں نے سستے کرایہ پر ان کو بٹھالیا۔ ہر شخص کو صرف پانچ درہم دینے پڑے۔ قریش کو خبر ہوئی تو بندرگاہ تک تعاقب میں آئے لیکن موقع نکل چکا تھا۔

نجاشی کے بدولت مسلمان حبش میں امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ لیکن قریش یہ خبریں سُن کر پیچ و تاب کھاتے تھے۔ آخر یہ رائے مٹھری کہ نجاشی کے پاس سفارت بھیجی جائے کہ ہمارے مجرموں کو اپنے ملک سے نکال دو۔ عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص (فاتح مصر) اس کام کے لئے منتخب ہوئے۔ نجاشی اور اس کے درباریوں میں سے ایک ایک کے لئے گراں بہا تحفے بھیجے گئے اور نہایت سروسامان سے یہ سفارت حبش کو روانہ ہوئی۔ یہ سفارہ نجاشی سے پہلے درباری پادریوں سے ملے اور ان کی خدمت میں نذریں پیش کیں اور کہا کہ ہمارے شہر کے چند نادانوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے۔ ہم نے اُن کو نکال دیا تو آپ کے ملک میں بھاگ آئے۔ کل ہم بادشاہ کے دربار میں ان کے متعلق جو درخواست پیش کریں آپ بھی ہماری تائید فرمائیں۔

دوسرے دن سفارہ دربار میں گئے اور نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے مجرم ہم کو حوالہ کر دیئے جائیں۔ درباریوں نے بھی تائید کی۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور کہا: ”تم نے یہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے مخالف ہے؟“ مسلمانوں نے اپنی طرف سے گفتگو کرنے کے لئے حضرت جعفرؓ و حضرت علیؓ کے بھائی کو انتخاب کیا۔ انہوں نے اس طرح تقریر شروع کی:

”ایہا الملک —! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ بت پوجتے تھے۔ مُردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم

کرتا تھا۔ قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔ اس اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔ اُس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خوریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو آرام دیں۔ عقیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ شرک و ریت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمالِ بد سے باز آئے۔ اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اسی گمراہی میں واپس آجائیں۔

نجاشی نے کہا:

”جو کلامِ الہی تمہارے پیغمبر پر اترا ہے، کہیں سے پڑھو۔“
حضرت جعفرؓ نے سورہٴ مریم کی چند آیتیں پڑھیں۔ نجاشی پر رقت طاری ہوئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر کہا:

”خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پر تو ہیں۔“
یہ کہہ کر سفر اٹھے قریش سے کہا:

”تم واپس جاؤ۔ میں ان مظلوموں کو ہرگز نہیں دوں گا۔“

دوسرے دن عمرو بن العاص نے پھر دربار میں رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا:

”محذور! آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔“

نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دیں۔ ان لوگوں کو تردد ہوا کہ اگر

حضرت عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے کا انکار کرتے ہیں تو نجاشی عیسائی ہے، ناراض ہو جائے گا

حضرت جعفرؓ نے کہا:

”کچھ ہو ہم کو سچ بولنا چاہئے۔“

غرض یہ لوگ دربار میں حاضر ہوئے۔ نجاشی نے کہا:

”تم لوگ عیسیٰ بن مریم کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟“

حضرت جعفرؓ نے کہا:

”ہمارے پیغمبر نے بتایا ہے کہ عیسیٰ خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہے۔“

نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا لیا اور کہا:

”واللہ۔۔۔ جو تم نے کہا عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔“

بطریق جو دربار میں موجود تھے نہایت برہم ہوئے۔ منتھنوں سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی۔ نجاشی نے ان کے غصے کی کچھ پروانہ کی اور قریش کے سفیر بالکل ناکام مایاب آئے۔

اسی اثنا میں کسی دشمن نے نجاشی کے ملک پر حملہ کیا۔ نجاشی اس کے مقابلے کے لئے خود گیا۔ صحابہؓ نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے ایک شخص سبائے اور خبر بھیجتا رہے کہ اگر ضرورت ہو تو ہم بھی نجاشی کی مدد کے لئے آئیں۔ حضرت زبیرؓ اگرچہ سب سے زیادہ کم سن تھے لیکن انہوں نے اس خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ مشک کے سہارے دریائے نیل تیر کر رزمگاہ میں پہنچے۔ ادھر صحابہؓ نجاشی کی فتح کے لئے خدا سے دعا مانگتے تھے۔ چند روز کے بعد حضرت زبیرؓ واپس آئے اور خوشخبری سنائی کہ نجاشی کو خدا نے فتح دی ہے۔

حبش میں کم و بیش ۸۳ مسلمان ہجرت کر کے گئے۔ چند روز آرام سے گزرنے پائے تھے کہ یہ خبر مشہور ہوئی کہ کفار نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر اکثر صحابہؓ نے مکہ معظمہ کا رخ کیا، لیکن شہر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے۔ اس لئے بعض لوگ واپس چلے گئے اور اکثر چھپ چھپ کر مکہ میں آ گئے۔

جو لوگ حبش سے واپس آ گئے تھے اہل مکہ نے اب ان کو اور ستانا شروع کیا اور اس قدر اذیت دی کہ دوبارہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ لیکن اب کی ہجرت کچھ آسان نہ تھی۔ کفار نے سخت مزاحمت کی تاہم جس طرح ہو سکا بہت سے صحابہؓ جن کی تعداد قریباً سو تک پہنچتی ہے مکہ سے نکل گئے اور حبش میں اقامت اختیار کی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو کچھ لوگ فوراً چلے آئے اور جو لوگ رہ گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر میں ان کو بلا لیا۔

کفار کی ایذا و تعدی اب کمزوروں اور بے کسوں پر محدود نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کا قبیلہ معزز اور

طاقتور قبیلہ تھا۔ ان کے بار اور انصار بھی کم نہ تھے۔ تاہم وہ بھی کفار کے ظلم سے تنگ آ گئے اور بالآخر حبش کی ہجرت کا ارادہ کیا۔ برک الغماد جو مکہ سے یمن کی سمت پانچ دن کی راہ ہے، وہاں تک پہنچے تھے کہ ابن الدغنے سے ملاقات ہو گئی جو قبیلہ قارہ کا رئیس تھا۔ اُس نے پوچھا کہ کہاں؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا:

”میری قوم مجھ کو رہنے نہیں دیتی۔ چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر خدا کی عبادت کروں۔“

ابن الدغنے نے کہا:

”یہ نہیں ہو سکتا کہ تم جیسا شخص مکہ سے نکل جاؤ۔ میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔“

تو حضرت ابوبکرؓ اُس کے ساتھ واپس آئے۔ ابن الدغنے مکہ پہنچ کر تمام سرداران قریش سے

ملا اور کہا کہ

”ایسے شخص کو نکالتے ہو جو مہمان نواز ہے، مفلسوں کا مددگار ہے، رشتہ داروں کو پالتا ہے مصیبتوں میں کام آتا ہے۔“

قریش نے کہا:

”لیکن شرط یہ ہے کہ ابوبکرؓ نمازوں میں جو چاہیں پڑھیں۔ آواز سے قرآن پڑھتے ہیں تو ہماری عورتوں اور بچوں پر اثر پڑتا ہے۔“

حضرت ابوبکرؓ نے چند دنوں تک یہ پابندی اختیار کی لیکن آخر گھر کے پاس ایک مسجد بنائی۔ اور اس خضوع اور خشوع کے ساتھ با آواز قرآن پڑھتے تھے۔ وہ نہایت رقیق القلوب تھے۔ قرآن پڑھتے تو بے اختیار روتے۔ عورتیں اور بچے ان کو دیکھتے اور متاثر ہوتے۔

قریش نے ابن الدغنے سے شکایت کی۔ اُس نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ

”اب میں تمہاری حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔“

حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ

”مجھ کو خدا کی حفاظت بس ہے۔ میں تمہارے جوار سے استغنیٰ دیتا ہوں۔“

شعب ابوطالب میں محصور ہونا

(محرم ۱۰؎ نبوی)

قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر ہم اسلام کا دائرہ پھینتا جاتا ہے۔ عمرؓ اور حمزہؓ جیسے لوگ ایمان لا چکے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی۔ سفراء بے نیل و مرام واپس آئے۔ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے اب یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے۔ چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ "کوئی شخص نہ خاندان بنی ہاشم سے قرابت کرے گا نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا، نہ ان سے ملے گا، نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا، جب تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے حوالے نہ کر دیں۔" یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور درکعبہ پر اویزاں کیا گیا۔

ابوطالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابوطالب میں پناہ گزیں ہوئے۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کر بسر کرتے تھے۔ حدیثوں میں جو صحابہ کی زبان سے مذکور ہے کہ ہم طلح کی پتیاں کھا کر بسر کرتے تھے یہ اسی زمانے کا واقعہ ہے۔ چنانچہ سہیلی نے روضۃ الانف میں تصریح کی ہے۔ حضرت سعدؓ و قاص کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑہ ہاتھ آگیا۔ میں نے اس کو پانی سے دھوا پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا۔

یہ پہاڑ کا ایک درہ تھا جو خاندان بنو ہاشم کا موروثی تھا۔ (حاشیہ مؤلف)

ابن سعد نے روایت کی ہے کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی قریش
میں من کہ خوش ہوتے تھے لیکن بعض رحم دلوں کو ترس بھی آتا تھا۔ ایک دن حکیم بن حزام نے جو
حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا تھا، تھوڑے سے گہیوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہؓ کے پاس
بھیجے۔ راہ میں ابو جہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا۔ اتفاق سے ابوالنختری کہیں سے آگیا۔ وہ
اگرچہ کافر تھا لیکن اس کو رحم آیا اور کہا کہ

”ایک شخص اپنی بھوپھی کو کچھ کھانے کے لئے بھیجتا ہے تو کیوں روکتا ہے؟“

مسلل تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام آل ہاشم نے یہ مصیبتیں جھیلیں۔ بالآخر
دشمنوں ہی کو رحم آیا اور خود ان ہی کی طرف سے اس معاہدہ کو توڑنے کی تحریک ہوئی۔ ہشامؓ عامری
خاندان بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار اپنے قبیلہ میں ممتاز تھا۔ وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ وغیرہ بھیجتا
رہتا تھا۔ ایک دفعہ وہ زمیر کے پاس جو عبدالمطلب کے نواسے تھے گیا اور کہا:

”کیوں زمیر۔ تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ پیو۔ ہر قسم کا لطف اٹھاؤ اور ہمارے ماموں کو

ایک دانہ تک نصیب نہ ہو؟“

زمیر نے کہا:

”کیا کروں تنہا ہوں۔ ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو میں اس ظالمانہ معاہدہ کو بھاڑ کر پھینک

دوں۔“

ہشام نے کہا:

”میں حاضر ہوں۔“

دونوں مل کر مطعم بن عدی کے پاس گئے۔ ابوالنختری، ہشام، زمیر بن الاسود نے بھی

ساتھ دیا۔ دوسرے دن سب مل کر حرم میں گئے زمیر نے سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:

”اے اہل مکہ۔ یہ کیا انصاف ہے؟ ہم لوگ آرام سے بسر کریں اور بنو ہاشم کو آب و دانہ

نصیب نہ ہو۔ خدا کی قسم! جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا میں باز نہ آؤں گا۔“

ابو جہل برابر سے بولا:

”ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔“

زمعه نے کہا:

”تو جھوٹ کہتا ہے۔ جب یہ لکھا گیا تھا اُس وقت بھی ہم راضی نہ تھے۔“

غرض مطعم نے ہاتھ بڑھا کر دشاویز چاک کر دی۔ مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعه بن الاسود ابوالبحتری، زہیر سب ہتھیار باندھ باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے اور ان کو درہ سے نکال لئے۔ بقول ابن سعد یہ شامہ نبوی کا واقعہ ہے۔ اسی زمانے میں معراج واقع ہوئی، اسی زمانہ میں نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔

حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کی وفات

(سنہ نبوی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی شعب ابوطالب سے نکلے ہی تھے اور چند روز قریش کے جوړوٹم سے امان ملی تھی کہ ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا۔

ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو جا شاریاں کہیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپؐ پر شمار کرتے تھے۔ آپؐ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا۔ آپؐ کی خاطر محصور ہوئے، فاقے اٹھائے، شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آپؐ دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت، یہ جوش، یہ جا شاریاں سب ضائع جانیں گی؟

ابوطالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۵ برس عمر میں بڑے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے نہایت محبت تھی۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے گئے، تو انہوں نے کہا:

”بھتیجے۔ جس خدا نے تجھ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے دُعا نہیں مانگنا کہ مجھ کو اچھا کر دے۔“

آپؐ نے دُعا کی اور وہ اچھے ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

”خدا تیرا کہنا مانتا ہے۔“

آپؐ نے فرمایا:

”آپؐ بھی اگر خدا کا کہنا مانیں تو وہ بھی آپؐ کا کہنا مانے۔“

ابوطالب کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہؓ نے بھی وفات پائی۔ بعض روایتوں

میں ہے کہ انہوں نے ابوطالب سے پہلے انتقال کیا۔ اب آپ کے مددگار اور غمگسار دونوں اٹھ گئے۔
 صحابہ خود اپنی حالت میں مبتلا تھے۔ یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے۔ اور خود آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کو عام الحزن (سالِ غم) فرمایا کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ نے رمضانِ شمسہ نبوی میں وفات پائی۔ ان کی عمر ۶۵ برس تھی۔ مقامِ حجوں میں
 دفن کی گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں اترے۔ اس وقت تک نماز جنازہ شروع نہیں
 ہوئی تھی۔

ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔ اب وہ نہایت
 بے رحمی اور بے باکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہسخت تھے۔ ایک دفعہ آپؐ راہ میں جا رہے
 تھے۔ ایک شقی نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈال دی۔ اسی حالت میں آپؐ گھر تشریف لائے۔ آپؐ
 کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی مے کر آئیں۔ آپؐ کا سر دھوئی کھٹیں اور جوشِ محبت سے روتی جاتی
 تھیں۔ آپؐ نے فرمایا:

”سب ان پدر۔۔۔ اور نہیں۔ خدا تیرے باپ کو بچا لے گا۔“

اہل مکہ سے تو قطعی ناامیدی تھی۔ اس غمِ آپؐ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں
 اور وہاں دعوتِ اسلام فرمائیں۔ طائف میں بڑے بڑے امراء اور ارباب اثر رہتے تھے۔ ان میں عمر
 کا خاندان رئیس القبائل تھا۔ یہ تین بھائی تھے۔ عبدیلیل۔ مسعود۔ حبیب۔ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم ان کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ ان تینوں نے جو جواب دیئے، وہ نہایت
 عبرت انگیز تھے۔ ایک نے کہا:

”اگر تجھ کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے۔“

دوسرے نے کہا:

”کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی نہیں ملتا تھا؟“

تیسرے نے کہا:

”میں بہر حال تجھ سے بات نہیں کر سکتا۔ تو اگر سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلافِ ادب ہے
 اور اگر جھوٹا ہے تو گفتگو کے قابل نہیں۔“

ان بد بختوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ طائف کے بازاروں کو ابھار دیا کہ آپ کی ہنسی اڑا کر شہر کے اوپاش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ یہ مجمع دور و یہ صف باندھ کر کھڑا ہوا۔ جب آپ اُدھر سے گزرے تو آپ کے پاؤں پر پتھر مارنے شروع کئے۔ یہاں تک کہ آپ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ جب آپ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے۔ جب آپ چلنے لگتے تو پتھر برساتے۔ ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے جاتے۔ آخر آپ نے ایک باغ میں انکور کی ٹیٹوں میں پناہ لی۔ یہ باغ عتبہ بن ربیعہ کا تھا جو باوجود کفر کے شریف الطبع اور نیک نفس تھا۔ اُس نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو اپنے غلام کے ہاتھ جس کا نام جداس تھا، انکور کا ایک خوشہ کشتی میں رکھ کر بھیجا۔

اس سفر میں حضرت زید بن حارثہ بھی ساتھ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے پھر کر چند روز نخلہ میں قیام کیا۔ پھر حراء میں تشریف لائے اور مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھ کو اپنی حمایت میں لے سکتے ہو؟ عرب کا شعار تھا کہ جب کوئی اُن سے طالب حمایت ہوتا تو گود دشمن ہوتا انکار نہیں کر سکتے تھے۔ مطعم نے یہ درخواست منظور کی۔ بیٹوں کو بلا کر کہا کہ

”ہتھیار لگا کر حرم میں جاؤ۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے۔ مطعم اونٹ پر سوار ساتھ تھا۔ حرم کے پاس آیا تو پکارا کہ

”میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی ہے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں آئے۔ نماز ادا کی اور دولت خانہ کو واپس گئے۔ مطعم اور اُس کے بیٹے آپ کو تلواروں کے سایہ میں لائے۔

مطعم نے کفر کی حالت میں غزوہ بدر سے پہلے وفات پائی۔ حضرت حسان جو دربار رسالت کے شاعر تھے انہوں نے مرثیہ لکھا۔ زرقانی نے یہ مرثیہ بدر میں نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مطعم کا کام بے شبہ مدح کا مستحق تھا۔

قبائل کا دورہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، جب حج کا زمانہ آتا اور عرب کے قبائل ہر طرف سے آکر مکہ کے آس پاس اترتے تو آپ ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے اور تبلیغ اسلام فرماتے۔ عرب میں مختلف مقامات پر میلے لگتے تھے جن میں دور دور کے قبائل آتے تھے۔ آپ ان میں جاتے اور تبلیغ فرماتے تھے۔

ان میں ان میں عکاظ، جواہل عرب کا قومی اور علمی دنگل تھا، محنت اور ذوالحجاز کا نام مورشین نے خاص طور پر دیا ہے۔ قبائل عرب میں سے بنو عامر، حارث، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عس، بنو نصر، کنذہ، کلب، سارث بن کعب، عدوہ، خضارہ مشہور قبائل ہیں۔ ان سب قبائل کے پاس آپ تشریف لے گئے لیکن ابوہب ہر جگہ ساتھ ساتھ جاتا اور جب آپ کسی مجمع میں تقریر کرتے تو برابر سے کہتا کہ

”دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے۔“

یہی حنیفہ یامہ میں آباد تھے۔ ان لوگوں نے نہایت تلخی سے جواب دیا۔ یہ کذاب جس نے آگے چل کر نبوت کا دعویٰ کیا اسی قبیلہ کا رئیس تھا۔

قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس جب آپ گئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مفروق سے کہا:

”تم نے کسی پیغمبر کا تذکرہ سنا ہے؟ وہ یہی ہیں۔“

مفروق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کر کے کہا:

”برا در قریش — تم کیا تلقین کرتے ہو؟“

آپ نے فرمایا:

”خدا ایک ہے اور میں اُس کا پیغمبر ہوں۔“

اور یہ آیتیں پڑھیں۔

قُلْ تَعَالَوْا أَنِ اتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَمْلَاقٍ طَنَحْنُ نَزَرُكُمْ وَإِنَّا هُمْ جَو لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِنَّ بِالْحَقِّ تَذَكُّرُكُمْ وَصَلُّوا بِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۔ (انعام - ۱۹)

کہہ دو کہ اُو میں تمہیں سناؤں کہ خدا نے کیا چیزیں حرام کی ہیں۔ یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کا حق خدمت بجالاؤ اور اپنے بچوں کو افلاس کے خیال سے قتل نہ کرو۔ ہم تم کو اور اُن کو دونوں کو روزی دیں گے۔ فحش باتوں کے پاس نہ جاؤ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور آدمی کی جان جس کو خدا نے حرام کیا ہے ناخن ہلاک نہ کرو۔

اس قبیلہ کے رؤساء مفروق ہشتی اور ماتی بن قبیسہ تھے اور وہ سب اس موقع پر موجود تھے۔

ان لوگوں نے کلام کی تحسین کی لیکن کہا کہ

”مدتوں کا خاندانی دین دفعۃً چھوڑ دینا زود اعتقادی ہے۔ اس کے علاوہ ہم کسریٰ کے

زیر اثر ہیں اور معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم اور کسی کے اثر میں نہیں آئیں گے۔“

آپ نے اُن کی راست گوئی کی تحسین کی اور فرمایا کہ

”خدا اپنے دین کی آپ مدد کرے گا۔“

قبیلہ بنو عامر کے پاس گئے تو اس شخص نے جس کا نام (بحیرہ بن) فراس تھا آپ کی تقریر

سُن کر کہا: ”یہ شخص مجھ کو مانگا آجائے تو میں تمام عرب کو مسخر کر لوں۔“

پھر آپ سے پوچھا کہ

”اگر ہم تمہارا ساتھ دیں اور تم اپنے مخالفوں پر غالب آ جاؤ تو تمہارے بعد ریاست ہم کو

سے گی۔؟

آپؐ نے فرمایا:

”یہ خدا کے ہاتھ ہے۔“

اُس نے کہا:

”ہم اپنا سینہ عرب کی آماجگاہ بنائیں اور حکومت غیروں کے ہاتھ آئے۔ ہم کو یہ غرض نہیں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی

اسباب مذکورہ بالا کی بنا پر قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی اور چاہا کہ آپؐ کو اس طرح شتائیں کہ آپؐ مجبور ہو کر تبلیغ اسلام سے دست بردار ہو جائیں۔ سو وہ اتفاق یہ کہ جو کفار آپؐ کے ہمسایہ تھے یعنی ابو جہل، ابولہب، اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، نضر بن حارث، منبہ بن حجاج، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص سب قریش کے سربراہ اور وہ رؤسا تھے اور یہی سب سے بڑھ کر آپؐ کے دشمن تھے۔ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھاتے، نماز پڑھتے وقت سنٹی اڑاتے، سجدہ میں آپؐ کی گردن پر اوچھری لاکر ڈال دیتے۔ گلیوں میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچتے کہ گردن مبارک پر بدتھیاں پڑ جاتیں۔ آپؐ کی روحانی قوت اثر کو دیکھ کر لوگ جادوگر کہتے، دعویٰ نبوت کو سُن کر محبوں کہتے۔ باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے غول باندھ کر چلتے۔ نماز باجماعت میں قرآن زور سے پڑھتے، تو قرآن، قرآن کے لانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے اتارنے والے (خدا تعالیٰ) کو گالیاں دیتے، ایک دفعہ آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ رؤسائے قریش بھی موجود تھے۔ ابو جہل نے کہا:

”کاش: اس وقت کوئی جانا اور اونٹ کی اوجھ نہ جاست سمیت اٹھاتا کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جاتے تو اُن کی گردن پر ڈال دیتا۔“

عقبہ نے کہا:

”یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں۔“

چنانچہ اوجھ لاکر آپ کی گردن پر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے
 سے پڑتے تھے۔ کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو خبر کی، تو وہ اگرچہ اس وقت صرف
 نو برس کی تھیں، جوش محبت سے دوڑی آئیں۔ اوجھ ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بددعائیں دیں۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مجمع میں دعوت اسلام کا وعظ فرماتے تو ابو لہب جو
 کے ساتھ ساتھ ہوتا، برابر سے کہتا جاتا کہ
 ”جھوٹ کہتا ہے۔“

ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب کہ میں اسلام نہیں لا چکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 ذوالمجاز میں گئے اور مجمع میں گھس کر لوگوں سے کہا کہ لا الہ الا اللہ کہو۔ ابو جہل آپ
 ک پھینکتا جاتا اور کہتا کہ

”اس کے فریب میں نہ آنا۔ یہ چاہتا ہے کہ تم لات وعزیٰ کی پرستش چھوڑ دو۔“
 طائف میں کفار نے آپ کو جواذین پہنچائیں ان کا بیان پیچھے گزر چکا۔
 ایک دفعہ آپ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ نے آپ کی گردن میں چادر
 کر نہات زور سے کھینچی۔ اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آگئے اور آپ کا شانہ پکڑ کر عقبہ کے
 سے چھڑایا اور کہا کہ

”اس شخص کو قتل کرتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے۔“
 جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں نہایت سرگرم تھے اور رات دن اسی
 میں رہتے تھے ان کے نام، جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں لکھے ہیں، حسب ذیل ہیں :-

۱۔ ابو جہل	۲۔ ابو لہب
۳۔ اسود بن عبد یغوث	۴۔ حارث بن قیس بن عدی
۵۔ ولید ابن المغیرہ	۶۔ امیہ
۷۔ ابی بن خلف	۸۔ ابوقیس بن فاکہ بن المغیرہ
۹۔ عاص بن وائل	۱۰۔ نضر بن حارث
۱۱۔ منبہ بن الحجاج	۱۲۔ زہیر بن ابی امیہ

۱۳ — اسود بن عبد الاسد

۱۴ — سائب بن صیفی

۱۵ — عامر بن سعید بن العاص

۱۶ — عقیب بن ابی معیط

۱۷ — بن الاعدی

۱۸ — ہذلی

۱۹ — حکم بن العاص

۲۰ — عدی بن حمراء

حضرت نجاش بن الاریت نے جب قریش کی ایذارسانی سے تنگ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ،

”اے ان کے حق میں بددعا کیوں نہیں فرماتے؟“

تو آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ

”تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہیں جن کے سر پر آگے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے۔ تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے۔ خدا اس کام کو پورا کرے گا۔ یہاں تک کہ شتر سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔“

کیا یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری نہیں ہوئی؟ —

یہ سہ ماہیہ و روزانہ

بیعت عقبہ اولیٰ ————— ۱۱۰۰ھ نبوی

بیعت عقبہ ثانی ————— ۱۱۰۲ھ نبوی

آفتاب کی روشنی دُور پہنچ کر تیز ہوتی ہے۔ شمیم گل باغ سے نکل کر عطرِ فشان بنی ہے۔
آفتاب اسلام طلوع مکہ میں ہوا لیکن کرین مدینہ کے افق پر چکیں۔

مدینہ کا اصل نام یثرب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہاں آکر قیام کیا تو اس کا نام مدینۃ النبی یعنی پیغمبر کا شہر پڑ گیا اور پھر مختصر ہو کر مدینہ مشہور ہو گیا۔

یہ شہر مدتوں سے آباد ہے۔ بہت قدیم زمانہ میں یہودی یہاں آکر آباد ہوئے۔ ان کی نسلیں کثرت سے پھیلیں اور مدینہ کے اطراف ان کے قبضہ میں آ گئے۔ انہوں نے مدینہ اور اُس کے حوالی میں چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لئے تھے اور ان میں سکونت رکھتے تھے۔

انصار اصل میں یمن کے رہنے والے اور قحطان کے خاندان سے تھے۔ یمن میں جب مشہور سیلاب آیا جس کو "سیلِ عرم" کہتے ہیں، یہ لوگ یمن سے نکل کر مدینہ میں آباد ہوئے۔ یہ دو بھائی تھے۔ اوس اور خزرج۔ تمام انصار ان ہی دو کے خاندان سے ہیں۔ یہ خاندان جب یثرب میں آیا تو یہود نہایت اقتدار اور اثر رکھتے تھے۔ اُس پاس کے مقامات ان کے قبضہ میں تھے اور دولت و مال سے مالا مال تھے۔ چونکہ آلِ واولاد کی کثرت سے بیس اکیس قبیلے بن گئے تھے اس لئے دُور دُور تک بستیاں بسالی تھیں۔ انصار کچھ زمانہ تک ان سے الگ رہے لیکن ان کا زور اور اثر دیکھ کر بالآخر ان کے حلیف بن گئے۔ ایک مدت تک یہ حالت رہی لیکن اب انصار کا خاندان پھیلنا جاتا تھا اور اقتدار حاصل کرنا جاتا تھا۔ یہود نے پیش بینی کے لحاظ سے ان سے معاہدہ توڑ دیا۔

یہودیوں میں ایک رئیس فطیون پیدا ہوا جو نہایت عیاش اور بدکار تھا۔ اُس نے یہ حکم دیا

کہ جو دو شیرہ لڑکی بیاہی جائے پہلے اُس کے شبستان عیش میں آئے۔ یہود نے اس کو گوارا کر لیا تھا لیکن جب انصار کی نوبت آئی تو انہوں نے سرتابی کی۔ اس زمانے میں انصار کا سردار ایک شخص مالک بن عجلان تھا۔ اس کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے دن گھر سے نکلی اور اپنے بھائی مالک بن عجلان کے سامنے سے بے پردہ گزری۔ مالک کو غیرت آئی۔ اٹھ کر گھر میں آیا اور بہن کو سخت ملامت کی۔ اُس نے کہا:

”ماں — لیکن کل جو کچھ ہوگا اس سے بھی بڑھ کر ہے۔“

دوسرے دن حسب دستور جب مالک کی بہن دہن بن کر فطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو مالک بھی زنا نے کپڑے پہن کر سہیلیوں کے ساتھ گیا اور فطیون کو قتل کر کے شام کو بھاگ گیا۔ یہاں عسائیوں کی حکومت تھی اور ابو جہلہ حکمران تھا۔ اُس نے یہ حالات سُننے تو ایک فوج گراں لے کر آیا اور اس اور خزرج کے رُسا کو بلا کر ان کو خلعت اور صلے دیئے۔ پھر رُسا نے یہود کی دعوت کی اور ایک ایک کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ یہود کا زور اب ٹوٹ گیا اور انصار نے نئے سرے سے قوت حاصل کی۔

انصار نے مدینہ اور حوالی مدینہ میں کثرت سے چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے۔ اس اور خزرج ایک مدت تک باہم متحد رہے لیکن پھر عرب کی فطرت کے موافق خانہ جنگیوں شروع ہو گئیں اور سخت خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ سب سے اخیر لڑائی میں جس کو بعاث کہتے ہیں اس زور کا معرکہ ہوا کہ دونوں خاندانوں کے تمام نامور لڑ لڑ کر مر گئے۔ انصار اب اس قدر ضعیف ہو گئے کہ انہوں نے قریش کے پاس سفارت بھیجی کہ ہم کو حلیف بنا لیجئے لیکن ابو جہل نے معاملہ درہم برہم کر دیا۔

انصار گوشت پرست تھے تاہم چونکہ یہود سے میل جول تھا، اس لئے نبوت اور کتب آسمانی سے گوش آشنا تھے۔ یہود سے انصار گو ایک گونہ رقابت رکھتے تھے لیکن ان کے علمی فضل و کمال کے معترف تھے۔ یہود نے مدینہ میں جو علمی مدارس قائم کئے تھے اور جن کو بیت المدارس کہتے تھے۔ (بخاری وغیرہ میں نام مذکور ہیں) ان میں تورات کی تعلیم ہوتی تھی۔ انصار جاہل تھے اس لئے ان پر یہود کے علمی تفوق کا خواہ مخواہ اثر پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ انصار میں سے جس کے اولاد زندہ نہیں رہتی تھی وہ مدت مانتا تھا کہ بچہ زندہ رہے گا تو یہودی بنا دیا جائے گا۔ یہودی عموماً یہ یقین رکھتے تھے کہ

ایک پیغمبر بھی اور آنے والا ہے۔ اس بنا پر انصار بھی ایک پیغمبر موعود کے نام سے آشنا تھے۔ انصار میں ایک شخص سوید بن صامت جو شاعری اور جنگ آوری میں ممتاز تھا اُس کو امثال لقمان کا ایک نسخہ مل گیا تھا جس کو وہ آسمانی کتاب سمجھتا تھا۔ وہ ایک دفعہ حج کو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے حالات سنے تو خود اُس کے پاس تشریف لے گئے۔ اُس نے امثال لقمان پڑھ کر سنایا۔ آپ نے فرمایا:

”میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے۔“

یہ کہہ کر قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں۔ سوید نے تحسین کی۔ اگرچہ وہ مدینہ واپس آکر جنگ بعاث میں مارا گیا لیکن اسلام کا معتقد ہو چکا تھا۔

سوید شجاعت اور شاعری دونوں میں کمال رکھتا تھا۔ ایسے شخص کو عرب کا ملکہ کہتے تھے اور اسی بنا پر سوید اسی لقب سے پکارا جاتا تھا۔ سوید کے میلان اسلام کا اثر انصار پر پڑ چکا تھا۔ اوس اور خزرج کے معرکوں میں اوس کو جب شکست ہوئی تو اوس کے عہد قریش کے پاس گئے کہ خزرج کے مقابلہ میں ان کو حلیف بنائیں۔ اس سفارت میں ایاس بن معاذ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کا آنا معلوم ہوا تو آپ اُن کے پاس تشریف لے گئے اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ ایاس نے ساتھیوں سے کہا کہ

”خدا کی قسم — تم جس غرض کے لئے آئے ہو، یہ کام اس سے بہتر ہے۔“

لیکن سالاز فافلہ یعنی ابوالحس نے کنکریاں اٹھا کر اُن کے منہ پر ماریں اور کہا کہ

”ہم اس کام کے لئے نہیں آئے۔“

اس کے بعد بعاث کا معرکہ پیش آگیا اور ایاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ مرتے وقت ایاس کی زبان پر تکبیر جاری تھی۔

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ حج کے زمانہ میں وہ سائے قبائل کے پاس جا کر تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے۔ اس سال (رجب سنہ نبوی) میں بھی آپ متعذر قبائل کے پاس تشریف لے گئے۔ عقبہ کے پاس جہاں اب مسجد عقبہ ہے خزرج کے چند دشمن آپ کو نظر آئے۔ آپ نے اُن سے نام و نسب پوچھا۔ انہوں نے کہا:

”خروج —“

آپ نے دعوتِ اسلام دی اور قرآن مجید کی اُنتیں سنائیں۔ ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا:

”دیکھو! یہود ہم سے اس اولیت میں بازی نہ لے جائیں۔“

یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا۔ یہ چھ شخص تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں:-

۱۔ ابوالہثیمؓ ینہان۔

۲۔ ابوامامہؓ اسعد بن زرارہ — (صحابہ میں سب سے پہلے انہی نے سلسلہ میں وفات پائی)

۳۔ عوث بن حارث — (بدر میں شہادت پائی)

۴۔ رافع بن مالک بن عجلان — اس وقت تک جس قدر قرآن اترا چکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کو عنایت فرمایا۔ جنگ احد میں شریک ہوئے۔

۵۔ قطبہؓ بن عامر بن حدیدہ — (تینوں عقبات میں شریک رہے)

۶۔ جابرؓ بن عبد اللہ (بن رباب) — (یہ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ ابن عمرو کے علاوہ

تھے۔ بدر وغیرہ میں شریک تھے) ۷

بیعت عقبہ اولیٰ — اللہ نبوی

دوسرے سال بارہ شخص مدینہ منورہ سے آئے اور بیعت کی۔ اس کے ساتھ اس بات کی

بھی خواہش کی کہ احکام اسلام کے سکھانے کے لئے کوئی معلم ان کے ساتھ کر دیا جائے۔ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو اس خدمت پر مامور فرمایا۔ مصعبؓ ہاشم بن عبد مناف

کے پوتے اور سابقین اسلام میں سے تھے۔ غزوہ بدر میں لشکر اسلام کی علمبرداری کا منصب انہی

کو ملا تھا۔ وہ مدینہ میں آکر اسعد بن زرارہ کے مکان پر ٹھہرے جو مدینہ کے نہایت معزز رئیس تھے

روزانہ معمول تھا کہ انصار کے ایک ایک گھر کا دورہ کرتے۔ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور

قرآن مجید پڑھ کر سناتے۔

روزانہ ایک دو نئے آدمی اسلام قبول کرتے۔ رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام

پھیل گیا۔ صرف حطنتہ، وائل، واقف کے چند بھڑائے باقی رہ گئے۔ ابن سعد نے یہ واقعات تفصیل سے لکھے ہیں۔

قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن عباد تھے۔ قبیلہ پران کا یہ اثر تھا کہ ہر کام میں ان کے اشاروں پر چلتے تھے۔ مصعبؓ نے جب ان کے پاس جا کر اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے پہلے نفرت ظاہر کی۔ لیکن جب مصعبؓ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں تو چمکے موم تھے۔ ان کا اسلام لانا تمام قبیلہ اوس کا اسلام قبول کر لینا تھا۔

بیعت عقبہ ثانی — ۱۲ھ نبوی

اگلے سال بہتر شخص حج کے زمانے میں آئے اور اپنے ساتھیوں سے (جو بت پرست تھے) چھپ کر بہ مقام منیٰ (عقبہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس موقع پر حضرت عباسؓ بھی جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ انہوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا:

”اے گروہ خنجر —! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں۔ دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ ان کے سینہ سپر رہے۔ اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں۔ اگر مرتے تو تم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔“

حضرت برادؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب کر کے کہا:

”ہم لوگ تلواروں کی گود میں پیے ہیں۔“

وہ اسی قدر کہنے پائے تھے کہ ابوالہشیمؓ نے بات کاٹ کر کہا:

”یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے اور یہود سے تعلقات ہیں۔ بیعت کے بعد یہ تعلقات

ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا تو نہ ہو کہ جب آپ کو قوت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو آپ ہم کو چھوڑ کر وطن چلے جائیں۔“

آپؐ نے فرمایا:

”میں تمہارا خون میرا خون ہے۔ تم میرے اور میں تمہارا ہوں۔“

اُپ نے اس گروہ میں سے بارہ شخص نقیب انتخاب کئے جن کے نام خود انصار نے پیش کئے تھے۔ ان میں نو خزر ج کے اور تین اوس کے تھے۔ ان کے نام حسب روایت ابن سعد حسب ذیل ہیں :-

۱۔ اسید بن حضیر — جنگ بعاث میں انہی کے باپ اوس کے سردار تھے۔

۲۔ ابوالہشیم بن تیہان

۳۔ سعد بن خثیمہ — جنگ بدر میں شہید ہوئے۔

۴۔ اسعد بن زرارہ — ان کا ذکر اوپر گزر چکا۔ یہ امام نماز تھے۔

۵۔ سعد بن الربیع — جنگ احد میں شہید ہوئے۔

۶۔ عبداللہ بن رواحہ — مشہور شاعر تھے۔ جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔

۷۔ سعد بن عبادہ — معزز اور مشہور صحابی ہیں۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں ان ہی نے پہلے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔

۸۔ منذر بن عمرو — بیڑ معونہ میں شہید ہوئے۔

۹۔ براؤ بن معرور — بیعت عقبہ میں ان ہی نے انصار کی طرف سے تقریر کی تھی۔ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے۔

۱۰۔ عبداللہ بن عمرو — جنگ احد میں شہید ہوئے۔

۱۱۔ عبادہ بن الصامت — مشہور صحابی ہیں۔ ان سے اکثر حدیثیں مروی ہیں۔

۱۲۔ ارفع بن مالک — جنگ احد میں شہید ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی، یہ تھیں :-

”شُرک، چوری، زنا، قتل اولاد اور افتراء کے مرتکب نہ ہوں گے اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ان سے جو اچھی بات کہیں گے، اُس سے سرتابی نہ کریں گے۔“

جب انصار بیعت کر رہے تھے تو سعد بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کہا:

”بھائیو! یہ بھی خبر ہے کہ چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم اور جن و انس سے

اعلانِ جنگ ہے۔“

سب نے کہا:

”ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔“

بارہ شخص جو نقیب انتخاب کئے گئے تھے رئیس القبائل تھے۔ ان کا اسلام قبول کرنا تمام انصار کا اسلام قبول کرنا تھا۔ صبح کو اس بیعت کی اڑتی سی خبر پھیلی۔ قریش انصار کے پاس آئے اور شکایت کی۔ انصار کے ساتھ جو بت پرست تھے ان کو اس بیعت کی خبر نہ تھی۔

انہوں نے تکذیب کی کہ

”ایسا ہوتا تو ہم سے کیوں کر چھپ سکتا تھا؟“

مدینہ میں اسلام کو پناہ حاصل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں۔ قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے روک ٹوک شروع کی لیکن چوری چھپے لوگوں نے ہجرت شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے۔ جو لوگ مفلسی سے مجبور تھے وہ مدت تک نہ جاسکے۔

محررت

مسجد نبویؐ اور ازواجِ مطہرات کے محروں کی تعمیر

اذان کی ابتداء

مراخاۃ

صفہ اور اصحابِ عیسیٰ

مدینہ کے یہود اور ان سے معاہدہ

مکرم ہجرت مدینہ

اس وقت جب کہ دعوت حق کے جواب میں ہر طرف سے تلوار کی جھنکاریں سنائی دے رہی تھیں حافظِ عالم نے مسلمانوں کو دارالامان مدینہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا لیکن خود وجود اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو ان متمکاروں کا حقیقی ہدف تھا اپنے لئے حکمِ خدا کا منتظر تھا۔ مکہ کے باہر اطراف میں جو صاحب اثر مسلمان ہو چکے تھے وہ جاننا نہ اپنی حفاظت کی خدمت پیش کرتے تھے۔ قبیلہ دوس ایک محفوظ قلعہ کا مالک تھا۔ اس کے رئیس طفیل بن عمرو نے اپنا قلعہ پیش کیا کہ آپ یہاں ہجرت کر آئیں لیکن آپ نے انکار فرمایا۔ اسی طرح بنی ہمدان کے ایک شخص نے بھی یہی خواہش کی تھی۔ بعد کو اُس نے کہا کہ وہ اپنے اہل قبیلہ کو مطلع کر کے اگلے سال آئے گا۔ لیکن کارسازِ قضا و قدر نے یہ شرف صرف انصار کے لئے مخصوص کیا تھا۔ چنانچہ قبل ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ دارالہجرت ایک پُر باغ و بہار مقام ہے۔ خیال تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا لیکن وہ شہر مدینہ نکلا۔

نبوت کا تیرہواں سال شروع ہوا اور اکثر صحابہ مدینہ پہنچ چکے تو وحی الہی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا۔

قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ میں جا کر طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور وہاں اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ اس پر انہوں نے دارالندوہ میں جو دارالشوریٰ تھا اجلاس عام کیا۔ ہر قبیلہ کے رؤسا یعنی عتبہ، ابوسفیان، جمیر بن مطعم، نضر بن سارث بن کلاہ، ابوالنختری، ابن ہشام، رمعتہ بن اسود بن مطلب، حکیم بن حزام، ابوہیل، نبیہ و منبہ، امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ سب شریک تھے۔ لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ ایک نے کہا:

محمدؐ کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے۔
دوسرے نے کہا:

”جلا وطن کر دینا کافی ہے۔“

ابو جہل نے کہا:

”ہر قبیلہ سے ایک شخص انتخاب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے ان کا خاتمہ کر دے۔ اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور آل ہاشم تمام قبائل کا ایک مقابلہ نہ کر سکیں گے۔“

اس اخیر رائے پر اتفاق ہو گیا اور جھٹ پٹے سے اکبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کر لیا۔ اہل عرب زمانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے۔ اس کے باہر کھڑے رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش کو اس درجہ عداوت تھی تاہم آپؐ کی دیانت پر ایمان تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپؐ ہی کے پاس لاکر رکھتا تھا۔ اس لیے بھی آپؐ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں۔ آپؐ کو قریش کے ارادے کی پہلے سے خبر ہو چکی تھی۔ اس بنا پر حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ

”مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پیٹنگ پر میرے چادر اور سو کہ سو رہو۔ صبح کو سب کی امانتیں سجا کر واپس دے آنا۔“

یہ سخت خطرے کا موقع تھا۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپؐ کو قتل کر کے ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فائزہؓ کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا۔

ہجرت سے دو تین دن پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو پہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر گئے۔ دستور کے موافق دروازے پر دستک دی۔ اجازت کے بعد گھر میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا:

”کچھ مشورہ کرنا ہے سب کو ہٹا دو۔“

بولے کہ

”اس وقت آپ کی حرم کے سوا اور کوئی نہیں۔“ (اس وقت حضرت عائشہؓ سے شادی ہو چکی تھی)

آپؐ نے فرمایا:

”مجھ کو ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے۔“

حضرت ابو بکرؓ نے نہایت بیتابی سے کہا:

”میرا باپ آپؐ پر نذا ہو کیا مجھ کو بھی میری ہی کا شرف حاصل ہوگا؟“

ارشاد ہوا:

”ہاں۔۔۔“

حضرت ابو بکرؓ نے ہجرت کے لئے چار مہینے سے دواؤں ٹنیاں بول کی پٹیاں کھلا کھلا کر
رکی تھیں۔ عرض کی کہ

”ان میں سے ایک آپؐ پسند فرمائیں۔“

محسن عالمؒ کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا۔ ارشاد ہوا:

”اچھا۔۔۔ مگر بہ قیمت!“

حضرت ابو بکرؓ نے مجبوراً قبول کیا۔ حضرت عائشہؓ اس وقت کم سن تھیں۔ ان کی بڑی بہن حضرت

ہادہؓ نے جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ماں تھیں، سفر کا سامان کیا۔ دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں

لٹا۔ نطاق جس کو عورتیں کمر سے لپیٹتی ہیں پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا۔ یہ وہ شرف

فاحش کی بنا پر آج تک ان کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

کفار نے جب آپؐ کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گزر گئی تو قدرت نے ان کو بہ خبر

دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے۔ کعبہ کو دیکھا اور فرمایا:

”مگر تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے۔“

حضرت ابو بکرؓ سے پہلے سے قرار داد ہو چکی تھی۔ دونوں صاحب پہلے جبل ثور کے غار میں

لے یہ غار مکہ سے تین میل دہنی جانب ہے۔ پہاڑ کی چوٹی قریباً ایک میل بلند ہے۔ سمندر یہاں

اسے دکھائی دیتا ہے۔ دیکھو زرقانی۔ (حاشیہ مؤلف)

جاکر پوشیدہ ہوئے۔ یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہ خلائق ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے جو نوخیز جوان تھے شب کو غار میں سوتے، صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ کہا مشورہ کر رہے ہیں۔ جو کچھ خبر ملتی شام کو اکرام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ کا غلام کچھ رات گئے بکریاں چرا کر لاتا اور آپ اور حضرت ابوبکرؓ ان کا دودھ پی لیتے۔ دن تک صرف یہی غذا تھی لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے کہ روزانہ شام کو حضرت اسماءؓ گھر سے کھانا لے کر آتی تھیں۔ اسی طرح تین راتیں غار میں گزریں۔

صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں تو پلنگ پر اکرام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے حضرت تھے۔ غلاموں نے آپ کو بکڑ کر اور حرم میں لے جا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا اور چھوڑ دیا۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانہ تک آگئے۔ اہم حضرت ابوبکرؓ غمزدہ ہوئے اور اکرام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اب دشمن اس قدر قریب آگئے ہیں کہ اگر اپنے قدم پر ان کی نظر پڑ جائے تو ہم کو ذبح کر دیں گے۔

آپ نے فرمایا:

لَا تَخْشَوْنَ اللَّهَ مَعَنَا۔ (توبہ) گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔

چوتھے دن آپ غار سے نکلے۔ عبداللہ بن اریقط ابک کا فرجس پر اعتماد تھا رہنمائی لے لے ہجرت پر مقرر کر لیا گیا۔ وہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا۔ ایک رات دن برابر چلے گئے۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سایہ میں آرام فرمائیں۔ چاروں طرف نظر ڈالی۔ ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔ اس سے انہر کر زمین جھاڑی پھر اپنی چادر بچھا دی۔ اکرام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا تو انہر میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو لائیں۔ پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ اس نے کہا ایک بکری کا تھن گر دو غبار سے صاف کر دے۔ پھر اس کے ہاتھ صاف کر لئے اور اسے دوایا۔ برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گرد نہ پڑنے پائے۔ دودھ لے کر اکرام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا۔ آپ نے پی کر فرمایا:

کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا؟

اب اب ڈھل چکا تھا، اس لئے آپ وہاں سے روانہ ہوئے۔

قریش نے اشتہار دیا تھا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو بیخون بہا کے برابر (یعنی سواونٹ) انعام دیا جائے گا۔ سراقہ بن جشم نے سنا تو انعام کی امید نکلا۔ عین اس حالت میں آپ روانہ ہو رہے تھے اُس نے آپ کو دیکھ لیا اور گھوڑا دوڑا کر قریب آیا۔ لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، وہ گر پڑا۔ ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہئے یا نہ۔ جواب میں نہیں نکلا۔ لیکن سواونٹوں کا گراں بہا معادضہ ایسا نہ تھا کہ تیر کی بات مان لی جاتی۔ بارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور آگے بڑھا۔ اب کے گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ گھوڑے سے اتر پڑا اور پھر فال دیکھی۔ اب بھی وہی جواب تھا لیکن مکرر تجربہ نے اس کی ہمت نہ کر دی اور یقین ہو گیا کہ یہ کچھ اور آثار ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر قریش کے ہمارے واقعہ سنایا اور درخواست کی کہ مجھ کو امن کی تحریر لکھ دیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے اعلام عربی فہرہ نے چمڑے کے ٹکڑے پر فرمان امن لکھ دیا۔

حسن اتفاق یہ کہ حضرت زبیرؓ شام سے تجارت کا سامان لے کر آ رہے تھے۔ انہوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں چند بیش قیمت کپڑے پیش کئے جو اس بے وسامانی میں غنیمت تھے۔

ابن سعد نے طبقات میں اس مقدس سفر کی تمام منزلیں گنا لی ہیں۔ اگرچہ عرب کے نقشوں میں آج ان کا نشان نہیں ملتا تاہم عقیدت مند صرف نام سے لذت یاب ہو سکتے ہیں۔ خرار، تمنیۃ المراء، لقف، مدلجۃ، مرج، حداید، اذاخر، رابغ، یہ مقام آج بھی حجاج کے رستے میں آتا ہے۔ یہاں آپ نے مغرب کی نماز پڑھی، واسلم، عثمانینہ، قاعد، عروج، جدوات، رکوۃ، عقیق، حبشا۔

لے سیرۃ کی بعض متداول کتابوں میں سراقہ بن مالک لکھا ہے۔ مؤلف مرحوم نے مائشے میں ذکر کیا ہے کہ سراقہ بعد میں مسلمان ہو گئے۔ سبب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے زورات لوٹ میں آئے تو حضرت عمرؓ نے ان ہی کو وہ زورات پہن کر عالم کی نیزگی کا تماشا دیکھا۔ (مرتب)

تشریف آوری کی خبر پہلے مدینہ پہنچ چکی تھی۔ تمام شہر ہمدن چشم انتظار تھا۔ معصوم بچے جوش سے کہتے پھرتے تھے کہ

”پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آرہے ہیں۔“

لوگ ہر روز ترٹ کے سے نکل نکل کر شہر کے باہر جمع ہوتے اور دوپہر تک انتظار کر کے حرم کے ساتھ واپس چلے آتے۔ ایک دن انتظار کر کے واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے قلعہ دیکھا اور قرائن سے پہچان کر پکارا کہ

”اہل عرب — لو تم جس کا انتظار کرتے تھے آگیا۔“

تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا۔ انصار ہتھیار سج سج کر بتیا بانہ گھروں سے نکلا۔ مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر جو بالائی آبادی ہے اس کو عالیہ اور قبا کہتے ہیں۔ انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے۔ ان میں سب سے زیادہ ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان اور کلثوم بن الہدیم خاندان کے افسر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پہنچے تو تمام خاندان جوش مسرت میں اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ یہ فخران کی قسمت میں تھا کہ میزبان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی کی مہمانی قبول کی۔ انصار ہر طرف سے جوق در جوق آتے اور جوش عقیدت کے ساتھ عرض کرتے۔

اکثر اکابر صحابہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مدینہ میں آچکے تھے وہ بھی ان ہی گھرانوں سے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ، مقدادؓ، جنابؓ، سہیلؓ، صفوانؓ، عیاضؓ، عبد اللہؓ، عمرؓ، دہبؓ بن سعدؓ، عمرؓ بن ابی سرحؓ، عمرؓ بن عوفؓ اب تک ان ہی کے مہمان تھے۔ جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روانہ ہونے کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے۔ وہ بھی آگئے اور مکہ پہرے۔ تمام مؤرخین اور ارباب سیر لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں صرف چار دن فرمایا لیکن صحیح بخاری میں چودہ دن ہے اور یہی قرین قیاس ہے۔

یہاں آپؐ کا پہلا کام مسجد کا تعمیر کرانا تھا۔ حضرت کلثومؓ کی ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھدائی سبائی تھیں۔ یہیں دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی۔ مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے آپؐ خود بھی کام کرتے تھے۔ بھاری بھاری پتھروں کو اٹھاتے وقت جسم مبارک خم ہو جاتا

حقیقت مندا آتے اور عرض کرتے :

”ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ چھوڑ دیں ہم اٹھالیں گے۔“

آپ ان کی درخواست قبول فرماتے لیکن اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ شاعر تھے۔ وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے اور جس طرح مزدور کام کرنے کے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہیں وہ بھی اشعار پڑھتے جاتے تھے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔

قبایں آپ کا داخلہ اسلام کے دور خاص کی ابتدا ہے۔ اس لئے مؤرخین نے اس تاریخ کو زیادہ اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔ اکثر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ یہ ۸ ربیع الاول ۳۱ ہجری (مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء) تھی۔ (محمد بن) موسیٰ خوارزمی نے لکھا ہے کہ جمعات کا دن اور فارسی ماہ تیر کی چوتھی تاریخ اور رومی ماہ ایلول ۹۲۲ھ اسکندریہ کی دسویں تاریخ تھی۔

چودہ دن کے بعد جمعہ کو آپ شہر کی طرف تشریف فرما ہوئے۔ دراہ میں بنی سالم کے محلہ میں نماز کا وقت آگیا۔ جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی۔ نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی نماز جمعہ اور سب سے پہلا خطبہ نماز تھا۔ لوگوں کو جب تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو ہر طرف سے جوش مسرت میں پیش قدمی کے لئے دوڑے، آپ کے تنہالی رشتہ دار بنو نجار ہتھیار سج سج کر آئے۔ قبا سے مدینہ تک دو روپہ جاٹاروں کی صفیں تھیں۔ راہ میں انصار کے حامدان آتے تھے۔ ہر قبیلہ سامنے آکر عرض کرتا :

”محضور! یہ گھر ہے۔ یہ مال ہے۔ یہ جان ہے۔“

آپ منت کا اظہار فرماتے اور دعائے خیر دیتے۔ شہر قریب آگیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ پر وہ نشین خاتونیں چیتوں پر نکل آئیں اور گانے لگیں :-

چاند نکل آیا ہے

کوہ وداع کی گھاٹیوں سے

ہم پر خدا کا شکر واجب ہے

جب تک دُعا مانگنے والے دُعا مانگیں۔

معصوم لڑکیاں دف بجا بجا کر گاتی تھیں۔

ہم خاندانِ نجار کی لڑکیاں ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا اچھا ہمسایہ ہے

آپ نے ان لڑکیوں کی طرف مخاطب کر کے فرمایا:

”کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟“

بولیں:

”ہاں۔“

فرمایا کہ:

”میں بھی تم کو چاہتا ہوں۔“

جہاں اب مسجد نبوی ہے اس سے متصل حضرت ابوالیث انصاری کا گھر تھا کہ کوکبہ نبویؐ
یہاں پہنچا۔ سخت کشمکش تھی کہ آپؐ کی میزبانی کا شرف کس کو حاصل ہو! قرعہ ڈالا گیا اور آخر یہ وہی
حضرت ابوالیثؓ کے حصہ میں آئی۔

حضرت ابوالیثؓ کا مکان دو منزلہ تھا۔ انہوں نے بالائی منزل پیش کی لیکن آپؐ نے زائر
کی آسانی کے لئے نیچے کا حصہ پسند فرمایا۔ ابوالیثؓ دو وقتہ آپؐ کی خدمت میں کھانا بھیجتے اور آپؐ
جو چھوڑ دیتے ابوالیثؓ اور ان کی زوجہ کے حصہ میں آتا۔ کھانے میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوتا ابوالیثؓ بھی تبرکاً وہیں انگلیاں ڈالتے۔ ایک دن اتفاق سے بالائی
منزل میں پانی کا برتن ٹوٹ گیا۔ اندیشہ ہوا کہ پانی بہہ کر نیچے جاوے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو تکلیف ہو۔ گھر میں اوڑھنے کا صرف ایک لحاف تھا۔ حضرت ابوالیثؓ نے اس کو ڈال دیا کہ
پانی جذب ہو کر رہ جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مہینے تک یہیں قیام فرمایا۔ اس اثنا میں جب مسجد نبویؐ
اس پاس کے حجرے تیار ہو گئے تو آپؐ نے نقل مکان فرمایا۔ تفصیل آگے آتی ہے۔
مدینہ میں آکر آپؐ نے حضرت زیدؓ اور اپنے غلام ابورافعؓ کو دو اونٹ اور پانسو درہم
دے کر بھیجا کہ مکہ جا کر صاحبزادیوں اور حرم نبویؐ کو لے آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے

عبداللہ کو لکھا کہ وہ بھی اپنی ماں اور بہنوں کو لے کر چلے آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے صرف رقیہؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ حبش میں تھیں۔ حضرت زینبؓ کو ان کے شوہر نے آنے نہ دیا۔ زیدؓ صرف حضرت فاطمہ الزہراءؓ (اور حضرت ام کلثومؓ) اور حضرت سودہؓ (زوجہ محترم نبویؐ) کو لے کر آئے۔ حضرت عائشہؓ اپنے بھائی عبداللہ کے ساتھ آئیں۔

مسجد نبوی اور ازواجِ مطہرات

کے حجروں کی تعمیر

مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانہ خدا کی تعمیر تھی۔ اب تک یہ معمول تھا کہ مویشی خانہ میں دیا جہاں موقع ملتا تھا، آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔ دولت کدہ کے قریب خاندانِ نجار کی زمین تھی جس میں کچھ قبریں تھیں، کچھ کھجور کے درخت تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو بلا کر فرمایا:

”میں یہ زمین بہ قیمت لینا چاہتا ہوں؟
وہ بولے کہ

”ہم قیمت لیں گے لیکن آپ سے نہیں بلکہ خدا سے۔“

چونکہ اصل میں وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی آپ نے خود ان یتیموں کو بلا بھیجا۔ ان بچوں نے بھی اپنی کائنات نذر کر فی سچا ہی لیکن آپ نے گوارا نہ کیا۔ حضرت ابوالیوب نے قیمت ادا کی۔ قبریں اکھڑا کر زمین ہموار کر دی گئی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ شہنشاہِ دو عالم پھر مزدوروں کے لباس میں تھے۔ صحابہ پیچھا پھاٹھا کرتے تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ آواز ملا تے اور فرماتے:

اے خدا کا میاں بی صرف عاقبت کی کامیابی ہے

اے خدا ہا بھیرین اور انصار کو بخش دے

یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی۔ یعنی کچی اینٹوں

جس میں کبھی سالن، کبھی گھی ہوتا تھا۔ حضرت انسؓ کی ماں حضرت ام انسؓ نے اپنی جائداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما کر اپنی واپہ ام ایملہ کو دے دی اور خود فقر و فاقہ اختیار فرمایا۔

اذان کی ابتداء

اسلام کی تمام عبادات کا اصل مرکز وحدت و اجتماع ہے۔ اس وقت تک کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے باجماعت نماز کا کوئی انتظام نہ تھا۔ لوگ وقت کا اندازہ کر کے آتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہ تھا۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کر دیئے جائیں، جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلالائیں، لیکن اس میں زحمت تھی۔ صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ کسی نے کہا، نماز کے وقت مسجد پر ایک علم کھڑا کر دیا جائے۔ لوگ دیکھ دیکھ کر آتے جائیں گے۔ آپ نے یہ طریقہ ناپسند فرمایا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں اعلان نماز کے جو طریقے تھے وہ بھی آپ کی خدمت میں عرض کئے گئے لیکن آپ نے حضرت عمرؓ کی رائے پسند کی اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ اس طرح ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی اور دوسری طرف دن میں پانچ دفعہ دعوت اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا۔

۱۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنے حاشیے میں لکھا ہے کہ تمام روایات اور علماء کی تحقیقات کو سامنے رکھنے سے مسئلہ کی صحیح صورت یہ معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ایک آدمی کو بھیجا جائے جو پکار کر نماز کا اعلان کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کو پسند فرمایا اور الصلوٰۃ جامعۃ کے نقطہ سے اس کا اعلان کروایا۔ اس کے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور دوسرے صحابہؓ نے خواب کی وجہ الفاظ کے ساتھ اذان کو سنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منہایت سمجھ کر قبول فرمایا اور اذان کے مطابق اذان مردوبہ جاری نہ مانی گئی۔ (لاحظہ ہو میرت النبی ص ۱۰۱)۔ (مرتب)

مواخاۃ

مہاجرین مکہ معظمہ سے بالکل بے سرو سامان آئے تھے۔ گوان میں دولت مند اور خوشحال تھے لیکن کافروں سے چھپ کر نکلے تھے اس لئے کچھ ساتھ نہ لاسکے تھے۔

اگرچہ مہاجرین کے لئے انصار کا گھر مہمان خانہ عام تھا تاہم ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی۔ مہاجرین نذر اور خیرات پر بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ دست و بازو سے کام لینے کو گرتے تھے۔ تاہم چونکہ بالکل ناگھر سے تھے اور ایک جگہ تک پاس نہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ انصار اور ان میں رشتہ اخوت قائم کر دیا جائے۔ جب مسجد کی تعمیر ہوئی تو آپ نے انصار کو طلب فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ مالک جو اس وقت وہ سالہ تھے ان کے مکان میں لوگ جمع ہوئے۔ مہاجرین کی تعداد پینتالیس تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف خطاب کر کے فرمایا:

”یہ تمہارے بھائی ہیں۔“

پھر مہاجرین اور انصار میں سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے تھے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو اور اب وہ درحقیقت بھائی بھائی تھے۔ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ دے دیا کہ ادھا آپ کا اور ادھا ہمارا ہے۔ سعد بن الربیع جو عبدالرحمن بن عوف کے بھائی قرار پائے۔ ان کی دو بیویاں تھیں۔ عبدالرحمن نے کہا کہ ایک کو میں طلاق دیتا ہوں آپ اس سے نکاح کر لیجئے لیکن انہوں نے احسانندی کے ساتھ انکار کر دیا۔

انصار کا مال و دولت جو کچھ تھا نخلستان تھے۔ روپے پیسے تو اس زمانے میں تھے نہیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یہ باغ ہمارے بھائیوں میں برابر تقسیم کر دیں۔

دیئے جائیں۔ مہاجرین تجارت پیشہ تھے اور اس وجہ سے کھیتی کے فن سے بالکل نا آشنا تھے۔
اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف سے انکار کر دیا۔ انصار نے کہا سب کا رُبار
ہم خود انجام دے لیں گے، جو کچھ پیداوار ہوگی اس میں نصف حصہ مہاجرین کا ہوگا۔ مہاجرین نے
اس کو منظور کیا۔

یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بن گیا۔ کوئی انصاری مرتا تھا تو اُس کی سہاؤ اور مال مہاجر کو ملتا
تھا اور بھائی بند محروم رہتے۔ جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ
آیت اتری:

وَأُولَٰئِكَ حَامِلُ بَعْضُهُمْ أَوْْلِيَّ
بَعْضٍ (انفال - ۱۰)

اربابِ قرابت ایک دوسرے سے
زیادہ حقدار ہیں۔

اس وقت سے یہ قاعدہ جاری رہا۔

سکہ میں بنو نضیر جب سبلا وطن ہوئے اور ان کی زمین اور نخلستان جب قبضہ میں آئے تو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ:
”مہاجرین نادار ہیں۔ اگر تمہاری مرضی ہو تو نئے مقبوضات تنہا ان کو دے دیئے جائیں اور
تم اپنے نخلستان واپس لے لو۔
انصار نے عرض کی کہ:

”مہاجرین! ہمارے نخلستان بھائیوں ہی کے قبضے میں رہنے دیجئے اور نئے بھی ان ہی کو
عنایت فرمائیے۔“

دنیا انصار کے اس اُتار پر ہمیشہ ناز کرے گی۔ لیکن یہ بھی دیکھو کہ مہاجرین نے کیا کیا؟
حضرت سعد بن الربیع نے جب حضرت عبدالرحمن بن عوف کو ایک ایک چیز کا جائزہ دے کر
نصف لے لینے کی درخواست کی تو انہوں نے کہا:

”خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے۔ مجھ کو صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے۔“

انہوں نے کچھ گھی کچھ پیس خرید اور شام تک خرید و فروخت کی۔ چند روز میں اتنا سرمایہ
ہو گیا کہ شادی کر لی۔ رفتہ رفتہ ان کی تجارت کو یہ ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول تھا کہ خاک پر ہاتھ

ڈالتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے۔ ان کا اسباب تجارت سو سوا ونٹوں پر لہ کر آتا تھا اور جس مدینہ پہنچتا تمام شہر میں دھوم مچ جاتی۔

بعض صحابہؓ نے دکانیں کھول لیں۔ حضرت ابو بکرؓ کا کارخانہ مقام سنخ میں تھا جہاں وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ بن عفینقاع کے بازار میں کھجور کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی تجارت میں مشغول ہو گئے تھے اور شاید ان کی اس تجارت کی وسعت ایران تک پہنچ گئی تھی۔ اور صحابہؓ نے بھی اسی قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ پر لوگوں نے جب کثرت روایت کی بنا پر اعتراض کیا کہ ان صحابہؓ تو اس قدر روایت نہیں کرتے تو انہوں نے کہا:

”اس میں میرا کیا قصور ہے۔ اور لوگ بازار میں تجارت کرتے تھے اور میں رات دن بارگاہ نبوتؐ میں حاضر رہتا تھا۔“

پھر جب خیبر فتح ہوا تو تمام مہاجرین نے یہ نخلستان انصار کو واپس کر دیئے۔

مہاجرین کے لئے مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھروں کے آگے پاس جو افتادہ زمینیں تھیں ان کو دے دیں اور جن کے پاس زمین نہ تھی انہوں نے اپنے مسکنہ مکانات دے دیئے۔ سب سے پہلے حضرت عمارؓ بن نعمان نے اپنی زمین پیش کی۔ بنو ہرہ مسجد نبویؐ کے عقب میں آباد ہوئے۔ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے یہاں ایک قلعہ جس کو گڑھی کہنا زیادہ موزوں ہوگا، بنوایا۔ حضرت زبیرؓ بن العوام کو ایک وسیع زمین ملے آئی۔ حضرت عثمانؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت عبیدؓ کو انصار نے اپنے مکانات کے پہلو میں زمینیں دیں۔

مواخاۃ کے رشتہ سے جو لوگ آپس میں بھائی بھائی بنے ان میں سے بعض حضرات کے نام یہ ہیں :-

مہاجرین

حضرت ابو بکرؓ

حضرت عمرؓ

حضرت عثمانؓ

انصار

حضرت خادجہؓ بن زید انصاری

حضرت عتبہؓ بن مالک انصاری

حضرت اوسؓ بن ثابت انصاری

حضرت سعد بن معاذ انصاری

حضرت سلامه بن قیس

حضرت ابوالیوب انصاری

حضرت خدیجه بن یمان

حضرت منذر بن عمرو

حضرت ابودرداء

حضرت ابوردیجہ

حضرت عباد بن بشر

حضرت ابی بن کعب

حضرت ابو عبیدہ جراح

حضرت زبیر بن العوام

حضرت مصعب بن عمیر

حضرت عمار بن یاسر

حضرت ابودر غفاری

حضرت سلمان فارسی

حضرت بلال

حضرت ابو خدیجہ بن عتبہ بن ربیعہ

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل

صُفہ اور اصحابِ صُفہ

اصحابِ صُفہ اسلامی لغت کا ایک متداول لفظ ہے۔ گو اس کی حقیقت سے لوگ اچھی طرح واقف نہیں۔ صُفہ سائبان کو کہتے ہیں۔ یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبویؐ کے اباب کنارے پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا۔ صحابہ میں اکثر تو مشاغلِ دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت وغیرہ بھی کرتے تھے لیکن چند لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت پذیری پر صرف کر دی تھی۔ ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تو اپنی حلقہ سے نکل آتے تھے۔ ان میں ایک ٹولی دن کو جھگل سے لکڑیاں چین کر لاتی اور بیچ کر اے بھائیوں کے لئے کھانا مہیا کرتی۔

یہ لوگ دن کو بارگاہِ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کو اسی حیوٰتِ صُفہ پر پڑھتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی انہی لوگوں میں تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہہ، دونوں چیزیں کبھی ایک ساتھ مہیا نہ ہو سکیں۔ چادر کو گلے سے اسی طرح باندھ لیتے کہ راتوں تک ٹھک آتی۔ اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ لاتے اور چھت میں لگا دیتے۔ کھجوریں جو ٹپک ٹپک کر گرتیں، یہ اٹھا کر کھا لیتے۔ کبھی دو دو دن کھانے کو نہیں ملتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے۔ یہ لوگ اگر شریک نماز ہوتے لیکن جھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے۔ باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے، تو سمجھتے کہ دیوانے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو مسلم ان کے پاس بھیج دیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلا لیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مہاجرین اور

انصار پر تقسیم کر دیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دود کو اپنے ساتھ لے جائے اور ان کو کھانا کھلائے۔

حضرت سعد بن عبادہ نہایت فیاض اور دولت مند تھے۔ وہ کبھی کبھی اسی اسی مہمانوں کو اپنے ساتھ لے کر جاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ جب ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ زہراؑ نے درخواست کی کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہیں مجھ کو ایک کینز عنایت ہو تو فرمایا کہ ”یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور صفحہ والے بھوکے رہیں۔“

راتوں کو عموماً یہ لوگ عبادت کرتے اور قرآن مجید پڑھا کرتے۔ ان کے لئے ایک معلم مقرر تھا۔ اس کے پاس جا کر پڑھتے۔ اس بنا پر ان میں سے اکثر قاری کہلاتے تھے۔ دعوتِ اسلام کے لئے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے تھے۔ عزوہ معونہ میں ان ہی میں سے ستر آدمی اسلام سکھلانے کے لئے بھیجے گئے تھے۔

ان کی تعداد گھٹتی اور بڑھتی رہتی تھی۔ کل مجموعی تعداد چار سو تک پہنچی تھی لیکن کبھی ایک زمانہ میں اس قدر تعداد نہیں ہوئی تھی، نہ صفحہ میں اس قدر گنجائش تھی۔

مدینہ کے یہود اور ان سے معاہدہ

(مؤرخین عرب کا بیان ہے کہ مدینہ کے یہود نسلاً یہودی تھے اور اس تقریب سے عرب میں آئے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو علاقہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن تاریخی قرائن سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ یہود گو تمام دنیا میں پھیلے لیکن انہوں نے اپنے نام کہیں نہیں بدلے۔ آج بھی وہ جہاں ہیں اسرائیلی نام رکھتے ہیں بخلاف اس کے عرب کے یہودیوں کے نام نصیر، قینقار، سریب، سارث وغیرہ ہوتے تھے جو خالص عربی نام ہیں۔ یہود عموماً بزدل اور ذی الطبع ہوتے ہیں بخلاف اس کے مدینہ کے یہود نہایت دلیر، فوج اور بہادر تھے۔ ان قرائن عقلی کے علاوہ ایک بڑے مؤرخ (یعقوبی) نے صاف تصریح کی ہے کہ قریطہ اور نصیر عرب تھے جو یہودی بن گئے تھے۔

مؤرخ مسعودی نے بھی کتاب الاشراف والتنبیہ میں ایک اور روایت لکھی ہے کہ "یہ جذام کے قبیلہ سے تھے۔ کسی زمانہ میں اعمالقہ سے اور ان کی بت پرستی سے بیزار ہو کر حضرت موسیٰ پر ایمان لائے اور شام سے نقل مکان کر کے حجاز چلے آئے۔" یہ قبیلے تھے۔ بنو قینقار، بنو نصیر اور قریطہ۔ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے اور انہوں نے مضبوط بھج اور قلعے بنائے تھے۔

انصار کے جو دو قبیلے تھے یعنی اوس اور خزرج ان میں باہم جو اخیر معرکہ ہوا تھا جنگ بعات میں اُس نے انصار کا روز با لکل توڑ دیا تھا۔ یہود اس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ انصار باہم منہم نہ ہوں۔

ان ایاب کی بنا پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو پہلا کام یہ تھا

کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں۔ آپؐ نے انصار اور یہود کو بلا کر حسب ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونوں فریق نے منظور کیا۔ یہ معاہدہ ابن ہشام میں پورا مذکور ہے۔ خلاصہ یہ ہے :-

- ۱۔ خوں بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا ہے اب بھی قائم رہے گا۔
- ۲۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔
- ۳۔ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔
- ۴۔ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔
- ۵۔ کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔
- ۶۔ مدینہ پر حملہ ہوگا تو دونوں فریق شریک یک دیگر ہوں گے۔
- ۷۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

واقعات منفردہ

اس سال انصار میں سے دو نہایت معزز شخصوں نے جو مقبرین خاص میں تھے وفات پائی حضرت کلثومؓ بن ہدم اور حضرت اسعد بن زرارہ۔ کلثومؓ وہ شخص ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قبائیں تشریف لائے تو ان ہی کے مکان میں ٹھہرے۔ اکثر بڑے بڑے صحابہؓ بھی ان ہی کے گھر انڑے تھے۔ حضرت اسعد بن زرارہؓ ان چھ شخصوں میں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مکہ میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ابن سعد کی روایت کے موافق ان چھ شخصوں میں جس نے سب سے پہلے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا وہی اسعدؓ تھے۔ یہ فخر بھی ان ہی کو حاصل ہے کہ سب سے پہلے ان ہی نے مدینہ میں آکر جمعہ کی نماز قائم کی۔

چونکہ یہ قبیلہ بنی نجار کے نقیب تھے اس لئے ان کی وفات کے بعد اس قبیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کی بجائے کوئی شخص اس منصب پر مقرر کیا جائے۔ چونکہ یہ احتمال تھا کہ کوئی شخص مقرر ہوگا تو اوروں کو رشک ہوگا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

”میں خود تمہارا نقیب ہوں۔“

چونکہ آپ کی نہال اسی قبیلہ میں تھی اسی لئے اور قبائل کو رشک اور منافست کا موقع نہ تھا۔
حضرت اسعد کی وفات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت صدمہ ہوا۔ منافقین اور یہود نے
یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ

”محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر پیغمبر ہوتے تو ان کو یہ صدمہ کیوں پہنچتا؟“
آپ نے سنا تو فرمایا:

”میں اپنے لئے اور اپنے ساتھیوں کے لئے خدا کے ہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا۔“

یہ عجیب اتفاق ہے کہ عین اسی زمانہ میں دو بڑے رئیسین کفر نے بھی وفات پائی۔ یعنی
ولید بن المغیرہ جو حضرت خالد بن ولید کا باپ تھا اور عامر بن وائل سہمی جس کے بیٹے حضرت عمرو بن عامر
ہیں، جو فاتح مصر اور حضرت امیر معاویہ کے وزیر اعظم تھے۔

اسی زمانہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ولادت ہوئی۔ ان کے والد حضرت زبیرؓ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی تھے اور ان کی والدہ (حضرت اسماءؓ) حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی
اور حضرت عائشہؓ کی بے مات بہن تھیں۔ اب تک مہاجرین میں سے کسی کے اولاد نہیں ہوئی تھی اس
لئے یہ مشہور ہو گیا تھا کہ یہودیوں نے جادو کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے، تو
مہاجرین نے خوشی سے نعرہ مارا۔

اب تک نمازوں میں صرف دو رکعتیں تھیں۔ اب ظہر و عصر و عشاء میں چار چار ہو گئیں لیکن سفر کے
لئے اب بھی وہی دو رکعتیں قائم رہیں۔

تخیل قبلہ اور آغاز غزوات
۲۰

توریل قبله ————— شعبان ۱۲۸۵
مسند مغزوات —————

تحويل قبلہ

شعبان ۱۲۰۰ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں تھے دو ضرورتیں ایک ساتھ درپیش تھیں۔ مدتِ ابراہیم کی تائیس و تجدید کے لحاظ سے کعبہ کی طرف رخ کرنے کی ضرورت تھی لیکن یہ مشکل تھی کہ قبلہ کی جو اصلی عرض ہے یعنی امتیاز اور اختصاص، وہ نہیں حاصل ہوتی تھی۔ کیونکہ مشرکین اور کفار بھی کعبہ ہی کو اپنا قبلہ سمجھتے تھے۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ ابراہیم کے سامنے نماز ادا کرتے تھے جس کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا۔ اس طرح دونوں قبلے سامنے آجاتے تھے۔ مدینہ میں دو گروہ آباد تھے مشرکین جن کا قبلہ کعبہ تھا اور اہل کتاب جو بیت المقدس کی سمت نماز ادا کرتے تھے۔ شرک کے مقابلہ میں یہودیت اور نصرانیت دونوں کو ترجیح تھی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مدت یعنی (سولہ) مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی۔ لیکن جب مدینہ میں اسلام زیادہ پھیل گیا، ثواب کوئی ضرورت نہ تھی کہ اصل قبلہ چھوڑ کر دوسری طرف رخ کیا جاتا۔ اس بنا پر یہ آیت اتری اور دفعۃً قبلہ بدل گیا۔

قُولِي وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ
شَطْرَهُ۔ (بقرہ - ۱۸)

تحويل قبلہ نے یہودیوں کو سخت برہم کر دیا۔ ان کو مشرکین کے مقابلہ میں مذہبی تفوق کا دعویٰ تھا اور اسلام سے پہلے مشرکین بھی ان کے مذہبی امتیاز کے معترف تھے۔ یہاں تک کہ جیسا البوداؤد میں روایت ہے، جن لوگوں کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی وہ منتیں مانتے تھے کہ بچہ زندہ

رہے گا تو ہم اسے یہودی بنائیں گے۔ اسلام نے ان کے اس مذہبی اعزاز کو صدمہ پہنچایا تا
 اب تک اسلام کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا اس لئے وہ فخر کرتے تھے کہ اسلام بھی ان ہی کے
 قبلہ کی طرف رخ کرتا ہے۔ جب اسلام نے قبلہ بھی بدل دیا تو ان کی ناراضی اور برہمی کا پیالہ بالکل
 بریز ہو گیا۔ انہوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، چونکہ ہر بات میں ہماری مخالفت
 کرنا چاہتے ہیں اس لئے قبلہ بھی مخالفت کے ارادہ سے بدل دیا ہے۔ دو دے اور ضعیف
 الایمان مسلمانوں کو یہ بات کھٹکتی تھی کہ قبلہ بدلنے کی چیز نہیں اور اس سے بے استغالی اور نزلزل
 اعتقاد کا اظہار ہوتا ہے۔ اس بنا پر قبلہ کی اصلیت اور ضرورت اور تحویل قبلہ کے مصالح کے
 متعلق چند آیتیں انہیں بن سے یہ مشکلیں حل ہوتی ہیں۔

ان آیتوں میں خدا نے پہلے یہ بتایا کہ قبلہ خود کوئی مقصود بالذات چیز نہیں۔ خدا کی عبادت
 کے لئے پورے پچھم سب برابر ہیں۔ خدا ہر جگہ ہے، ہر سمت ہے، ہر طرف ہے۔ پھر قبلہ کی تعیین
 کی ضرورت بتائی کہ وہ اختصاصی شعار ہے اور اصلی اور عائلی مسلمانوں کو الگ کر دیتا ہے۔ بہر
 سے یہودی تھے جو منافقانہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ نماز میں بھی شرکت
 کرتے تھے۔ یہ اسلام کے لئے ماراٹین تھے لیکن جب قبلہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ سے
 بدل گیا تو نفاق کا راز بالکل فاش ہو گیا۔ کوئی یہودی کسی طرح یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ جو چیز اس
 کی قومیت، مذہب بلکہ اس کی ہستی کی بنیاد ہے (یعنی بیت المقدس) اسی سے اس کا رشتہ ٹوٹ
 جائے۔ پھر دوبارہ خدا نے اس نکتہ کو زیادہ واضح کر دیا کہ کسی خاص قبلہ کی طرف رخ کرنا اصلی ثواب
 نہیں بلکہ ثواب درحقیقت ایمان اور اعمال صالحہ کا نام ہے۔

سلسلہ غزوات

عام خیال یہ ہے کہ اسلام جب تک مکہ میں تھا مصائب گوناگوں کا آماجگاہ تھا۔ مدینہ میں آکر اُس کی کلفتیں دور ہوئیں۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں۔ مکہ میں جو مصیبت تھی گو سخت تھی لیکن تنہا اور منفرد تھی، مدینہ میں آکر وہ متعدد اور گوناگوں بن گئی۔ مکہ کل ایک قوم تھا، مدینہ میں انصار کے ساتھ یہود بھی تھے جو عادات، خصائل، مذہب اور دیانت میں انصار سے بالکل مختلف اور ان کے حریف مقابل تھے۔ اس پر ایک تیسری قسم (منافقین) کا اضافہ ہوا جو مارا آئین ہونے کی وجہ سے دونوں سے زیادہ خطرناک تھے۔ مکہ اگر قابو میں آجاتا تو حرم کی وسعت اثر کی وجہ سے تمام عرب کی گردنیں خم ہو جاتیں۔ لیکن مدینہ کا اثر چار دیواری تک محدود تھا۔ مدینہ اب تک بیرونی خطرات سے بالکل مطمئن تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامگاہ ہونے نے اس کو قریش کے غیظ و غضب کا تاراج گاہ بنا دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے چلے آئے تو چند ہی روز کے بعد قریش نے عبداللہ ابن ابی کو، جو واقعہ ہجرت کے قبل رئیس الانصار تھا اور انصار نے اُس کی تاجپوشی کی شانہ رسم ادا کرنے کے لئے تیاری کر لی تھی، خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے :-

”تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ماں پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔“

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ عبد اللہ کے پاس تشریف لے

گئے۔ اس کو سمجھایا کہ :

”کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے؟“

چونکہ انصار اکثر مسلمان ہو چکے تھے اس لئے محمد اللہ اس نکتے کو سمجھا اور قریش کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا۔ بدر کے بعد قریش نے پھر اسی مضمون کا خط لکھا۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

تاہم قریش کی شہ سے منافقین اور یہود مدینہ کا سر پھر چکا تھا۔ اسی زمانے میں یعنی بدر سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو الحارث بن خزرج کے محلہ میں سوار ہو کر تشریف لے گئے۔ ایک سگہ مشرکین و منافقین مدینہ، یہود اور بعض مسلمان بیٹھے تھے۔ گدھے کے چلنے سے گرد اڑی تو عبداللہ بن ابی نے منہ پر کپڑا ڈال دیا اور حقارت سے بولا:

”گرد نہ اڑاؤ۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع کو سلام کیا اور کچھ قرآن کی آیتیں سنائیں۔ عجب اللہ

نے کہا:

”اے شخص! مجھ کو یہ پسند نہیں۔ اگر تمہاری بات سچ بھی ہو تو ہماری مجلس میں آکر ہم کو نہ ستا یا کرو۔ جو تمہارے پاس جائے اس سے بیان کیا کرو۔“

مسلمان اس تحقیر سے برا فروخت ہو گئے اور قریب تھا کہ کشت و خون ہو جائے۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ٹھنڈا کیا۔

اسی زمانہ کے قریب حضرت سعد بن معاذ جو قبیلہ اوس کے رئیس الاعظم تھے عمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے۔ امیہ بن خلف سے اور ان سے مدت کا یارانہ تھا اور یہ تعلق اسلام کے بعد بھی قائم رہا۔ اس تعلق سے حضرت سعد اب بھی امیہ ہی کے جہان ہوئے۔ ایک دن وہ امیہ کو لے کر کعبہ کے طواف کو نکلے۔ اتفاق سے ابو جہل سامنے سے آگیا۔ امیہ سے اس نے پوچھا کہ:

”یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟“

امیہ نے کہا:

”سعد ہیں۔“

ابو جہل نے کہا:

”تم لوگوں نے صحابیوں (کفار) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام کو صحابی یعنی مرتد کہتے تھے) کو پناہ دی ہے۔ میں کبھی یہ نہیں دیکھ سکتا کہ تم کعبہ میں آسکو۔ خدا کی قسم اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو بیچ کر واپس نہیں جا سکتے تھے۔“

حضرت سعدؓ نے کہا،

”اگر تم نے ہم کو حج سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ روک دیں گے (یعنی شام کی تجارت

کا راستہ)“

حرم کی تولیت اور مجاورت کی وجہ سے تمام عرب قریش کا احترام کرتا تھا اور مکہ سے مدینہ تک جو قبائل پھیلے ہوئے تھے سب قریش کے زیر اثر تھے۔ اس بنا پر قریش نے تمام قبائل کو اسلام کا مخالف بنا دیا۔ ہجرت کے چھٹے سال تک یمن وغیرہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں پہنچ سکتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے میں جب بحرین سے عبدالقیس کی سفارت آئی تو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ مضر کے قبائل ہم کو آپ تک پہنچنے نہیں دیتے۔ اس لیے ہمہایم حج میں جب کہ لڑائی عموماً موقوف ہو جاتی ہے آپ کی خدمت میں آ سکتے ہیں۔

قریش نے ان ہی باتوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جیسا کہ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا اس کی تیاریاں کر رہے تھے کہ مدینہ پر حملہ کر کے اسلام کا استیصال کر دیں۔ مدت تک یہ حال رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے۔ صبح نسائی میں ہے:-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول جب مدینہ میں آئے تو راتوں کو جاگا کرتے تھے:

صبح بخاری باب الجہاد میں ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ:

”آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دینا۔“

چنانچہ حضرت سعدؓ وقاصؓ نے ہتھیار لگا کر رات بھر پہرہ دیا۔ تب آپؐ نے آرام فرمایا۔ اس سے بڑھ کر حاکم کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے اور انصار نے ان کو پناہ دی، تو تمام عرب ایک ساتھ ان سے لڑنے کو ہار ہو گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم صبح تک ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔“

مواہب لدنیہ اور زرقانی میں لکھا ہے کہ غزوہ نے ۱۲ صفر ۱۱ھ میں جہاد کی اجازت دی
اس کی سند میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے :

پہلی آیت جو قتال کی اجازت میں نازل ہوئی وہ یہ ہے ۔ اُوْتِیَ النَّبِیُّ — النِّصْرُ
یعنی جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی
جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا جا رہا ہے اور خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے ۔
تفسیر ابن جریر میں ہے کہ قتال کے متعلق سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے ۔
وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ
اور خدا کی راہ میں ان کو لڑنے سے لڑو
يُقَاتِلُوْكُمْ ۔
جو تم سے لڑتے ہیں ۔ (البقرہ - ۱۹۴)

بہر حال واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا کام حفاظت
خود اختیاری کی تدبیر تھی ۔ نہ صرف اپنی اور مہاجرین کی بلکہ انصار کی بھی ۔ کیونکہ اس جرم میں کہ انصار
نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے قریش نے مدینہ کی بربادی کا فیصلہ کر لیا اور اپنے تمام قبائل متحدہ
میں یہ آگ بھڑکا دی تھی ۔ اس بنا پر آپ نے دو تدبیریں اختیار کیں ۔ اول یہ کہ قریش کی شاہی تجارت
جوان کا مایہ غزوہ تھی بند کر دی جائے تاکہ وہ صلح پر مجبور ہو جائیں اور یاد ہو گا کہ حضرت سعد بن
معاذ نے مکہ میں ابو جہل کو اسی کی دھمکی دی تھی ۔ دوسرے یہ کہ مدینہ کے قرب و جوار کے جو قبائل
ہیں ان سے امن و امان کا معاہدہ ہو جائے ۔

بدلے سے پہلے جو مہمیں بھیجی گئیں

غرض ان حالات کی بنا پر غزوہ بدر سے پہلے سو سو پچاس پچاس کی ٹکڑیاں مکہ کی طرف روانہ
کی جانے لگیں ۔ ابواء کی مہم سے پہلے بذات خاص آپ نے کسی مہم میں شرکت نہیں کی ۔ اس ابواء کی
مہم سے پہلے جو صفر ۱۱ھ میں واقع ہوئی اور جس میں آپ نے خود شرکت فرمائی تھی ، ارباب سیر
نے تین مہموں کا ذکر کیا ہے جن کو ان کی زبان میں سر یہ کہتے ہیں ۔ سر یہ حمزہ ، سر یہ عبیدہ بن حارث
سر یہ سعد بن ابی وقاص ۔ لیکن ان میں سے کسی مہم میں کوئی کشت و خون نہیں ہوا ۔ یا بیع بجاؤ ہو گیا
یا بیع کر نکل گئے ۔ ارباب سیر نے سراپا کا مقصد یہ بتایا ہے کہ یہ قریش کے تجارتی قافلہ کو چھڑنے

کے لئے بھیجے جاتے تھے یعنی حضرت سعدؓ کی تہدید کے مطابق ان کی شاقی تجارت کو بند کرنا مقصود تھا
 جہینہ (معاہدوں کے لئے مہم)

اطراف کے جن قبائل کے پاس معاہدہ کے لئے مہم بھیجی گئی ان میں سب سے پہلے جہینہ کا
 قبیلہ ہے۔ جہینہ کا قبیلہ مدینہ سے تین منزل پر آباد تھا اور ان کا کوہستان دوتہک پھیلا ہوا تھا۔ ان
 سے معاہدہ ہوا کہ وہ فریقین سے یکساں تعلقات رکھیں گے یعنی دونوں سے الگ رہیں گے۔

صفر ۲ء میں آپؐ ساٹھ مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور ابواتہک گئے جس
 کے قریب ہی غزوۃ ابوا یا غزوہ ودان واقع ہوا اور جہاں آپؐ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے۔ ابوا
 کا صدر مقام فرع ہے جو ایک وسیع قصبہ ہے اور جہاں قبیلہ مزنیہ آباد ہے۔ اور جو مدینہ سے
 تقریباً آٹھ منزل (اسی میل) ہے۔ یہ مدینہ کی اخیر سرحد ہے۔ ان اطراف میں قبیلہ بنو ضمرہ آباد
 تھا اور یہ نواح ان کی حدود حکومت میں داخل تھے۔ یہاں آپؐ نے چند روز قیام کر کے بنو ضمرہ
 سے معاہدہ کیا جن کا سردار مخشی بن عمرو ضمری تھا۔ معاہدہ کے یہ الفاظ تھے:-

”یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر ہے بنو ضمرہ کے لئے۔ ان لوگوں کا جان و
 مال محفوظ رہے گا اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی
 جائے گی۔ بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں لڑیں اور پیغمبر
 جب ان کو مدد کے لئے بلائیں گے تو یہ مدد کو آمیں گے۔“

تمام محدثین مغازی کی ابتدا اسی واقعہ سے کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں بھی اسی کو اول الغزوات قرار
 دیا ہے۔

قریباً ایک جہینہ کے بعد کرز بن جابر فہری نے جو مکہ کے رؤساء میں تھا، مدینہ کی چوگاہ پر
 حملہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی لوٹ لئے۔ اس کا تعاقب کیا گیا لیکن وہ پناہ
 کر نکل گیا۔ (کرز بعد کو مسلمان ہوئے اور فتح مکہ میں متہارہ چلتے شہید ہوئے)

جمادی الثانی یعنی اس واقعہ کے تیسرے جہینہ آپؐ دس مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے
 نکلے اور مقام ذوالعشیرہ پہنچ کر بنو مدلیج سے معاہدہ کیا۔ یہ مقام مدینہ سے نو منزل جنوب کے

نواح میں ہے۔

بنو مدلج بنو ضمرہ کے حلیف تھے۔ اور کیونکہ بنو ضمرہ پہلے اسلام کے معاہدہ میں داخل ہو چکے تھے اس لئے انہوں نے آسانی سے یہ شرطیں منظور کر لیں۔

چند روز کے بعد یعنی رجب ستم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن عباس کو بارہ آدمیوں کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا۔ یہ مقام مکہ اور طائف کے بیچ میں مکہ سے ایک شبانہ روز کی مسافت پر ہے۔ آپ نے حضرت عبداللہ کو ایک خط لے کر فرمایا کہ دو دن کے بعد اس کو کھولنا۔ حضرت عبداللہ نے خط کھولا تو لکھا تھا کہ:

”مقام نخلہ میں قیام کرو اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ اور اطلاع دو۔“

اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی جو شام سے تجارت کا مال لے آتے تھے، سامنے سے نکلے۔ حضرت عبداللہ نے ان پر حملہ کیا۔ ان میں سے ایک شخص عمرو بن الحضرمی مارا گیا۔ دو گرفتار ہوئے اور مال غنیمت لے آئے۔ حضرت عبداللہ نے مدینہ میں آکر یہ واقعہ بیان کیا اور غنیمت کی چیزیں پیش کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

”میں نے تم کو یہ اجازت نہیں دی تھی۔“

غنیمت کے قبول کرنے سے بھی آپ نے انکار فرمایا۔ صحابہؓ نے حضرت عبداللہؓ سے نہایت برہم ہو کر کہا:

”تم نے وہ کام کیا (قافلہ لوٹنا) جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا اور ماہ حرام میں لڑے حالانکہ اس مہینہ میں تم کو لڑنے کا حکم نہ تھا۔“

جو لوگ گرفتار اور قتل ہوئے وہ بڑے معزز خاندان کے لوگ تھے۔ عمرو بن الحضرمی جو مقتول ہوا، عبداللہ حضرمی کا بیٹا تھا جو حرب بن امیہ (امیر معاویہؓ کے دادا) کا حلیف تھا۔ حرب قریش کا رئیس اعظم تھا اور عبدالمطلب کے بعد ریاست عام اسی کو حاصل ہوئی تھی۔ جو لوگ گرفتار ہوئے یعنی عثمان و نوفل دونوں مغیرہ کے پوتے تھے۔ مغیرہ ولید کا باپ جو حضرت خاتمہ کا دادا اور حرب کے بعد دوسرے درجہ کا رئیس تھا۔ اس بنا پر اس واقعہ نے تمام قریش کو مشتعل کر دیا اور شمار یعنی انتقام بخون کی بنیاد قائم ہو گئی۔ معرکہ بدر کا سلسلہ اسی واقعہ سے وابستہ ہے۔

غزوة بدر

غزوة سوبق ————— ذی الحجۃ

حضرت فاطمہؑ کی شادی ————— ذی الحجۃ

وَلَقَدْ نَعَّكَمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ

فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ ط

رمضان ۲ھ

بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں سال کے سال میلہ لگتا ہے۔ یہ مقام اس نقطہ کے قریب جہاں شام سے مدینہ جانے کا راستہ دشوار گزار گھاٹیوں میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ مدینہ روہ سے قریب اتنی میل کے فاصلہ پر ہے۔

حملہ کے لئے سب سے بڑی ضروری چیز مصارف جنگ کا بندوبست تھا۔ اس لئے کے موسم میں قریش کا جو کاروان تجارت شام کو روانہ ہوا اس سرسما مان سے روانہ ہوا مکہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی کل کی کل دے دی۔

نہ صرف مرد بلکہ عورتیں جو کاروبار تجارت میں بہت کم حصہ لیتی ہیں، ان کا بھی ایک ایک اس میں شریک تھا۔ قافلہ ابھی شام سے روانہ نہیں ہوا تھا کہ حضرمی کے قتل کا اتفاق یہ واقعہ آگیا جس نے قریش کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا۔

اسی اثنا میں یہ غلط خبر مکہ معظمہ میں پھیل گئی کہ مسلمان قافلہ کے لوٹنے کو آرہے ہیں۔ قریش کے غیظ و غضب کا بادل بڑے زور شور سے اٹھا اور تمام عرب پر چھا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہؓ کو جمع کیا

اور واقعہ کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ وغیرہ نے باشارتہ تقریریں کیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی طرف دیکھتے تھے کیونکہ انصار نے بیعت کے وقت صرف یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اس تلوار اٹھائیں گے جب دشمن مدینہ پر چڑھ آئیں۔ حضرت سعد بن عبادہ (سرور خندرج) نے ان کو کہا:

”کیا حضورؐ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ خدا کی قسم! آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ بخاری میں ہے کہ حضرت مقدادؓ نے کہا: ”ہم مہمائی کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خلیفہ جا کر لڑیں۔ ہم لوگ آپ کے اچھٹے سے، بائیں سے، سامنے سے، پیچھے سے لڑیں گے۔“ ان کی اس تقریر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمک اٹھا۔

غرض ۱۲۔ رمضان ۳۱ھ کو آپ تقریباً تین سو جاثاروں کے ساتھ شہر سے نکلے۔ ایک چل کر فوج کا جائزہ لیا۔ جو کم عمر تھے واپس کر دیئے گئے کہ ایسے پرخطر موقع پر بچوں کا کام نہیں۔ عمر بن وقاص ایک کسں بچے تھے۔ جب ان سے واپسی کا کہا گیا تو روپڑے آخر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ عمر کے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص نے کس سپاہی کے گلے میں تلوار حائل کی۔ اب فوج کی کل تعداد ۳۱۳ تھی جس میں ساتھ مہاجر اور باقی انھیں تھے۔ چونکہ غیبت کی حالت میں منافقین اور یہود کی طرف سے اطمینان نہ تھا اس لئے ابوالہجج بن عبدالمنذر کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ ان انتظامات کے بعد آپ بدر کی طرف بڑھے، جہاں سے اہل مکہ کی آمد کی خبر تھی۔ دو خبر رساں بسبب اور عدی اگے روانہ کر دیئے گئے تھے کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائیں۔ روسا، منصور، ذات ابدال، معلاقہ، اشیل سے گزرنا ہوئے، اور رمضان کو بدر کے قریب پہنچے۔ خبر رساؤں نے خبر دی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک آگئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہیں رک گئے اور فوجیں اتر پڑیں۔

مکہ معظمہ سے قریش ہڑنے ساز و سامان سے نکلے تھے۔ ہزار آدمی کی جمعیت تھی۔ سواروں کا کھڑا سالہ تھا۔ روسائے قریش سب شریک تھے۔ ابولہب مجبوری کی وجہ سے نہ آ سکا تھا۔ اس جیسے اپنی طرف سے اس نے قائم مقام بھیج دیا تھا۔ رسد کار نظام تھا کام

قریش یعنی عباس (بن مطلب) عتبہ بن ربیعہ، عمارت بن عامر، نضر بن الحارث، ابو جہل، امیہ وغیرہ
 ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے اور لوگوں کو کھلاتے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا
 سب سے معزز رئیس تھا فوج کا سپہ سالار تھا۔

قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے، انہوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ بخلاف
 ان کے مسلمانوں کی طرف چشمہ یا کنواں تک نہ تھا۔ زمین ایسی ریتی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں ریتی میں
 گھس دھنس جاتے تھے۔ حضرت حباب بن منذر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا،
 ”جو مقام انتخاب کیا گیا ہے وحی کی رو سے ہے یا فوجی تدبیر ہے؟“

ارشاد ہوا:

”وحی نہیں ہے۔“

حضرت حباب نے کہا:

”تو بہتر ہو گا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور اس پانی کے کنوئیں بے کار کر
 دیئے جائیں۔“

آپ نے یہ رائے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ تاہم یزیدی اور حنن اتفاق سے مینہ
 برسا گیا جس سے گرد جم گئی اور جا بجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنائے گئے کہ وہ
 درخت کے کام آئیں۔

پانی پر اگر قبضہ کر لیا گیا لیکن ساقی کو تر صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض عام تھا۔ اس لئے دشمنوں
 کو بھی پانی لینے کی عام اجازت تھی۔ یہ رات کا وقت تھا۔ تمام صحابہؓ نے کمر کھول کر رات بھر
 آرام کیا لیکن صرف ایک ذات تھی (ذات نبویؐ) جو صبح تک بیدار اور مصروف و ملاحظہ ہی رہی۔ صبح ہوئی
 لوگوں کو نماز کے لئے آواز دی۔ بعد نماز جہاد پر وعظ فرمایا۔

قریش جنگ کے لئے قیام تھے تاہم کچھ نیک دل بھی تھے جن کے دل خونریزی سے
 لذت لیتے تھے۔ ان میں حکیم بن حزام (جو آگے چل کر اسلام لائے) نے سرواڑہ فوج عتبہ سے ہا
 کر کہا:

”آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار رہ جائے۔“

عتبہ نے کہا:

”کیوں کر۔“

حکیم نے کہا:

”قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ صرف حضرمی کا خون ہے۔ وہ آپ کا حلیف تھا۔ اس کا خون بہا ادا کر دیجئے۔“

عتبہ نیک نفس آدمی تھا۔ اس نے نہایت خوشی سے منظور کیا لیکن چونکہ ابو جہل کا اتفاق ضروری تھا حکیم، عتبہ کا پیغام لے کر گئے۔ ابو جہل ترکش سے تیر نکال کر پھیلا رہا تھا۔ پیغام سن کر بولا:

”ہاں عتبہ کی ہمت نے جواب دے دیا۔“

عتبہ کے فرزند ابو حذیفہؓ اسلام لایچکے تھے اور اس معرکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ آئے تھے۔ اس بنا پر ابو جہل نے یہ بدگمانی کی کہ عتبہ اس لئے لڑائی سے جی جرات ہے کہ اس کے بیٹے پر آہن نہ آئے۔

ابو جہل نے حضرمی کے بھائی عامر کو بلا کر کہا:

”دیکھتے ہو تمہارا خون بہا تمہاری آنکھ کے سامنے سے اُکر نکلا جاتا ہے۔“

عامر نے عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالے اور گد اڑا کر عامر کا

کالعزہ مارنا شروع کیا۔ اس واقعہ نے تمام فوج میں آگ لگا دی۔

عتبہ نے ابو جہل کا طعنہ سنا تو سخت برہم ہوا اور کہا:

”میدان جنگ تباہ سے گا کہ نامردی کا دل کون اٹھاتا ہے۔“

یہ کہہ کر مغرمانگا لیکن اس کا سر اس قدر بڑا تھا کہ کوئی مضرت اس کے سر پر نہ آتا۔ مجبوراً سر سے کپڑا پٹیا اور لڑائی کے مستحیار سے

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ کو خون سے آلودہ کرنا پسند نہیں فرماتے صحابہؓ نے میدان کے کنارے ایک پتھر کا ساٹھان تیار کیا کہ آپ اس میں تشریف رکھیں۔ سعد بن معاذ دروازہ پر تیغ بکف کھڑے ہوئے کہ کوئی ادھر نہ بڑھنے پائے۔

اگرچہ بارگاہ الہی سے فتح و نصرت کا وعدہ ہو چکا تھا۔ عناصر عالم آمادہ مدد تھے۔ ملائکہ کی فوجیں ہمرکاب تھیں تاہم عالم اسباب کے لحاظ سے آپ نے اصول جنگ کے مطابق فوجیں مرتب کیں۔ جہا جوین کا علم حضرت مصعب بن عمیر کو عنایت فرمایا۔ خنزرج کے علم پرورد حضرت نجابت ابن منذر اور اوس کے حضرت سعد بن معاذ مقرر ہوئے۔

صبح ہوتے ہوتے آپ نے صف آرائی شروع کی۔ دست مبارک میں ایک تیر تھا۔ اس کے اشارے سے صفیں قائم کرتے تھے کہ کوئی شخص تل بھرا گئے یا بیچے نہ رہنے پائے لڑائی میں شور و غل عام بات ہے لیکن منع کر دیا گیا کہ کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلے پائے۔

اس موقع پر بھی جب کہ دشمن کی عظیم الشان تعداد مقابل تھی، ورسلمہ نزل کی طرف ایک آدمی بھی آکر بڑھ جاتا تو کچھ نہ کچھ مسرت ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ تن وف تھے۔ (حضرت) خدیفہ بن الیمان اور حضرت) جہل ذو صحابی کہیں سے آ رہے تھے۔ راہ میں لہار نے روکا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کو جا رہے ہو۔ انہوں نے انکار کیا اور عدم شرکت کا وعدہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو صورت حال عرض کی۔ فرمایا:

”ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے۔ ہم کو صرف خدائی مدد درکار ہے۔“

یہ عجیب منظر تھا۔ اتنی بڑی وسیع دنیا میں توحید کی قسمت صرف چند جانوں پر منحصر تھی۔ صحیحی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتے تھے:

”خدا یا۔! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کرنا۔“

محویت اور بے خودی کے عالم میں چادر کندھے پر سے گر کر پڑتی تھی اور آپ کو خیر تک نہ ہوتی تھی۔ کبھی سجدے میں گرتے تھے اور فرماتے تھے:

”خدا یا۔! اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو پوچھا نہ جائے گا۔“

اس بے قراری پر بندگانِ خاص کو رقت آگئی حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی:

”محضو! خدا اپنا وعدہ وفا کرے گا۔“

آخر روحانی تسکین کے ساتھ

سَيُفْزَمُ الْجَمْعُ وَيُولُونَ الدَّبْرَ
 فوج کو شکست دی جائے گی اور وہ
 پشت پھیر دیں گے۔ (قر-۳)

پڑھتے ہوئے لب مبارک فتح کی پیشین گوئی سے آشنا ہوئے۔

قریش کی فوجیں اب بالکل قریب آگئیں تاہم آپؐ نے صحابہؓ کو پیش قدمی سے روکا اور فرمایا:

یہ معرکہ ایشار اور جانبازی کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر تھا۔ دونوں فوجیں سامنے آئیں تو لوگوں کو نظر آیا کہ خود ان کے جگر کے ٹکڑے تلوار کے سامنے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے (جواب تک کا فرختے) میدان جنگ میں بڑھے تو حضرت ابوبکرؓ تلوار کھینچ کر نکلے۔ عتبہ میدان میں آیا تو حضرت حذیفہؓ (عتبہ کے فرزند تھے) اس کے مقابلہ کو نکلے۔ حضرت عمرؓ کی تلوار ماموں کے خون سے رنگین تھی۔

لڑائی کا آغاز یوں ہوا کہ سب سے پہلے عام حضری جس کو بھاٹی کے خون کا دعویٰ تھا اُس کے بڑے بھائی۔ مہجع حضرت عمرؓ کا غلام اس کے مقابلے کو نکلا اور مارا گیا۔

عتبہ جو سردار لشکر تھا ابوجہل کے طعنہ سے سخت برہم تھا۔ سب سے پہلے وہی بھاٹی اور بیٹے کو لے کر میدان میں نکلا اور مبارز طلبی کی۔ عرب میں دستور تھا کہ نامور لوگ کوئی امتیازی نشان لگا کر میدان میں جاتے تھے۔ عتبہ کے سینے پر شتر مرغ کے پر تھے۔ حضرت عوفؓ، حضرت معاذؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ مقابلہ کو نکلے۔ عتبہ نے نام پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ ان میں تو عتبہ نے کہا:

”ہم کو تم سے عرض نہیں۔“

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب کر کے پکارا:

”محمدؐ۔۔۔ یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق انصار بیٹ آئے اور حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبیدہؓ میدان میں آئے۔ چونکہ یہ لوگ خود پینے تھے جس سے چہرے چمپ گئے تھے۔ عتبہ نے پوچھا:

”تم کون ہو۔؟“

سب نے نام و نسب بتائے۔ عتبہ نے کہا:

”ہاں! اب ہمارا جوڑ ہے۔“

عتبہ حضرت حمزہؓ سے اور ولید حضرت علیؓ سے مقابل ہوا اور دونوں مارے گئے لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو زخمی کیا۔ حضرت علیؓ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضرت عبیدہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

”کیا میں دولتِ شہادت سے محروم رہا؟“

آپؐ نے فرمایا:

”نہیں! تم نے شہادت پائی۔“

حضرت عبیدہؓ نے کہا:

”آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں۔

”ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں

گے جب ان کے گرد لڑاکر مر جائیں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں سے بھلا

زدیئے جائیں۔“

سعید بن العاص کا بیٹا (عبیدہ) سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا صاف سے نکلا

اور پکارا:

”میں ابو کرش ہوں۔“

حضرت زبیرؓ اس کے مقابلے کو نکلے اور چونکہ صرف اس کی آنکھیں نظر آتی تھیں تاک

کر آنکھ میں برہمی ماری۔ وہ زمین پر گرا اور مر گیا۔ برہمی اس طرح پیوست ہو گئی تھی کہ حضرت

زبیرؓ نے اس کی لاش پر پاؤں اڑا کر کھینچا تو بڑی مشکل سے نکلی لیکن دونوں سرے خم ہو گئے۔

یہ برہمی یادگار رہی یعنی حضرت زبیرؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگ لی۔ پھر چاروں

خلفاء کے پاس منتقل ہوئی رہی۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آئی۔

حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ میں کئی کاری زخم اٹھائے۔ شانہ پر جو زخم تھا اتنا گہرا تھا کہ اچھے ہو جانے پر اس میں انگلی چلی جاتی تھی۔ پینا نیچہ اُن کے بیٹے (عروہ) بچپن میں ان زخموں سے کھینچا کرتے تھے۔ جس تلوار سے لڑے تھے وہ لڑتے لڑتے کڑ (دندانے دار) ہو گئی تھی چنانچہ جب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ شہید ہوئے تو عبدالملک نے عروہ سے کہا:

”تم زبیرؓ کی تلوار پہچان لو گے؟“

انہوں نے کہا:

”ہاں۔۔۔!“

عبدالملک نے پوچھا:

”کیوں کہے۔۔۔؟“

بولے کہ:

”بدر کے معرکہ میں اس میں دندانے پڑ گئے تھے۔“

عبدالملک نے تصدیق کی۔ عبدالملک نے تلوار عروہ کو دے دی۔ انہوں نے اس کی قیمت انکوائی تو تین ہزار ٹھہری۔ اس کے قبضہ پر چاندی کا کام تھا۔

اب عام حملہ شروع ہو گیا۔ مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے لیکن ادھر سرورہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سرسبزیدہ صرف خدا کی قوت کا سہارا ڈھونڈ رہے تھے۔

ابو جہل کی شراوت اور دشمنی اسلام کا عام چرچا تھا۔ اس بنا پر معوذہ اور معاذہ و بھائیوں نے عہد کیا تھا کہ یہ مشقی جہاں نظر آئے گا یا اس کو مٹا دیں گے یا خود مٹ جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عوف کا بیان ہے کہ میں صف میں تھا کہ دفعۃً مجھ کو داہنے بائیں دلوں نظر آئے۔ ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا:

”ابو جہل کہاں ہے؟“

میں نے کہا:

”برادرزادہ! ابو جہل کو پوچھ کر کیا کرے گا؟“

بولے:

”میں نے عہد کیا ہے کہ ابو جہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا اسے قتل کر دوں گا یا خود لڑ کر مارا جاؤں گا۔“

میں جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے کانوں میں یہی باتیں کہیں ہیں۔ نے دونوں کو اشارہ سے بتایا کہ ابو جہل وہ ہے۔ بتانا تھا کہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور ابو جہل خاک پر تھا۔ دونوں جوان غفراء کے بیٹے تھے۔ معوذ و معاذ۔ ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے عقب سے آکر معاذ کے بائیں شانے پر تلوار ماری جس سے بازو کاٹ گیا لیکن قسمہ باقی لگا رہا۔ معاذ نے عکرمہ کا تعاقب کیا۔ وہ بچ کر نکل گیا۔ معاذ اسی حالت میں لڑ رہے تھے لیکن ہاتھ کے ٹکسنے سے زحمت ہوتی تھی۔ ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا کہ قسمہ بھی الگ ہو گیا اور اب وہ آزاد تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو خوشی سے نہیں بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہیں ان لوگوں کے نام بھی آپ نے بتا دیئے تھے۔ ان میں ابو البختری بھی تھا۔ مجذّر کی نظر جو انصار کے حلیف تھے ابو البختری پر پڑی۔ مجذّر نے کہا:

”چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے قتل سے منع فرمایا ہے اس لئے تجھ کو چھوڑ دیتا ہوں۔“

ابو البختری کے ساتھ اس کا ایک رفیق بھی تھا۔ ابو البختری نے کہا:

”اس کو بھی۔۔۔؟“

مجذّر نے کہا:

”نہیں۔۔۔!“

ابو البختری نے کہا:

”تو میں خاتونانِ عرب کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا کہ ابو البختری نے اپنی جان بچانے کے لئے

رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا۔“

یہ کہہ کر ابو البختری یہ رجز پڑھتا ہوا مجذّر پر حملہ آور ہوا اور مارا گیا۔

”شریف زادہ اپنے رفیق کو نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ مرنے جائے یا وہ اپنا راستہ نہ دیکھ لے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید دشمن امیہ بن خلف بھی جنگ بدر میں شریک تھا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اس سے کسی زمانہ میں معاہدہ کیا تھا کہ وہ مدینہ میں آئے گا تو یہ اس کی جان کے فدا میں ہوں گے۔ بدر میں اس دشمن خدا سے انتقام لینے کا خوب موقع تھا لیکن چونکہ عہد کی پابندی اسلام کا شعار ہے حضرت عبدالرحمن بن عوف نے چاہا کہ وہ بیچ کر نکل جائے۔ اس کو لے کر ایک پہاڑ پر چلے گئے۔ اتفاق یہ کہ حضرت بلالؓ نے دیکھ لیا۔ انصار کو خبر دی۔ دفعۃً لوگ ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے میت کے بیٹے کو آگے کر دیا۔ لوگوں نے اس کو قتل کر دیا لیکن اس پر بھی قناعت نہیں کی اور امیہ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے امیہ سے کہا:

”تم زمین پر لیٹ جاؤ۔“

یہ لیٹ گیا تو اس پر چھائے کہ اس کو مارنے نہ پائیں۔ لیکن لوگوں نے ان کی ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اس کو قتل کر دیا۔ حضرت عبدالرحمنؓ کی بھی ایک ٹانگ زخمی ہوئی اور زخم کا نشان مدتوں تک قائم رہا۔

ابو جہل اور عتبہ وغیرہ کے قتل کے بعد قریش نے سپردال دی اور مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرنا شروع کیا۔

حضرت عباسؓ، عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی) نوفل، اسود بن عامر، عبداللہ بن زمعہ اور بہت سے بڑے بڑے معزز لوگ گرفتار ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا:

”کوئی شخص جا کر خبر لائے، ابو جہل کا کیا انجام ہوا؟“

حضرت عبداللہ بن مسعود نے جا کر لاشوں میں دیکھا تو زخمی پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا، بولے:

”اے ابو جہل ہے؟“

اس نے کہا:

”ایک شخص کو اس کی قوم نے قتل کر دیا تو یہ فخر کی کیا بات ہے؟“

ابو جہل نے ایک دفعہ ان کو پتھر مارا تھا۔ انہوں نے اس کے انتقام میں اس کی گردن پر
 پاؤں رکھا۔ ابو جہل نے کہا:

”او بکرو پیہ انے دے، دیکھ تو کہاں پاؤں رکھتا ہے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود اس کا ٹکڑا لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں

پر ڈال دیا۔

مغربی مورخین کو، جن کے نزدیک عالم اسباب میں جو کچھ ہے صرف اسباب ظاہری کے
 نتائج ہیں، حیرت ہے کہ تین سو پیل آدمیوں نے ایک ہزار پر، جن میں سو سواروں کا رسالہ تھا
 کیونکر فتح پائی لیکن تاہم اُسمانی نے بارہا ایسے حیرت انگیز مناظر دکھائے ہیں۔ تاہم اس واقعہ
 میں ظاہر زمینوں کے اطمینان کے سامان بھی موجود ہیں۔ اول تو قریش میں باہم اتفاق نہ تھا۔
 عتبہ سرور لشکر لڑنے پر راضی نہ تھا۔ قبیلہ زہرہ کے لوگ بدر تک آکر واپس چلے گئے۔ پانی
 برسنے سے موقع جنگ کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ قریش جہاں صف اُڑاتے وہاں کیچڑ اور دلدل کی
 وجہ سے چلنا پھرنا مشکل تھا۔ قریش مرعوب ہو کر اسلامی فوج کا تخمینہ غلط کر رہے تھے یعنی اپنی تعداد
 سے دو گنا۔ کفار کی فوج میں کوئی ترتیب اور صف بندی نہ تھی۔ بخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم نے خود دست مبارک میں تیرے کر نہایت ترتیب سے صفیں درست کی تھیں مسلمان
 رات کو اطمینان سے سوئے تھے، صبح اٹھے تو تازہ دم تھے۔ بخلاف اس کے کفار بے اطمینانی
 کی وجہ سے رات کو سونہ سکے تھے۔

تاہم یہ اسباب ہیں۔ ان کا اجتماع اور تہمید یہی تاہم الہی ہے۔ پھر قریش اور مسلمانوں کی
 فوج کا باہم مقابلہ کرو تو نظر آئے گا کہ عام فوجی نظر کیا مسلمانوں کی فتح کی مقتضی تھی۔ قریش کی
 فوج میں بڑے بڑے دوات مند تھے جو تنہا تمام فوج کی رسد کا سامان کرتے تھے۔ مسلمانوں
 کے پاس کچھ نہ تھا۔ قریش کی تعداد ایک ہزار تھی مسلمان صرف تین سو تھے۔ قریش میں سو سوار
 تھے۔ مسلمانوں کی فوج میں صرف دو گھوڑے تھے۔ مسلمانوں میں بہت کم سپاہی تمام ہتھیاروں
 سے پورے تھے اور ادھر قریش کا ہر سپاہی لوہے میں غرق تھا۔

بایں ہمہ خاتمہ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے صرف چودہ شخصوں نے شہادت پائی

جن میں چھ مہاجر اور باقی انصار تھے لیکن دوسری طرف قریش کی اصلی طاقت ٹوٹ گئی اور دسائے قریش جو شجاعت میں نامور اور قبائل کے سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے۔ ان میں شیبہ، عقبہ، ابو جہل، ابوالنختری، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف، منبہ بن الحجاج قریش کے سرتاج تھے۔ قریباً ستر آدمی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ اسیرانِ جنگ میں سے عقبہ اور فہر بن ساریت قتل کر دیئے گئے۔ باقی گرفتار ہو کر مدینہ آئے۔ ان میں حضرت عباسؓ، عقیلؓ، حضرت علیؓ کے بھائی، ابوالعاصؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بھی تھے۔ لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جہاں کہیں کوئی لاش نظر آتی۔ آپؐ اُس کو زمین میں دفن کرا دیتے تھے لیکن اس موقع پر کشتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس لئے ایک ایک کا الگ الگ دفن کرانا مشکل تھا۔ ایک وسیع کنواں تھا۔ تمام ناشیں آپؐ نے اُس میں ڈلوادیں۔ لیکن امیہ کی لاش پھول کر اس قابل نہیں رہی تھی کہ جگہ سے ہٹائی جاوے۔ اس لئے وہیں خاک میں دبا دی گئی۔

اسیرانِ جنگ جب مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے، تو حضرت سودہؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوہر محترمہ، بھی تشریف رکھتی تھیں۔ ان قیدیوں میں ان کے عزیز۔ سہیل بن عمرو بھی تھے۔ ان پر نگاہ پڑی تو بے ساختہ بول اٹھیں:

”تم نے بھی عورتوں کی طرح خود پٹریاں پہن لیں۔ یہ نہ ہو سکا کہ لڑکر مر جاتے۔“

اسیرانِ جنگ دو دو چار چار صحابہ کو تقسیم کر دیئے گئے اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ رکھے جائیں۔ صحابہؓ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے۔ ان قیدیوں میں ابو عزیزؓ بھی تھے۔ جو حضرت مصعبؓ بن عمیر کے بھائی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ مجھ کو جن انصار یوں نے اپنے حرمی قید رکھا تھا جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے۔ مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھ کو واپس دیتے اور یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمروؓ تھا جو نہایت فصیح اللسان تھا۔ اور عام معمول میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا:
 ”یا رسول اللہ! اس کے دو نیچے کے رانت اکھڑا دیجئے کہ پھر اچھا نہ بول سکے۔“
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں اگر اس کا عضو بگاڑوں گا (مشتہ) تو گونبی ہوں لیکن خدا اس کی جزا میں میرے اعطاء
 بھی بگاڑے گا۔“

حضرت عباسؓ کے بدن پر گرتے نہ تھا لیکن ان کا قدر اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا گرتے ان
 کے بدن پر ٹھیک نہ اترتا تھا۔ عبداللہ بن ابی ریس المناقین نے کہ حضرت عباسؓ کا ہم قدر تھا اپنا
 گرتے نہ گرتا کر دیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کے کفن کے لئے
 جواباً گرتے عنایت فرمایا تھا وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا۔

عام روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آکر صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ
 امیران جنگ کے معاملہ میں کیا کیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی کہ:
 ”سب اپنے ہی عزیز و اقارب میں۔ فدیہ کر چھوڑ دیجئے۔“
 لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک اسلام کے مسئلہ میں دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ، قریب و
 بعید کی تمیز نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے رائے دی کہ:

”سب قتل کر دیجئے جائیں اور ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے۔“
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ کر چھوڑ دیا۔
 امیران جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا لیکن جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر
 سکتے تھے وہ چھوڑ دیجئے گئے۔ اس میں سے جو کھنڈا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ وہ اس بچوں کو
 لکھنا سکھا دیں۔

انصاف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حد میں عرض کی کہ حضرت عباسؓ کے پاس سے بھانجے
 میں۔ ہم ان کو فدیہ چھوڑ دیتے ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی خاطر ہوا را نہیں
 نہ پایا اور ان کو بھی فدیہ ادا کرنا پڑا۔ فدیہ کی عام مقدار چار ہزار درہم تھی لیکن امراء سے زیادہ
 لیا گیا۔ حضرت عباسؓ روایت مند تھے اس لئے ان سے بھی زیادہ رقم وصول کی گئی۔ انہوں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی لیکن ان کو کیا معلوم تھا کہ اسلام نے جو مساوات قائم کی ہے اس میں قریب و بعید، عزیز و بیگانہ، عام و خاص کے تمام تفرقے مٹ چکے ہیں لیکن ایک طرف تو ادائے فرض کی یہ مساوات تھی، دوسری طرف محبت کا یہ تقاضا تھا کہ حضرت عباسؓ کی گراہی کر رات کو آپ آرام نہ فرما سکے۔ لوگوں نے ان کی گراہی کو آپ نے آرام فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص بھی امیران جنگ میں آئے تھے۔ ان کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو (جو ان کی زوجہ تھیں اور مکہ میں تھیں) کہلا بھیجا کہ تم کی رقم بھیج دیں۔ حضرت زینبؓ کا جب نکاح ہوا تھا تو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں ان کو قیمتی مار دیا تھا۔ حضرت زینبؓ نے زرفدیہ کے ساتھ وہ مار بھی گلے سے اتار کر بھیج دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو پچیس برس کا محبت انگیز واقعہ یاد آگیا۔ آپ بے اختیار رو پڑے اور صحابہؓ سے فرمایا:

”تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو۔“

سب نے تسلیم کی گرویں جھکا دیں اور مار واپس کر دیا۔

ابوالعاص رہا ہو کر مکہ آئے اور حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیا۔ ابوالعاص بہت بڑے تاجر تھے۔ چند سال کے بعد بڑے سرورسازان سے شام کی تجارت لے کر نکلے۔ واپسی میں مسلمان دہشتوں نے ان کو مع تمام مال و اسباب گرفتار کر لیا۔ اسباب ایک ایک سپاہی پر تقسیم ہو گیا۔ یہ چھپ کر حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے پناہ دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا:

”اگر تمہارا سب سمجھو تو ابوالعاص کا اسباب واپس کر دو۔“

پھر تسلیم کی گرویں جھک گئیں اور سپاہیوں نے ایک ایک دھکا تک لاکر واپس کر دیا۔

اب یہ واریاں نہ تھا جو خالی جاتا۔ ابوالعاص مکہ آئے اور تمام شرکار کو حساب سمجھا کر دولت اسلام سے فائدہ ہوئے اور کہہ دیا:

”میں اس لئے یہاں آکر اور حساب سمجھا کر جاتا ہوں تاکہ یہ نہ کہو کہ ابوالعاص ہمارا پیہ کھا کر تقاضے کے ڈر سے مسلمان ہو گیا۔“

بدر کی خبر مکہ میں پہنچی تو گھر گھر ماتم تھا۔ لیکن غیرت کی وجہ سے قریش نے منادی کرادی کہ
 "میں نے شخص رونے نہ پائے۔ اس لڑائی میں اسود کے تین لڑکے مارے گئے تھے۔ اس کا دل
 نہ اٹتا تھا لیکن قوی عزت کے خیال سے رو نہیں سکتا تھا۔ اتفاق یہ کہ ایک دن کسی طرف سے
 نے کی آواز آئی۔ سمجھا کہ قریش نے رونے کی اجازت دے دی ہے۔ نوکر سے کہا:
 "دیکھنا کون روتا ہے۔ کیا رونے کی اجازت ہو گئی۔ میرے سینے میں آگ لگ رہی
 ہے۔ جی کھول کر رولوں تو تسکین ہو جائے۔"

ادجی نے آکر کہا:

"ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے اس کے لئے رو رہی ہے۔"

اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلے :-

"اونٹ کے گم ہونے پر روتی ہے اور اس کو نیند نہیں آتی۔ (اونٹ پر ہمت رو،

بدر پر آنسو بہا جہاں قسمت نے کمی کی۔ تجھ کو رونا ہے تو عقل پر روا اور حارث

پر رواج شیروں کا شیر تھا۔"

دعیر بن وہب قریش میں اسلام کا سخت دشمن تھا۔ وہ اور صفوان بن امیہ حجر میں بیٹھے ہوئے

تو تین بدر کا ماتم کر رہے تھے۔ صفوان نے کہا:

"خدا کی قسم! اب جینے کا مزہ نہیں۔"

عمر نے کہا:

"سچ کہتے ہو۔ اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں سوار ہو کر جاتا اور محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرتا۔ میرا بیٹا بھی وہاں قید ہے۔"

صفوان نے کہا:

"تم قرض کی اور بچوں کی فکر نہ کرو۔ ان کامی دوستے دار ہوں۔"

عمر نے گھر آکر تلوار زہر میں بھجائی اور مدینہ پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے تیور دیکھ لئے۔

وہ اپنے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آپ نے فرمایا:

"عمرؓ چھوڑ دو۔ عمر قریب آ جاؤ۔"

پوچھا —

”کس ارادے سے آئے ہو؟“

جواب دیا:

”بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں۔“

فرمایا:

”تلوار کیوں حائل ہے؟“

عمیر نے کہا:

”آخر تلواریں بدر میں کس کام آئیں؟“

فرمایا:

”کیوں نہیں — تم نے اور صفوان نے حجر میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی؟“

عمیر یہ بات سن کر سناٹے میں آگیا۔ بے اختیار ہو کر بولا:

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک تم پیغمبر ہو۔ بخدا میرے اور صفوان کے سوا اس معاملے

کی کسی کو خبر نہ تھی۔“

قریش جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر سننے کے منظر تھے انہوں نے عمیر

مسلمان ہونے کی خبر سنی۔

حضرت عمیرؓ مسلمان ہو کر بہادرانہ مکہ میں آئے، جہاں کا ہر ذرہ اس وقت مسلمانوں کے

خون کا پیاسا تھا۔ ان کو اسلام کے دوستوں سے جس شدت کے ساتھ عداوت تھی، اسی شدت

سے وہ دشمنان اسلام کے دشمن تھے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے اسلام کی دعوت کو پھیلایا۔

ایک مجمع کثیر کو اس کی روشنی سے منور کر دیا۔

بدر کے نتائج

بدر کے معرکہ نے مذہبی اور ملکی حالات پر گونا گوں اثرات پیدا کئے۔ اور حقیقت

یہ اسلام کا قدم اولین تھا۔ قریش کے تمام بڑے بڑے رؤسا جن میں سے ایک ایک اسلام

میں سید آہن تھا فنا ہو گئے۔ عتبہ اور ابو جہل کی موت نے قریش کی ریاست عامہ
سفیان کے سر پر رکھا جس سے دولت اموی کا آغاز ہوا لیکن قریش کے اصلی زور
معیار گھٹ گیا۔

بنہ میں اب تک عبداللہ بن ابی سول علانیہ کا فر تھا لیکن اب وہ بظاہر اسلام کے دائرہ
تمام عمر منافق رہا اور اسی حالت میں جان دی۔ قبائل عرب بے سلسلہ واقعات
پھرتے تھے اگرچہ رام نہیں ہوئے لیکن مبہم گئے۔

موافق حالات کے ساتھ مخالف اسباب میں بھی انقلاب شروع ہو گیا۔ یہود سے
چکا تھا کہ وہ ہر معاملہ میں یک سو رہیں گے لیکن اس فتح نمایاں نے ان میں حسد کی
دی اور وہ اس کو ضبط نہ کر سکے۔

نیش کو پہلے صرف حضرمی کا رونا تھا، بدر کے بعد ہر گھرماتم کدہ تھا اور مقتولین بدر
م کے لئے مکہ کا بچہ بچہ مضطر تھا۔ چنانچہ سولق کا واقعہ اور احد کا معرکہ اسی جوش

غزوہ سبوق

ذوالحجہ ۲۰

ابوسفیان اب قریش کا رئیس تھا اور اس منصب کا سب سے بڑا فرض غزوہ بدر تھا۔ اُس نے بدر سے مشرکین کی واپسی پر مسرت مانی تھی کہ جب تک مقتولانِ بدر کا انتقام نہ لیا جائے گا نہ غسل جنابت کرے گا، نہ سر میں تیل ڈالے گا۔ چنانچہ دو سو شتر سواروں کے ساتھ بڑھا۔ یہود کی نسبت معلوم تھا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مدد دیں گے۔ اس لئے بنی اخطب کے پاس گیا لیکن اُس نے دروازہ نہ کھولا۔ مایوس ہو کر سلام بن مشکم کے پاس گیا۔ وہ یہود بنو نضیر کا سردار تھا اور تجارتی خزانہ اسی کے زیرِ اہتمام رہتا تھا۔ اُس نے بے جوش سے استقبال کیا۔ خوشگوار کھانے کھلائے، شراب پلائی۔ مدینہ کے مخفی راز بتائے۔ کو ابوسفیان غریض پر حملہ آور ہوا جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ ایک انصاری کا نام سعد بن عمرو تھا شہید کیا۔ چند مکانات اور گھاس کے انبار جلا دیئے۔ ان باتوں سے اس کے نزدیک قسم پوری ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے توبہ کیا۔ ابوسفیان کے پاس رسد کا سامان صرف ستوتھتھے۔ گھبراہٹ میں ستوتھ کے بورے پھینک دیئے جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ عربی میں ستوتھ کو سبوق کہتے ہیں۔ اس لئے یہ واقعہ غزوہ سبوق نام سے مشہور ہے۔

حضرت فاطمہ زہرا کی نشاوری

نرت فاطمہ زہرا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے کم سن تھیں اب
تیارہ سال کی ہو چکی تھیں اور شادی کے پیغام آنے لگے تھے۔ حضرت علیؑ نے جب
کی تو آپؑ نے حضرت فاطمہؑ کی مرضی دریافت کی۔ وہ چپ رہیں۔ یہ ایک طرح کا اظہار
آپؑ نے حضرت علیؑ سے پوچھا:

”پارے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے؟“

”نہیں۔“

آپؑ نے فرمایا:

”اور وہ حطیہ زدہ کیا ہوئی؟“ (جنگ بدر میں مارا گیا تھا)

رضی کی:

”وہ تو موجود ہے۔“

آپؑ نے فرمایا:

”بس وہ کافی ہے۔“

انظرین کو خیال ہو گا کہ بڑی قیمتی چیز ہوگی۔ لیکن اگر وہ اس کی مقدار جانتا چاہتے ہیں تو جواب
کہ صرف سو سو روپے۔ زہرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علیؑ کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیر کی کھال
پر بوسیدہ مٹی چادر تھی۔ حضرت علیؑ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہرا کے نذر کیا۔ حضرت علیؑ

اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس رہتے تھے۔ شادی کے بعد ضرور گھر کر لیں۔ حضرت شامہ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے جن میں سے صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کر چکے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے "اُن ہی سے کوئی اور مکان دلو دیجئے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"کہاں تک؛ اب اُن سے کہتے شرم آتی ہے۔"

حضرت شامہؓ نے سنا تو دوڑے اُٹے کہ حضورؐ میں اور میرے پاس جو کچھ کا ہے۔ خدا کی قسم! میرا جو مکان آپؐ لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی وہ میرے پاس رہ جائے۔ غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ گئیں۔

شہنشاہ کونینؒ نے سیدہ عالم کو جو جہیز دیا وہ ہان کی چار پائی، چمڑے کا گداحس تھے بنی ہجور کے پتے تھے، ایک چھاگل، ایک مشک، دو پکیاں اور مٹی کے دو گھڑے۔ حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر میں جا لیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے۔ دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا، پھر اندر آئے۔ ایک برتن میں پانی منگوا اس میں ڈالے اور حضرت علیؓ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہؓ کو سے لٹکھڑاتی آئیں۔ ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا:

"میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل تر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔"

واقعات متفرقہ

مؤرخین کے بیان کے مطابق اسی سال رمضان مبارک کے روزے فرمائیے ہوئے عید الفطر کا حکم بھی اسی سال جاری ہوا۔ پہلے آپؐ نے ایک خطبہ دیا جس میں اس سال کا بیان فرمائے پھر صدقہ کا حکم دیا۔ عید الفطر کی نماز یا جماعت عید گاہ میں بھی اسی سال سے پہلے عید کی نماز نہیں ہوتی تھی۔

غزوة أحد

٣

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ — (آل عمران)

عرب میں صرف ایک شخص کا قتل لڑائی کا ایک سلسلہ چھیڑ دیتا تھا جو سینکڑوں برس تک ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ طرفین میں سے جس کو شکست ہوتی تھی وہ انتقام کو ایسا فرض مویذ جانتا تھا جس کے ادا کئے بغیر اُس کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ بدر میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے جن میں اکثر وہ تھے جو قریش کے تاج و افسر تھے۔ اس بنا پر تمام مکہ جوش انتقام سے لبریز تھا۔

قریش کا کاروان تجارت جو جنگ بدر کے زمانے میں نفع کثیر کے ساتھ شام سے واپس آ رہا تھا اس کا راس المال حصہ داروں کو تقسیم کر دیا گیا تھا لیکن زر منافع امانت کے طور پر محفوظ تھا۔ قریش کو کشتگان بدر کے ماتم سے فرصت ملی تو اس فرض کے ادا کرنے کا خیال آیا۔ چند سرائیں قریش جن میں ابو جہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا، اُن لوگوں کو جن کے عزیز و اقارب جنگ بدر میں قتل ہو چکے تھے، ساتھ لے کر ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا:

”محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری قوم کا خاتمہ کر دیا۔ اب انتقام کا وقت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مال تجارت کا جو نفع اب تک جمع ہے وہ اس کام میں صرف کیا جائے۔“

یہ ایک ایسی درخواست تھی جو پیش ہونے سے پہلے قبول کر لی گئی تھی۔ لیکن قریش کو اب مسلمانوں کی قوت اور زور کا اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جنگ بدر میں جس سامان سے وہ گئے تھے اس سے اب کچھ زیادہ درکار ہے۔ عرب میں جوش پھیلانے اور دلوں کے گرمانے کا سب سے بڑا آلہ شعر تھا۔ قریش میں دو شاعر شاعری میں مشہور تھے۔ عمرو جمہی اور مسافع۔ عمرو جمہی بدر میں گرفتار ہو گیا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقتضائے رحم سے اُس کو رہا کر

دیا تھا۔ قریش کی درخواست پر وہ اور مسافع مکہ سے نکلے اور تمام قبائل قریش میں اپنی آتش بیاہی سے آگ لگائے۔

لڑائیوں میں ثابت قدمی اور جوش جنگ کا بڑا ذریعہ خاتونانِ حرم تھیں جس لڑائی میں خاتونیں ہوتی تھیں۔ عرب جانوں پر کھیل جاتے تھے کہ شکست ہوگی تو عورتیں بے حرمت ہوں گی۔ بہت سی عورتیں ایسی تھیں جن کی اولاد جنگ بدر میں قتل ہو چکی تھی۔ اس لئے وہ خود جوش انتقام سے لبریز تھیں اور انہوں نے منہیں مانی تھیں کہ اولاد کے قاتلوں کا خون پی کر دم لیں گی۔ غرض جب فوجیں تیار ہوئیں تو بڑے بڑے معزز گھرانوں کی عورتیں بھی فوج میں شامل ہوئیں۔ ان میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں :-

۱۔ ہند — عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ کی ماں۔

۲۔ ام حکیم — عکرمہ (فرزند ابوجہل) کی بیوی۔

۳۔ فاطمہ بنت ولید، حضرت خالدؓ کی بہن۔

۴۔ بزرہ — مسعود ثقفی جو طائف کا رئیس تھا اس کی بیٹی۔

۵۔ ریطہ — عمرو بن العاص کی زوجہ۔

۶۔ خناس — حضرت مصعبؓ بن عمیر کی ماں۔

اس موقع پر علامہ سید سلیمان ندوی فٹ نوٹ میں فرماتے ہیں۔ "طبری (ج ۲ صفحہ ۳۸۶)

زرقانی (ج ۲ ص ۲۰۸) نے ان چھ خواتین کے سوا سلا فہ بنت سعد اور عمیرہ بنت

علقمہ دو اور خاتونوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں خناس اور عمیرہ کے سوا باقی خواتین بعد

کو مسلمان ہو گئیں۔ خناس اور عمیرہ کے اسلام کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔"

حضرت حمزہؓ نے ہند کے باپ عتبہ کو بدر میں قتل کیا تھا۔ جبیر بن معطم کا چچا بھی حضرت حمزہؓ

کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس بنا پر ہند نے وحشی کو جو جبیر کا غلام اور حربہ اندازی میں کمال رکھتا تھا

حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا۔ اور یہ اقرار ہوا کہ اس کا رگزاری کے صلہ میں وہ آزاد کر دیا جائے گا۔

حضرت عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو اسلام لا چکے تھے لیکن اب تک مکہ ہی

میں مقیم تھے۔ انہوں نے تمام حالات لکھ کر ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجے اور قاصد کو تاکید کی کہ تین رات دن میں مدینہ پہنچ جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں پہنچیں تو آپ نے پانچویں سوال سچے کو دو خبر رساں جن کے نام انس اور موس تھے، خبر لانے کے لئے بھیجے۔ انہوں نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا اور مدینہ کی چراگاہ عریض کو ان کے گھوڑوں نے صاف کر دیا۔ آپ نے خباب بن منذر کو بھیجا کہ فوج کی تعداد کی خبر لائیں۔ انہوں نے آکر صحیح تخمینہ سے اطلاع دی۔ چونکہ شہر پر حملہ کا اندیشہ تھا۔ ہر طرف پہرے بٹھا دیئے گئے۔ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ ہتھیار لگا کر تمام رات مسجد نبوی کے دروازہ پر پہرہ دیتے رہے۔

صبح کو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ مہاجرین نے عموماً اور انصار میں سے اکابر نے رائے دی کہ عورتیں باہر قلعوں میں بھیج دی جائیں اور شہر میں پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن ابی سلول جواب تک کہیں شریک مشورہ نہیں کیا گیا تھا، اس نے بھی یہی رائے دی۔ لیکن ان نوخیز صحابہؓ نے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس بات پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر حملہ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے اب لوگوں کو ندامت ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاف مرضی نکلنے پر مجبور کیا۔ سب نے عرض کی:

”ہم اپنی رائے سے باز آتے ہیں۔“

ارشاد ہوا:

”پیغمبر کو زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن کر اتار دے۔“

قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچے اور کوہ احد پر پڑاؤ ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز پڑھ کر ایک ہزار صحابہؓ کے ساتھ شہر سے نکلے۔ عبداللہ بن ابی سلول تین سو کی جمیعت لے کر آیا تھا لیکن یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میری رائے نہ مانی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اب صرف سات سو صحابہؓ رہ گئے۔ ان میں سے ایک سوزرہ پوش

تھے۔ مدینہ سے نکل کر فوج کا جائزہ لیا گیا اور جو لوگ کم سن تھے واپس کر دیئے گئے۔ ان میں حضرت زید بن ثابت، حضرت براء بن عازب، حضرت ابو سعید خدری، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عرابہؓ اسی بھی تھے لیکن سب ان شہداء کا یہ ذوق تھا کہ نوجوانوں میں سے جب حضرت رافعؓ بن خدیج سے کہا گیا کہ تم عمر میں چھوٹے ہو واپس جاؤ، تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے کہ قذاؤں نظر آئے۔ چنانچہ ان کی یہ تدبیر چل گئی اور وہ لے لئے گئے۔ سمرہ ایک نوجوان جو ان کے ہم سن تھے انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ میں رافع کو لڑائی میں پچھاڑ لیتا ہوں۔ اس لئے اگر ان کو اجازت ملتی ہے تو مجھ کو بھی ملنی چاہئے۔ دونوں کا مقابلہ کرایا گیا اور سمرہ نے رافع کو زمین پر دے مارا۔ اس بنا پر ان کو اجازت مل گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کو علم عنایت ہوا۔ حضرت زبیرؓ بن العوام رسالے کے افسر مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہؓ کو اس حصہ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ تھے۔ پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن ادھر سے آئیں اس لئے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین فرمایا اور حکم دیا کہ گولہ آئی میں فتح ہو جائے تاہم وہ جگہ سے نہ ہٹیں۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ ان تیر اندازوں کے افسر مقرر ہوئے۔

قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے انہوں نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی۔ میمنہ پر خالد بن ولیدؓ کو مقرر کیا۔ میسرہ عکرمہؓ کو دیا جو ابو جہل کے فرزند تھے۔ سواروں کا دستہ صفوان بن امیہؓ کی کمان میں تھا جو قریش کا مشہور رئیس تھا۔ تیر اندازوں کے دستے الگ تھے جن کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعہؓ تھا۔ طلحہؓ و عتبہؓ دار تھا۔ دوسو گھوڑے کو تل رکاب میں تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

لے یہ طبری کی روایت ہے لیکن بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رافعؓ کو اجازت مل جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس نوجوانی ہی میں تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کا یہ حال معلوم ہوا تو ان کو شرکت کی اجازت دے دی۔

(حاشیہ علامہ سید سلیمان ندوی)

سب سے پہلے طبل جنگ کے بجائے خاتونانِ قریش دف پر اشعار پڑھتی ہوئی بڑھیں، جن میں کشتگانِ بدر کا ماتم اور انتقامِ خون کے رجز تھے۔ ہند (ابوسفیان کی بیوی) آگے آگے اور چودہ عورتیں ساتھ ساتھ تھیں۔ اشعار یہ تھے :-

”ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں — ہم قالیبنوں پر چلنے والیاں ہیں — اگر تم بڑھ بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گی — اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گی۔“

لڑائی کا آغاز اس طرح ہوا کہ ابو عامر جو مدینہ منورہ کا ایک مقبول عام شخص تھا اور مدینہ چھوڑ کر مکہ میں آباد ہو گیا تھا، ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ میدان میں آیا۔ اسلام سے پہلے زید اور پارسائی کی بنا پر تمام مدینہ اس کی عزت کرتا تھا۔ چونکہ اس کو خیال تھا کہ انصار جب اس کو دیکھیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ میدان میں آکر پکارا:

”مجھ کو پہچانتے ہو میں ابو عامر ہوں۔“

انصار نے کہا:

”ہاں ابو دکار —! ہم تجھ کو پہچانتے ہیں۔ خدا تیری آرزو بر نہ لائے۔“

قریش کا علمبردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا:

”کیوں مسلمانو —! تم میں کوئی ہے کہ یا مجھ کو جلد دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے

ہاتھوں بہشت میں پہنچ جائے۔“

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے صف میں سے نکل کر کہا:

”میں ہوں —!“

یہ کہہ کر تلوار ماری اور طلحہ کی لاش زمین پر پڑی۔ طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان نے جس

کے پیچھے پیچھے عورتیں اشعار پڑھتی آتی تھیں، علم ہاتھ میں لیا اور رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا۔

”علم بردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون میں رنگ دے یا وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے۔“

حضرت حمزہؓ مقابلہ کو نکلے اور شانہ پر تلوار ماری کہ کمزبک اتر آئی۔ ساتھ ہی ان کی زبان

سے نکلا:

”میں ساتی شجاج کا بیٹا ہوں۔“

اب عام جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو دُجّانہ فوجوں کے دار میں گھسے اور صفیں کی صفیں صاف کر دیں۔ حضرت ابو دُجّانہ عرب کے مشہور پہلوان تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک میں تلوار لے کر فرمایا:

”کون اس کا حق ادا کرتا ہے۔“

اس سعادت کے لئے دفعۃً بہت سے ہاتھ بڑھے۔ لیکن یہ فخر حضرت ابو دُجّانہ کے نصیب میں تھا۔ اس غیر متوقع عزت نے اُن کو بادۂ شجاعت سے مست کر دیا۔ سر پر سرخ رُخ باندھا اور اکڑتے تننتے ہوئے فوج سے نکلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”یہ چال خدا کو سخت ناپسند ہے لیکن اس وقت پسند ہے۔“

حضرت ابو دُجّانہ فوجوں کو چیرتے، لاشوں پر لاشے گراتے بڑھتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ ہند سامنے آ گئی۔ اس کے سر پر تلوار رکھ کر اٹھالی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار اس کا قابل نہیں کہ عورت پر آزمائی جائے۔

حضرت حمزہؓ دو دستی تلوار مارتے جاتے تھے اور جس طرف بڑھتے تھے صفیں کی صفیں منہ ہو جاتی تھیں۔ اسی طاقت میں سباغ فبثانی سامنے آ گیا۔ پکارے:

”اوتخا نئے النساء کے بچے! کہاں جاتا ہے؟“

یہ کہہ کر تلوار ماری۔ وہ خاک پر ڈھیر تھا۔

وحشی جو ایک حبشی غلام تھا اور جس سے جبر بن معطم اُس کے آقا نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حمزہؓ کو قتل کر دے تو آزاد کر دیا جائے گا، وہ حضرت حمزہؓ کی تاک میں تھا۔ حضرت حمزہؓ براہِ آئے تو اُس نے چھوٹا سائیزہ جس کو حربہ کہتے ہیں اور جو حبشیوں کا خاص ہتھیار ہے پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ نے اُس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑاکر گر پڑے اور رُوح پرواز کر گئی۔

کفار کے علمبردار لڑ لڑ کر قتل ہو جاتے تھے تاہم علم کرنے نہیں پاتا تھا۔ ایک کے گرنے سے پہلے دوسرا جاننا بڑھ کر علم لٹھ میں لے لیتا تھا۔ ایک شخص نے جس کا نام صواب تھا جس

علم ہاتھ میں لیا تو کسی نے بڑھ کر اس زور سے تلوار ماری کہ دونوں ہاتھ ایک ساتھ کٹ کر گر پڑے
لیکن وہ قومی علم کو اپنی آنکھوں سے خاک پر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ علم کے گرنے کے ساتھ سینہ کے
بل زمین پر گرا اور علم کو سینہ سے دبا لیا۔ اسی حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا،
”میں نے اپنا فرض ادا کر دیا“

علم دیر تک خاک پر پڑا رہا۔ آخر ایک بہادر خاتون (عمرة بنت علقمہ) دلیرانہ بڑھی اور علم کو
ہاتھ میں لے کر بلند کیا۔ یہ دیکھ کر ہر طرف سے قریش سمٹ آئے اور اکھڑے ہوئے پاؤں پھر
جم گئے۔

ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا لیکن اس کے بیٹے حضرت حنظلہؓ اسلام لایچکے تھے۔
انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باپ کے مقابلہ میں لڑنے کی اجازت مانگی۔ لیکن رحمت عالم
صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے۔ حضرت حنظلہؓ نے کفار کے سپہ سالار
(ابوسفیان) پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ ان کی تلوار ابوسفیان کا فیصلہ کر دے، وقعت پہلو سے شداد
بن الاسود نے جھپٹ کر ان کے وار کو روکا اور ان کو شہید کر دیا۔ تاہم لڑائی کا پلہ مسلمانوں ہی
کی طرف بھاری تھا۔ علم برداروں کے قتل اور حضرت علیؓ اور ابودجنانہ کے بے پناہ حملوں سے فوج
کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بہادر نازنینیں جو رجز سے دلوں کو ابھار رہی تھیں بدحواسی کے ساتھ پیچھے
ہٹیں اور مطلع صاف ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے لوٹ شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر تیر انداز جو
پشت پر مقرر کئے گئے تھے وہ بھی غنیمت کی طرف جھکے۔

حضرت عبداللہ بن جبیر نے بہت روکا لیکن وہ رک نہ سکے۔ تیر اندازوں کی جگہ خالی دیکھ کر
خالد نے عقب سے حملہ کیا۔ عبداللہ بن جبیر چند جانبازوں کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب کے سب
شہید ہوئے۔ اب راستہ صاف تھا۔ خالد نے سواروں کے دستہ کے ساتھ نہایت بے جگری
سے حملہ کیا۔ لوگ لوٹنے میں مصروف تھے۔ مڑ کر دیکھا تو تلواریں برس رہی ہیں۔ بدحواسی میں دونوں
فوجیں اس طرح باہم مل گئیں کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے مارنے لگے۔ حضرت مصعبؓ
بن عمیر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت میں مشابہ اور علم بردار تھے، ابن قتیہ نے ان کو شہید
کر دیا اور غل مچ گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی۔ اس آواز سے عام بدحواسی

چھا گئی۔ بڑے بڑے دیروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بدحواسی میں اگلی صفیں پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑیں اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا تو صرف گیارہ جہاں نشان پہلو میں ہیں جن میں حضرت علی مرتضیٰ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت ابو جہلؓ، حضرت طلحہؓ کا نام بہ تخصیص معلوم ہے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ رہ گئے تھے۔

اس ہچل اور اضطراب میں اکثروں نے تو بالکل ہمت ہار دی لیکن جانا بازوں کا بھی زور نہیں چلتا تھا۔ جو جہاں تھا وہیں گھر کر رہ گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی کو خبر نہ تھی۔ حضرت علیؓ تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں اٹھتے جاتے تھے لیکن مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ نہ تھا۔ حضرت انسؓ کے چچا ابن نضرؓ لڑتے لڑتے موقع سے اگے نکل گئے۔ دیکھا تو حضرت عمرؓ نے مایوسی ہو کر ہتھیار پھینک دیا ہے۔ پوچھا:

”یہاں کیا کرتے ہو؟“

بولے:

”اب لڑ کر کیا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو شہادت پائی۔“

ابن نضرؓ نے کہا:

”اُن کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔“

یہ کہہ کر فوج میں گھس گئے اور لڑ کر شہادت پائی۔ لڑائی کے بعد جب اُن کی لاش دیکھی گئی تو اسی سے زیادہ تیر، تلوار اور نیزے کے زخم تھے۔ کوئی شخص پہچان تک نہ سکا۔ ان کی بہن نے انگلی دیکھ کر پہچانا۔

جہاں نشان خاص برابر لڑتے جاتے تھے لیکن نگاہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈتی تھیں۔ سب سے پہلے حضرت کعب بن مالکؓ کی نظر پڑی۔ چہرہ مبارک پر مغر تھا لیکن آنکھیں نظر آتی تھیں۔ حضرت کعبؓ نے پہچان کر پکارا:

”مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں۔“

یہ سن کر ہر طرف سے جاں نثار ٹوٹ پڑے۔ کفار نے اب ہر طرف سے ہٹ کر اسی رخ پر زور دیا۔ دل کا دل ہجوم کر کے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا۔ ایک دفعہ ہجوم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کون مجھ پر جان دیتا ہے؟“

زیاد بن سکن پانچ انصاری لے کر اس خدمت کے ادا کرنے کے لئے بڑھے اور ایک ایک نے جان بازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں (صحیح مسلم غزوہ احد میں ہے کہ سات انصاری تھے اور ساتوں نے باری باری اپنی جانیں فدا کیں) حضرت زیاد کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کا لاشہ قریب لاؤ۔ لوگ اٹھا کر لائے۔ کچھ کچھ جان باقی تھی۔ قدموں پر منہ رکھ دیا اور اسی حالت میں جان دی۔

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندی کہ بوقت جاں سپردن لبش رسیدہ باشی
 (ایک بہادر مسلمان اس عالم میں بھی بے پروائی کے ساتھ کھڑا کھجوریں کھا رہا تھا۔ اُس نے بڑھ کر پوچھا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اگر میں مارا گیا تو کہاں ہوں گا؟“

اُس نے فرمایا:

”جنت میں۔!“

اس بشارت سے بے خود ہو کر وہ اس طرح کفار پر ٹوٹ پڑا کہ شہید ہو گیا۔
 عبداللہ بن قتیہ جو قریش کا مشہور بہادر تھا صفوں کو چیرتا پھاڑتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آگیا اور چہرہ مبارک پر تلوار ماری۔ اس کے صدر سے مغفر کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں۔ چاروں طرف سے تلواریں اور تیر برسے تھے۔ یہ دیکھ کر جاں نثاروں نے آپ کو دائرہ میں لے لیا۔ ابو دھانہ جھک کر سپر بن گئے۔ اب جو تیر آتے تھے اُن کی پیٹھ پر آتے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے تلواروں کو ماتھے پر رکھا۔ ایک ماتھہ کٹ کر گر پڑا۔ بے درد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر تیر برسار ہے تھے اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

رَبِّ اغْفِرْ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ اے خدایا میری قوم کو بخش دے وہ جانتے نہیں

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے علاقے باپ تھے مشہور قدر انداز تھے۔ انہوں نے اپنے قدر تیر برسائے کہ دو تین کمائیں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئیں۔ انہوں نے پیر سے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر اوٹ کر لیا تھا کہ آپ پر کوئی وار نہ آنے پائے۔ آپ کبھی گردن کر دشمنوں کی فوج کی طرف دیکھتے، تو عرض کرتے:

”آپ گردن نہ اٹھائیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے۔ یہ میرا سیدنا سامنے ہے۔“
حضرت سعد و قاص بھی مشہور تیر انداز تھے اور اس وقت آپ کے رکاب میں حاضر تھے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ترکش ان کے آگے ڈال دیا اور فرمایا:
”تم پر میرے ماں باپ قربان، تیر مارتے جاؤ۔“

اسی حالت میں آپ کی زبان سے عبرت کے لہجے میں یہ الفاظ نکلے:

”وہ قوم کیا فلاح پاسکتی ہے جو اپنے پیغمبر کو زخمی کرتی ہے۔“

بارگاہ خداوندی میں یہ الفاظ پسند نہ آئے اور یہ آیت اتری

لَيْسَ لَكَ مِنْ أَمْرِ شَيْءٍ
تم کو اس معاملہ میں کچھ اختیار نہیں۔

چنانچہ صحیح بخاری غزوہ اُحُد میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت قدموں کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے کہ دشمن انہیں نہیں آسکتے تھے۔ ابوسفیان نے دیکھ لیا۔ فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا لیکن حضرت عمرؓ اور صحابہؓ نے پتھر برسائے جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکا۔

آپ کی وفات کی خبر مدینہ میں پہنچی تو اخلاص شعار نہایت یتیمی کے ساتھ دوڑے۔ جب فاطمہؓ نہانے آکر دیکھا تو ابھی تک چہرہ مبارک سے خون جاری تھا۔ حضرت علیؓ پیر میں بھر پانی لائے۔ جناب سیدہ دھوٹی تھیں لیکن خون نہیں تھمتا تھا۔ بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا زخم پر رکھ دیا۔ خون فوراً ختم گیا۔

ابوسفیان سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پکارا،

”یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔“

آپ نے حکم دیا:

”کوئی جواب نہ دے۔“
ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کا نام لے کر پکارا اور جب کچھ آواز نہ آئی تو پکار

کر بولا:

”سب مارے گئے۔“

حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ بول اٹھے:

”اودشمن خدا۔! ہم زندہ ہیں۔“

ابوسفیان نے کہا:

”اَعْلَى حَبْلٍ — اے مہل تو اونچا ہو۔“

صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کہا:

”اللہ اعلیٰ واجل — خدا اونچا اور بڑا ہے۔“

ابوسفیان نے کہا:

”لنا العزى ولا عوى لکم — ہمارے پاس عزت ہے تمہارے پاس نہیں۔“

صحابہؓ نے کہا:

”اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم — خدا تعالیٰ ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں۔“

ابوسفیان نے کہا:

”آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ فوج کے لوگوں نے مرزوں کے ناک کان کاٹ

لئے ہیں۔ میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا لیکن مجھ کو معلوم ہوا تو کچھ رنج بھی نہیں ہوا۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مستورات اور بچوں کو حضرت یمنؓ اور حضرت ثابتؓ کی

حفاظت میں مدینہ کے پاس کے قلعوں میں بھیج دیا۔ ان لوگوں کو شکست کی خبر معلوم ہوئی تو سب

کو چھوڑ کر اُحد کی طرف بڑھے۔ حضرت ثابتؓ مشرکوں کے ہاتھوں سے مارے گئے۔

حضرت یمنؓ کو مسلمان ہجوم میں پہچان نہ سکے۔ ان پر بلواریں برس پڑیں۔ ان کے صاحبزادے

حضرت حذیفہؓ نے ہر چند ہاں — ہاں کہا اور بھینچوایا کہ میرے باپ ہیں لیکن ہنگامہ میں کون سنتا

تھا۔ حذیفہؓ یہ کہہ کر رہ گئے:

”مسلمانو! خدا تمہارے اس گناہ کو بخش دے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ایمانؓ کا نوحہ بہا مسلمانوں کی طرف سے ادا کرنا چاہا لیکن حضرت حذیفہؓ نے معاف کر دیا۔

خاتونانِ قریش نے انتقامِ بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا۔ اُن کے تاکِ کان کاٹ لئے۔ ہند (حضرت امیر معاویہؓ کی ماں) نے ان پھولوں کا مار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئی اور اُن کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی۔ لیکن گلے سے اتر نہ سکا۔ اس لئے اُگل دینا پڑا۔ تارِ بخوں میں ہند کا لقب جو جگرِ خوار لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے۔ ہند فتح مکہ میں ایمان لائی لیکن جس طرح ایمان لائی وہ عبرت خیز ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

اس غزوہ میں اکثر خاتونانِ اسلام نے بھی شرکت کی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ جو حضرت انسؓ کی ماں تھیں زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ مشک خالی ہو جاتی تھی تو جا کر بھر لاتی تھیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ام سلیمؓ نے بھی، جو حضرت ابو سعیدؓ حذری کی ماں تھیں، یہی خدمت انجام دی۔

عین اس وقت جب کہ کافروں نے عام حملہ کر دیا تھا اور آپؐ کے ساتھ صرف چند جاندار رہ گئے تھے حضرت ام عمارۃؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہو گئیں۔ کفار جب آپؐ پر بڑھتے تھے تو تیرا اور تلوار سے روکتی تھیں۔ ابنِ قتیہ جب دراتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارۃؓ نے بڑھ کر روکا۔ چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا۔ انہوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دوسری زہ پہنے ہوئے تھا اس لئے کارگر نہ ہوئی۔ حضرت صفیہؓ حضرت حمزہؓ کی بہن، شکست کی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد کیا:

”حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔“

حضرت زبیرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا، بولیں:

”میں اپنے بھائی کا ماجرہ سُن چکی ہوں لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔ لاش پر گئیں۔ خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے لیکن انا للہ وانا علیہ راجعون کہہ کر چپ ہو رہی اور حضرت کی دعا مانگی۔

انصار میں سے ایک عقیفہ کے باپ، بھائی، شوہر سب اس معرکہ میں مارے گئے تھے۔ باری باری تین سخت حادثوں کی صدا اُس کے کانوں میں پڑتی جاتی تھی لیکن وہ ہر بار صرف یہی پوچھتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ لوگوں نے کہا بخیر ہیں۔ اُس نے پاس آکر چہرہ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھی:

”کل معیبة بعدک جلد۔ تیرے ہوتے سب معیبتیں پیچ ہیں۔“

مسلمانوں کی طرف ستر آدمی شہید ہوئے جن میں زیادہ تر انصار تھے لیکن مسلمانوں کے اظہار کا یہ حال تھا کہ اتنا کپڑا بھی نہ تھا کہ شہداء کی پردہ پوشی ہو سکتی۔ حضرت مصعب بن عمیر ایک صحابی تھے۔ ان کا پاؤں چھپا یا جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتا۔ آخر پاؤں اور سر کی گھاس سے چھپا دیئے گئے۔ یہ وہ حیرت انگیز منظر تھا کہ بعد کو بھی یہ واقعہ مسلمانوں کو یاد آ جاتا تو آنکھیں تر ہو جاتیں۔ شہداء بے غسل اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے دو دو ملا کر ایک ایک قبر میں دفن کئے گئے۔ جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اُس کو مقدم کیا جاتا۔ ان شہداء پر نماز جنازہ بھی اس وقت نہیں پڑھی گئی۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے لیکن دوسری کتابوں میں بعض ایسی روایتیں بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ پر تو خصوصیت کے ساتھ اور دوسرے شہداء پر بھی نماز جنازہ پڑھی۔ یہ شہداء ایک ایک کر کے اور بعض میں ہے کہ دس دس کر کے لائے جاتے تھے اور آپ ان پر نماز جنازہ پڑھتے تھے اور حضرت حمزہؓ کی لاش مبارک پر ہر جماعت کے ساتھ گویا ستر دفعہ یا سات دفعہ نماز ادا کی گئی، آٹھ برس بعد، وفات سے ایک دو برس پہلے، جب آپ دھر سے گزرے تو بے اختیار آپ پر رقت طاری ہو گئی اور اس طرح آپ نے پروردگار کے فرمائے چپے کوئی زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہا ہو اور اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا:

”مسلمانو! تم سے یہ خوف نہیں کہ پھر مشرک بن جاؤ گے لیکن یہ ڈر ہے کہ دنیا میں نہ بھنس

دونوں فوجیں جب میدان سے الگ ہوئیں تو مسلمان زخموں سے چور تھے تاہم یہ خیال کر کے کہ ابوسفیان مسلمانوں کو مغلوب سمجھ کر دوبارہ حملہ آور نہ ہو آپ نے مسلمانوں کی طرف روئے خطاب کر کے فرمایا:

”کون ان کا تعاقب کرے گا؟“

فوراً ستر آدمیوں کی ایک جماعت اس مہم کے لئے تیار ہو گئی، جس میں حضرت ابوبکرؓ اور زبیرؓ بھی شامل تھے۔

ابوسفیان اُحد سے روانہ ہو کر جب مقام روم پہنچا، یہاں خیال آیا کہ کام ناتمام رہ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے گمان تھا۔ دوسرے ہی دن آپ نے اعلان کر دیا کہ کوئی واپس نہ جائے۔ چنانچہ حمراء اسد تک جو مدینہ سے اٹھ میل ہے تشریف لے گئے۔ قبیلہ خزاعہ اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا لیکن درپردہ اسلام کا طرفدار تھا۔ اس کا رئیس معبد خزاعی شکست کی خبر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور واپس جا کر ابوسفیان سے ملا۔ ابوسفیان نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ معبد نے کہا:

”میں دیکھتا آتا ہوں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اس سروسامان سے آراستہ ہیں کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔“

غرض ابوسفیان واپس گیا۔ یہی واقعہ ہے جس کو مؤرخین نے تکثیر غزوات کے شوق میں ایک نیا غزوہ بنا لیا ہے اور حمراء الاسد کا ایک نیا عنوان قائم کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا۔ آپ جس طرف سے گزرتے تھے گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ آپ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں لیکن حمزہؓ کا کوئی فوج خواں نہیں۔ رقت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا:

اَمْ اَحْمَزَةُ فَلَا بَوَّاکِیْ لَہٗ

لیکن حمزہؓ کا کوئی رونے والا نہیں

ہانصار نے یہ الفاظ سنے تو تڑپ اٹھے۔ سب نے جا کر اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ

بر جا کہ حضرت حمزہؓ کا ماتم کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان انصار
 لی بھیڑ مٹی اور حضرت حمزہؓ کا ماتم بلند تھا۔ اُن کے حق میں دُعا ئے خیر کی اور فرمایا:
 ”میں تمہاری ہمدردی کا شکر گزار ہوں لیکن مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔“
 (عرب میں دستور تھا کہ مردوں پر عورتیں زور زور سے نوحہ اور بین کرتی تھیں، کپڑے پھاڑ
 لیتی تھیں، بال نوچتیں، گالوں پر تھپڑ مارتی تھیں اور چیختی چلاتی تھیں۔ یہ رسم بد اُسی دن سے بند کر
 دی گئی۔ اور فرمایا گیا کہ آج سے کسی مردہ پر نوحہ نہ کیا جائے۔ یہ بھی بعد کو ارشاد ہوا کہ اس طرح
 ماتم کرنا مسلمان کی شان نہیں)

واقعات متفرقہ — ۳

• اسی سال یعنی ۳ھ میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی۔ رمضان کی پندرہویں تاریخ تھی۔

• اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے جو حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں اور غزوہ بدر کے زمانے میں بیوہ ہو گئی تھیں، نکاح کیا۔

• اسی سال حضرت عثمانؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے شادی کی۔

• وراثت کا قانون بھی اسی سال نازل ہوا۔ اب تک وراثت میں ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہ تھا۔ ان کے حقوق کی بھی تفصیل کی گئی۔ مشرک کا نکاح مسلمان سے اب تک جائز تھا۔ اس سال اس کی بھی تحریم نازل ہوئی۔

سلسلہ غزوات و سرایا
۴

سریہ المسلمۃ ————— محرم ۱۴۰۰
سریہ ابن امیس ————— محرم ۱۴۰۰
بیر معونہ ————— صفر ۱۴۰۰
واقعہ رجیع ————— صفر ۱۴۰۰
واقعات متفرقہ ————— ۱۴۰۰

تمام قبائل عرب بجز ایک دو کے اسلام کے دشمن تھے۔ دشمنی زیادہ تر اس بنا پر تھی کہ ہر قبیلہ
ت پر مبنی کو اپنا دین و آئین سمجھتا تھا۔ اسلام اسی کو مٹانا تھا۔ اس کے ساتھ قریش کا اثر تمام عرب
پر تھا۔ حج کے زمانے میں تمام قبائل مکہ میں جمع ہوتے تھے اور قریش ان کو اسلام دشمنی پر براہِ گنہگار
تے تھے ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ تمام قبائل کی وجہ معاش لوٹ اور غارت گری تھی اور اسلام
کی کو نہ صرف تو لا بلکہ عملاً بھی روکتا تھا۔ اس لئے وہ جانتے تھے کہ اسلام اگر قائم ہو گیا تو ہمارے
مال معاش بند ہو جائیں گے۔ تاہم بدر کی فتح نے ایک عام رعب بٹھا دیا تھا جس کی وجہ سے
م قبیلے اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھ گئے۔ لیکن اُحد کی شکست نے حالت بدل دی اور دوبارہ
تمام قبائل دفعتاً اٹھ کھڑے ہوئے۔ سیرت نبویؐ میں سرایا (چھوٹی چھوٹی لڑائیاں) کا جو ایک
سلسلہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے اسی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔

سریہ ابوسلمہؓ

سب سے پہلے یکم محرم ۳۳ھ میں طلحہ اور خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو فید کے کوہستانی علاقہ

لے غزوہ اور سریہ میں جو فرق ہے اُس کے متعلق علمائے سیرت مختلف رائے ہیں۔ زیادہ مقبول یہ
رائے ہے کہ جس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوئے وہ غزوہ کے نام سے
موسوم ہے اور جس میں صحابہ افسر مقرر کر کے بھیج دیئے جاتے تھے وہ سریہ کہلاتا تھا اور تلف

قطن میں رہتا تھا۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی
 نے حضرت ابوسلمہؓ کو ایک سو پچاس مہاجرین اور انصار کے ساتھ اس طرف روانہ کیا۔ یہ خبر
 اُن کی جماعت منتشر ہو گئی۔

سریر ابن انیس

اس کے بعد محرم سنہ ۶ میں سفیان بن خالد نے جو قبیلہ لحيان کا تھا اور جو کوہستان
 رئیس تھا مدینہ پر حملے کا قصد کیا۔ اس کے مقابلے کے لئے آپؐ نے حضرت عبداللہ بن ابی
 جہنہؓ نے لطائف الحیل سے موقع حاصل کیا اور سفیان کو قتل کر دیا۔

بیمبر معونہ

صفر سنہ ۶ میں ابوبراء کلابی جو قبیلہ کلاب کا رئیس تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
 میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ چند لوگوں کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ میری قوم کو اسلام
 دیں۔ آپؐ نے فرمایا:

”مجھ کو نجد کی طرف سے ڈر ہے۔“

داور یہ کچھ بے ساجھی نہ تھا۔ عامر بن طفیل جو ان اطراف کا رئیس تھا اُس نے آنحضرت صلی
 علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میرے تمہارے درمیان تین باتیں ہیں۔ باد یہ کے مالک تم بنو اور شہر
 میں بنو یا اپنے بعد مجھ کو اپنا جانشین بناؤ ورنہ غطفان کو لے کر میں پڑھ آؤں گا۔ آنحضرت صلی
 علیہ وسلم نے منظور نہیں فرمایا تھا۔

ابوبراء نے کہا:

”اُن کا میں ضامن ہوں۔“

آپؐ نے منظور فرمایا اور ستر انصار ساتھ کر دیئے۔ یہ لوگ نہایت مقدس اور درویش تھے۔
 اور اکثر اصحاب صفہ میں سے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ دن بھر لکڑیاں چیتے، شام کو فروخت کر کے
 کچھ اصحاب صفہ کے نذر کرتے کچھ اپنے لئے رکھتے۔

ان لوگوں نے بیر معونہ پہنچ کر قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر بن طفیل دین مالک بن جعفر کلابی عامری، کے پاس بھیجا جو قبیلہ کلابی میں تھا۔ عامر نے حرام کو دیا اور اس پاس کے جو قبائل تھے یعنی عصبہ، رعل، ذکوان سب کے پاس آدمی دوڑا کہ تیار ہو کر آئیں۔ ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا اور عامر کی سرداری میں آگے بڑھا۔ صحابہؓ حرام پس کے منتظر تھے۔ جب دیر لگی تو خود روانہ ہوئے۔ راستے میں عامر کی فوج کا سامنا ہوا کفار ان کو گھیر لیا اور سب کو قتل کر دیا۔ صحابہؓ کی اس جماعت میں حضرت کعب بن زید بھی تھے۔ نے سمجھا کہ یہ بھی شہید ہو گئے لیکن ان میں جان باقی تھی اور بعد کو زندہ بیچ گئے اور غزوہ ٔ میں شہید ہوئے) صرف عمرو بن امیہ کو عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا۔

”میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی مدت مانی تھی۔ میں تجھ کو آزاد کرتا ہوں۔“ یہ کہہ کر ان کی چوٹی کاٹی اور چھوڑ دیا۔ حضرت عمرو بن امیہ اور حضرت منذر بن عتبہ انصاری تھے۔ جب یہ مقام حادثہ پر پہنچے تو حضرت منذر کو شہید کر دیا گیا اور حضرت عمرو بن امیہ کو لیا گیا۔ اور بعد کو وہ چھوڑ دیئے گئے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو قدر صدمہ ہوا۔ مہینہ بھر نماز فجر میں ان ظالموں کے حق میں بددعا کی۔ حضرت عمرو بن امیہ نے پس میں راستہ میں بنی عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے چکے تھے۔ مگر حضرت عمرو بن امیہ کو اس کا علم نہ تھا۔ وہ یہ سمجھے کہ ہم نے بنی عامر سے ان کی اس بے وفائی کا بدلہ لے لیا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے حق کی ہے۔ (جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو) اس پر آپؐ نے ناراضی ظاہر فرمائی۔ دونوں کے خوں بہا ادا کر دینے کا اعلان فرمایا۔

واقعہ رجب

انہی دنوں غصہ اور قارۃ، جو دو مشہور قبیلے ہیں، ان کے چند آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ چند لوگوں کو ہمارے ہاں بھیجئے کہ اسلام کے احکام اور عقائد سکھائیں۔ آپؐ نے دس آدمی ساتھ کر دیئے جن کے سردار حضرت

عاصم بن ثابت تھے۔ یہ لوگ جب مقام ربیع پر پہنچے جو غسفان اور مکہ کے وسط میں ہے تو
غداروں نے بد عہدی کی اور قبیلہ بنو لحيان کو اشارہ کیا کہ ان کا کام تمام کر دیں۔ بنو لحيان دو
لے کر جن میں ایک سو تیرا نڈاز تھے، ان لوگوں کے تعاقب میں چلے اور ان کے قریب آگئے۔ ان
نے بڑھ کر ایک ٹیکرے پر پناہ لی۔ تیرا نڈازوں نے اُن سے کہا:

"اتر آؤ! ہم تم کو امن دیتے ہیں۔"

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں کافر کی پناہ میں نہیں آتا۔"

یہ کہہ کر خدا سے خطاب کیا کہ

"اپنے پیغمبر کو خبر پہنچا دے۔"

غرض وہ مع سات آدمیوں کے لڑ کر تیرا نڈازوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ (قریش
چند آدمیوں کو بھیجا کہ عاصم کے بدن سے گوشت کا ایک لوٹھڑا کاٹ لائیں کہ اُن کی شناخت ہو
قدرت خداوندی نے شہید مسلم کی یہ تحقیر گوارا نہ کی۔ شہید کی مکھیوں نے لاش پر پرا ڈال دیا۔
نا کام پھر گئے) لیکن (تین) شخصوں نے جن (میں سے دو) کے نام حضرت خبیبؓ اور حضرت
(بن الدثنه) تھے، کافروں کے وعدہ پر اعتماد کیا اور ٹیکرے سے اتر آئے۔ کافروں نے بد عہد
کر کے ان کی مشکیں کس لیں اور مکہ میں لے جا کر بیچ ڈالا۔ (بخاری کتاب المغازی) نے اس موقع پر
تیسرے بزرگ کا ذکر کیا ہے، اُن کا نام نہیں لکھا ہے۔ ابن اسحاق نے اُن کا نام حضرت عبد
بن طارق بتلایا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ اسی وقت اس موقع پر شہید
کر دیئے گئے لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ یہاں سے آگے چل کر مکہ کے راستہ میں بمقام ظہران
ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔

حضرت خبیبؓ نے جنگ احد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا، اس لئے ان کو حارث کے
لڑکوں نے خریدا کہ باپ کے بدلہ میں قتل کریں گے۔ چند روز انہی کے گھر میں رہے۔ ایک دن حارث
کی نواسی کو کھلا رہے تھے۔ اتفاق سے ہاتھ میں چھری تھی۔ بچی کی ماں اتفاقاً کہیں سے آگئی۔
دیکھا کہ حضرت خبیبؓ کے ہاتھ میں تنگی چھری ہے۔ کانپ اٹھی۔

حضرت خبیثؓ نے کہا:

"کیا تو یہ سمجھی کہ میں اس کو قتل کر دوں گا؟ ہمارا یہ کام نہیں۔"

خاندانِ حارث ان کو حرم سے باہر لے گیا اور قتل کرنا چاہا۔ انہوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی۔ قاتلوں نے اجازت دی۔ انہوں نے دو رکعت نماز پڑھ کر کہا:

"دیر تک پڑھنے کو جی چاہتا تھا لیکن تم کو نبیال ہو گا کہ موت سے ڈرتا ہوں۔"

پھر یہ اشعار پڑھے:

"جب میں اسلام کے لئے قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھ کو اس کی پروا نہیں کہ کس پہلو قتل کیا جاؤں گا۔ یہ جو کچھ ہے خالص خدا کے لئے ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو جسم کے ان پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل کرے گا۔"

حارث کے بیٹے ابوسرور نے حضرت خبیثؓ کو شہید کیا تھا بعد کو مسلمان ہوئے اور شرفِ صحابیت سے سرفراز ہوئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خبیثؓ کے اس فعل کی اطلاع ملی تو آپؐ نے اس کو پسند فرمایا۔ اسی زمانہ سے دستور ہے کہ کسی کو قتل کرتے ہیں، تو مقتول پہلے دو رکعت نماز ادا کر لیتا ہے اور یہ مستحب سمجھا جاتا ہے۔

دوسرے صاحبِ حضرت زیدؓ تھے۔ ان کو صفوان بن امیہ نے قتل کے ارادہ سے خرید لیا تھا۔ ان کے قتل کے وقت قریش کے معزز سردار تماشا دیکھنے آئے جن میں ابوسفیان بھی تھا۔ جب قاتل نے تلوار مارتی تھی، تو ابوسفیان نے کہا:

"سچ کہنا، اس وقت تمہارے بدلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کئے جاتے تو کیا تم اس کو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے؟"

بولے:

"خدا کی قسم! میں تو اپنی جان کو اس کے برابر بھی عزیز نہیں رکھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلواروں میں کاٹا چمبھ جائے۔"

صفوان کے غلام فسطاس نے ان کی گردن مار دی۔ فسطاس نے بعد کو اسلام قبول کیا۔

ان لڑائیوں کا سلسلہ یہود کی لڑائیوں سے مل جاتا ہے اور چونکہ یہود کے واقعات اور ان

کی سرگزشت تاریخ اسلام سے گونا گوں تعلقات رکھتی ہے۔ اس لئے ہم ان کے واقعات مستقل حیثیت سے لکھتے ہیں اور اس غرض کے لئے کسی قدر ہم کو پچھلے زمانہ کی طرف واپس آنا پڑے گا۔

واقعات متفرقہ

اسی سال شعبان میں حضرت حسینؑ کی ولادت ہوئی۔

اسی سال ازواج مطہراتؑ میں سے حضرت زینب بنت خزيمةؑ نے انتقال فرمایا جن سے

اسی سال نکاح بھی ہوا تھا۔

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ عبرانی زبان لکھنا پڑھنا سیکھ لیں۔ اور فرمایا کہ مجھ کو یہودی پراطینان نہیں۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ حضرت زیدؓ نے صرف پندرہ دن میں عبرانی زبان سیکھ لی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں عبری زبان سے لوگ بہت کچھ آشنا تھے۔

اسی سال شوال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا۔

اسی سال یہودیوں نے آپؐ کے سامنے ایک یہودی کا مقدمہ پیش کیا اور آپؐ نے تورات

کے مطابق رجم کا حکم دیا۔

بعض مؤرخوں کے نزدیک شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا لیکن اس میں وثائق نہایت مختلف ہیں۔

ہیولین کسانتہ

معاہدہ اور جنگ

۲۰ ————— ۲۰

غزوه بنى قينقاع ————— شوال ٢٤هـ

قتل كعب بن اشرف ————— ربيع الاول ٢٥هـ

غزوه بنو نضير ————— ربيع الاول ٢٥هـ

اوپر گزر چکا ہے کہ یہود مدتِ دراز سے مدینہ پر فرمانروا تھے۔ انصار نے اُن کے ساتھ تعلقات پیدا کئے اور رفتہ رفتہ حریفانہ اقتدار حاصل کیا لیکن جنگِ بعاث نے اُن کی قومی طاقت ٹوڑ دی اور اب وہ اس قابل نہیں رہے تھے کہ یہود سے ہمسری کا دعویٰ کر سکتے۔

یہود کے تین قبیلے تھے۔ قینقاع، نصیر، قرظہ۔ یہ سب مدینہ کے اطراف و حوالی میں آباد تھے اور عموماً زمیندار، دولت مند، تجارت پیشہ اور صنایع تھے۔ قینقاع زرگری کا پیشہ کرتے تھے اور چونکہ سب میں زیادہ بہادر اور شجاع تھے اس لئے ہمیشہ ان کے پاس اسلحہ جنگ کے ذخیرے ہمارہتے تھے۔ انصار عموماً ان کے مقروض اور زیر بار تھے۔ ملکی اور تجارتی افسری کے ساتھ ان لوگوں کا مذہبی اور علمی اثر بھی تھا۔ انصار عموماً بت پرست اور جاہل تھے۔ اس بنا پر وہ یہود کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور اُن کو اپنے سے زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے۔ جن لوگوں کے بیچے زندہ نہیں رہتے تھے وہ منت مانتے تھے کہ ہمارا بیٹا زندہ رہے گا تو ہم اُس کو یہود بنا دیں گے۔ چنانچہ مدینہ میں اس قسم کے بہت سے جدید الیہودیتہ موجود تھے۔

یہود میں امتدادِ زمانہ سے نہایت اخلاقِ ذمہ پیدا ہو گئے تھے۔ ان کے امتیازی خصائص زندگی یہ تھے کہ ہر طرف یمن دین کا کاروبار پھیل رہا تھا اور تمام آبادی ان کے قرضوں میں زیر بار تھی اور چونکہ تنہا وہی صاحبِ دولت تھے اس لئے نہایت بے رحمی سے سود کی بڑی شرحیں مقرر کرتے تھے۔ اور قرضہ کی کفالت میں لوگوں کے بال بچے یہاں تک کہ مستورات کو رہن رکھواتے تھے۔ کعب اشرف نے خود اپنے انصاری دوستوں سے یہی درخواست کی تھی اور مختلف طریقوں سے لوگوں

کے مال اور جائیداد پر تصرف کرتے تھے۔

طماعی اور حرص کی شدت سے یہ حالت تھی کہ معصوم بچوں کو دو چار روپے کے زیور کے لئے پتھر سے مار ڈالتے تھے۔ دولت کی بہتات سے زنا اور بدکاری کا عام رواج تھا اور چونکہ زیادہ تر امراء اس کے مرتکب ہوتے تھے اس لئے ان کو سزا نہیں دے سکتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے دریافت فرمایا:

”کیا تمہاری شریعت میں زنا کی سزا صرف در سے مارنا ہے؟“

اُس نے کہا:

”نہیں۔ بلکہ سنگسار کرنا ہے۔ لیکن ہمارے شرفاء میں زنا کی کثرت ہو گئی اور جب کوئی شریف اس جرم میں پکڑا جاتا تو ہم اُس کو چھوڑ دیتے تھے البتہ عام آدمیوں کو یہ سزا دیتے تھے بالآخر یہ قرار پایا کہ سنگسار کرنے کی سزا در سے بدل دی جائے تاکہ شریف اور ذلیل سب کو یکساں سزا دی جاسکے۔“

اسلام مدینہ میں آیا تو یہود کو نظر آیا کہ اب ان کا جابرانہ اور خود غرضانہ اقتدار قائم نہیں رہ سکتا۔ اسلام جس قدر روز بروز مدینہ میں پھیلتا جاتا تھا اسی قدر یہودیوں کے مذہبی وقار کو جو ان کو مدّتوں سے حاصل تھا زوال ہوتا جاتا تھا۔ مدینہ کے مشرکین میں یہودیت جو تدریجاً پھیل رہی تھی، دفعۃً رک گئی۔ نئی نئی فتوحات کی بدولت انصار جس قدر دولت مند ہوتے جاتے تھے، یہودیوں کے قرض کے شکنجے سے آزاد ہوتے جاتے تھے۔ یہودیوں میں جو اخلاق بد عموماً پھیلے ہوئے تھے اور جن پر دولت مندی اور مذہبی پیشوائی نے پردہ ڈال رکھا تھا، اب ان کا راز فاش ہونے لگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ ان سے معاہدہ کیا تھا کہ ان کے جان و مال سے کچھ تعرض نہیں کیا جائے گا اور ان کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی لیکن منصب نبوت کی حیثیت سے ذمائم اخلاق پر وعظ اور تذکیر آپ کا فرض نبوت تھا۔

ان اسباب نے تمام یہود میں اسلام کی طرف سے سخت ناراضی پھیلا دی۔ انہوں نے طرح طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں دینی اور اسلام کے خلاف کوششیں کرنی شروع کیں۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا کہ ان کی ہر طرح کی ایذا رسانیوں کو برداشت کریں۔ یہودیوں نے معمول کر لیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام علیکم کرتے تو بجائے السلام علیک کے السلام علیک کہتے جس کے معنی یہ ہیں کہ تجھ کو موت آئے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ بھی موجود تھیں۔ انہوں نے سنا تو ان کو سخت غصہ آیا اور بے اختیار ہو کر بول اٹھیں:

”کم بختو! تم کو موت آئے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”زحیٰ سے کام لو۔“

حضرت عائشہؓ نے کہا:

”آپ نے کچھ سنا بھی کہ ان لوگوں نے کیا کہا؟“

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

”ہاں! لیکن یہ کافی ہے کہ میں نے علیک کہہ دیا۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف محابلت اور درگزر ہی پر اکتفا نہیں فرماتے تھے اکثر معاشر کی باتوں میں یہود کے ساتھ اتفاق فرماتے اور ان کی مذہبی توقیر رکھنا چاہتے تھے۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ بالوں میں مانگ نکالتے تھے بخلاف اس کے یہودی بالوں کو یوں ہی چھوڑ دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہودیوں ہی کی موافقت کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے۔ آپؐ نے بھی حکم دیا کہ لوگ عاشورہ کو روزہ رکھیں۔ کسی یہودی کا جنازہ گزرتا تو آپؐ تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔

ایک دفعہ ایک یہودی نے حضرت موسیٰؑ کی فضیلت اس طرح بیان کی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہیں۔ اس پر ایک انصاری کو غصہ آگیا۔ انہوں نے اس کو پیٹھ مارا۔ یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا:

”مجھ کو اون پیغمبروں پر (ایسی) فضیلت نہ دو جس سے ان کا نقص لازم آئے، قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ اور سب سے پہلے مجھ کو ہوش آئے گا۔ اس وقت میں دیکھوں گا

احکام الہی جو قرآن مجید میں نازل ہو رہے تھے سرتا پا اہل کتاب کے ساتھ مدارات اور معاشرت کی ترغیب میں تھے (ملاحظہ ہو مائدہ، بقرہ، اہل عمران، نساء میں متعدد آیات) ان باتوں میں سے ایک بھی ان کے معتقدات اور مزعومات کے خلاف نہ تھی۔ لیکن ان تمام مہربانیوں اور اظہارِ لطف و مدارات کا جو صلہ تھا یہ تھا کہ انہوں نے ہر طرح سے اسلام کی خانہ براندازی کا عزم کر لیا۔ اسلام کی عظمت اور وقار کم کرنے کے لئے مشرکوں سے کہتے کہ مذہب میں مسلمانوں سے تو تم ہی اچھے ہو۔ مذہب اسلام کی بے اعتباری پھیلانے کے لئے یہاں تک آمادہ ہوئے کہ مسلمان ہو کر پھر مرتد ہو جاتے تاکہ لوگوں کو خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اس کو قبول کر کے کوئی کیوں چھوڑ دیتا۔

ان باتوں کے علاوہ اسلام کی بربادی کی ملکی تدبیریں اختیار کیں۔ وہ یہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کو جو قوت ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ انصار کے دو قبیلے اوس اور خزرج جو باہم لڑتے بھڑتے رہتے تھے اسلام نے ان کو باہم متحد کر دیا ہے۔ ان دونوں کو اگر پھر لڑا دیا جائے تو اسلام خود بخود فنا ہو جائے گا۔ عرب میں پھیلی کینہ آوریوں کو تازہ کر دینا نہایت آسان کام تھا۔ ایک دفعہ دونوں قبیلوں کے بہت سے آدمی جلسہ میں بیٹھ کر بات چیت کر رہے تھے۔ چند یہودیوں نے اس صحبت میں جا کر جنگ بعات کا تذکرہ چھیڑا۔ یہ وہ لڑائی تھی جس میں انصار کے یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑے تھے اور اسی لڑائی نے ان کی تمام قوت برباد کر دی تھی۔ اس لڑائی کے تذکرہ نے دونوں کو پرانے واقعے یاد دلائے اور دفعۃً عداوت کی وہی ہوئی آگ بھڑک اٹھی۔ لعن و لعن سے گزر کر تلواریں کھینچ گئیں۔ حسن اتفاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی۔ آپ نے موقع پر پہنچ کر وعظ و پند سے دونوں فریق کو ٹھنڈا کیا۔

منافقین کا ایک گروہ پہلے سے موجود تھا جو اگرچہ بظاہر مسلمان ہو گیا تھا لیکن درحقیقت اسلام کا سخت دشمن تھا۔ اس گروہ کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ یہودیوں نے اس کو نہایت آسانی سے دہرودہ ملا لیا اور ان کے ساتھ مل کر سازش شروع کی۔ اتفاق یہ کہ عبداللہ بن ابی پہلے سے بھی بنی نضیر کا حلیف اور ہم پیمان تھا۔

قریش نے بدر سے پہلے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا کہ مسلمانوں کو نکال دو ورنہ ہم آکر تمہارا شیعہ کر دیں گے۔ لیکن جب اس میں کامیابی نہیں ہوئی جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے تو بدر کے بد انہوں نے یہود کو خط لکھا:

”تم لوگوں کے پاس اسلحہ جنگ اور قلعہ جات ہیں۔ تم ہمارے حریف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑو ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ کر دیں گے اور کوئی چیز ہم کو تمہاری عورتوں کے کڑوں تک پہنچنے سے روک نہ سکے گی۔“

عرض اب حالت یہ ہو گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو گھر سے نکلتے تھے یہودیوں کی وجہ سے جان کا خطرہ رہتا تھا۔ حضرت طلحہ بن برادر ایک صحابی تھے۔ انہوں نے انتقال کے وقت وصیت کی کہ اگر میں رات کے وقت مروں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ کرنا اس لئے کہ یہود کی طرف سے ڈر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے آپ پر حادثہ گزر جائے۔

غزوہ بنی قینقاع (شوال ۱۱ھ)

بدر کی فتح نے یہود کو زیادہ اندیشہ ناک کر دیا۔ ان کو اعلانیہ نظر آیا کہ اسلام ایک طاقت بناتا ہے اور کیونکہ قبائل یہود میں شہب سے زیادہ جبری اور بہادر قینقاع تھے اس لئے سب سے پہلے انہی نے اعلان جنگ کی جرات کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معاہدہ کیا تھا، سب سے پہلے انہی نے اس کی عہد شکنی کی۔

ایک اتفاقہ سبب پیش آگیا جس نے اس آگ کو اور بھڑکا دیا۔ ایک انصاری (کی بیوی) مدینہ کے بازار میں ایک یہودی کی دکان میں (نقاب پوش) آئیں۔ یہودیوں نے ان کی بے حرمتی کی۔ ایک مسلمان یہ دیکھ کر غیرت سے بے تاب ہو گیا اور اس نے یہودی کو مار ڈالا۔ یہودیوں نے مسلمان کو قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

”خدا سے ڈرو! ایسا نہ ہو تم پر بھی بدر والوں کی طرح عذاب آئے۔“

بولے:

”ہم قریش نہیں ہیں۔ ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی اس کا نام
چونکہ اُن کی طرف سے نقص عہد اور اعلان جنگ ہو گیا تھا مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ
نے لڑائی کی۔ وہ قلعہ بند ہوئے۔ پندرہ دن تک محاصرہ رہا۔ بالآخر اس پر راضی ہوئے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ کریں گے اُن کو منظور ہوگا۔ عبد اللہ بن ابی اُن کا حلیف
اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ جلا وطن کر دیئے جائیں۔ عزم
اذرعات میں جو شام کے علاقہ میں ہے جلا وطن کر دیئے گئے۔ یہ سات سو شخص تھے جن میں
زیر پوش تھے۔ یہ سوال سلسلہ کا واقعہ ہے۔

قتل کعب بن اشرف (ربیع الاول ۳۱ھ)

یہودیوں میں کعب بن اشرف ایک مشہور شاعر تھا۔ اس کے باپ اشرف نے جو قبیلہ طے
تھا، مدینہ میں بنو نضیر کا حلیف ہو کر اس قدر عزت اور اعتبار پیدا کیا کہ ابو رافع بن ابی الحقیق
یہود کا مقتدا اور تاجرا لحجاز جس کا خطاب تھا اُس کی لڑکی سے شادی کی۔ کعب اُس کے
سے پیدا ہوا۔ اس دو طرفہ رشتہ داری کی بنا پر کعب یہود اور عرب سے برابر کا تعلق رکھتا
اور شاعری کی وجہ سے قوم پر اس کا عام اثر تھا۔ رفتہ رفتہ دولت مندی کی وجہ سے
یہودیوں میں غرب کا رئیس بن گیا۔ یہودی علماء اور پیشوایان مذہب کی تنخواہیں مقرر کیں۔ آنحضرت صلی
علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے اور علمائے یہود اس سے ماہواری لینے آئے تو ان
ان لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رائے دریافت کی اور جب اپنا ہم خیال
بنالیا تب ان کے مقررہ روزینے جاری کئے۔

اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی۔ بدر کی لڑائی میں سردارانِ قریش مارے گئے تو اس
نہایت صدمہ ہوا۔ تعزیت کے لئے مکہ گیا۔ کشتگانِ بدر کے پُر درویشیے جن میں انتقام کی
تھی لوگوں کو جمع کر کے نہایت درد سے پڑھتا اور روتا اور رلاتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ مکہ میں چالیس آدمی لے کر گیا۔ وہاں ابوسفیان سے ملا اور اُس

بدر کے انتقام پر برا بیگنہ کیا اور ابوسفیان سب کو لے کر حرم میں آیا۔ سب نے حرم کا پردہ ٹھام کر معاہدہ کیا کہ بدر کا انتقام لیں گے۔ اس پر اکتفا نہ کر کے قصد کیا کہ چپکے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرادے۔

فتنہ انگیزی کا زیادہ اندیشہ ہوا تو آپ نے بعض صحابہؓ سے شکایت کی اور آپ کی مرضی سے حضرت محمد بن مسلمہ نے بمشورہ رؤسائے اوس جا کر اس کو ربیع الاول ۳ھ میں قتل کر دیا۔

غزوہ بنو نضیر (ربیع الاول ۳ھ)

حضرت عمرو بن امیہ نے قبیلہ عامر کے (جو) دو آدمی قتل کر دیئے تھے اور جن کا خوں بہا اب تک واجب الادا تھا اور جس کا ایک حصہ معاہدہ کی رو سے یہود بنو نضیر پر واجب الادا تھا، اس کے مطالبہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے قبول کیا لیکن درپردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے بالا خانے پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر گرا دے۔ اتفاق سے اس وقت آپ بالا خانے کی دیوار کے سائے میں کھڑے تھے۔ عمرو بن حجاز ایک یہودی اس ارادہ سے کوٹھے پر چڑھا۔ آپ کو اس کے ارادہ کا حال معلوم ہو گیا اور آپ فوراً مدینہ واپس چلے آئے۔

اوپر گزر چکا ہے کہ قریش نے بنو نضیر کو کہلا بھیجا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دو ورنہ ہم خود آکر تمہارا انہیصال کر دیں گے۔ بنو نضیر پہلے سے اسلام کے دشمن تھے۔ قریش کے پیغام نے ان کو اور زیادہ آمادہ کیا۔ بنو نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ تیس آدمیوں کو لے کر آئیں۔ ہم بھی اپنے اسباب لے کر آئیں گے۔ آپ کا کلام سن کر اگر ہمارے اسباب آپ کی تصدیق کریں گے تو ہم کو بھی کچھ عذر نہ ہوگا۔ چونکہ وہ بغاوت کی تیاری کر چکے تھے، آپ نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم ایک معاہدہ نہ لکھ دو میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ آپ یہودی قریش کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے تجدید معاہدہ کی درخواست کی۔ انہوں نے تمہیل کی۔ بنو نضیر کے لئے یہ نظیر موجود تھی کہ ان کے برادران دینی نے معاہدہ لکھ دیا ہے لیکن وہ کسی طرح معاہدہ کرنے پر راضی نہ ہوئے۔

بالآخر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ تین آدمی لے کر آئیں ہم بھی تین عالم ساتھ لے کر آتے ہیں۔ یہ علماء اگر آپ پر ایمان لائیں گے تو ہم بھی لائیں گے آپ نے منظور فرمایا لیکن راہ میں آپ کو ایک صحیح ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہود تلواریں باندھ کر تیار ہیں کہ جب آپ تشریف لائیں تو آپ کو قتل کر دیں۔

بنو نضیر کی سرکشی کے مختلف اسباب تھے۔ وہ نہایت مضبوط قلعوں میں پناہ گزین تھے جن کا فتح کرنا آسان نہ تھا۔ اس کے ساتھ عبداللہ بن ابی نے کہلا بھیجا تھا کہ تم اطاعت نہ کرنا۔ بنو قریظہ تمہارا ساتھ دیں گے اور میں دو ہزار آدمی لے کر تمہاری اعانت کو آؤں گا لیکن بنو نضیر کے تمام خیالات غلط نکلے۔ بنو قریظہ نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور منافق علانیہ اسلام کے مقابلہ میں نہیں آ سکتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کیا۔ قلعہ کے گرد جوان کے غلستان تھے ان کے چند درخت کٹوا دیئے۔ بالآخر بنو نضیر اس شرط پر راضی ہوئے کہ جس قدر مال و اسباب اونٹوں پر لے جا سکیں اور مدینہ سے باہر نکل جائیں۔ چنانچہ سب گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے۔ ان میں سے معزز رؤسا مثلاً سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع، حنیس بن اخطاب خیبر چلے گئے۔ وہاں لوگوں نے ان کا اس قدر احترام کیا کہ خیبر کا رہائش تسلیم کر لیا۔ اس واقعہ کو اس غرض سے یاد رکھنا چاہئے کہ یہ غزوہ خیبر کی داستان کا دیباچہ ہے۔

بنو نضیر اگرچہ وطن چھوڑ کر نکلے لیکن اس شان سے نکلے کہ جشن کا دھوکا ہوتا تھا! اونٹوں پر سوار تھے۔ ساتھ ساتھ باجا بجاتا تھا۔ مطربہ عورتیں دف بجاتی اور گاتی تھیں۔ عروہ بن الورد عسبی مشہور شاعر کی بیوی کو یہود نے خرید لیا تھا۔ وہ بھی ساتھ ساتھ تھی۔ اہل مدینہ کا بیان ہے کہ اس مردمان کی سواری کبھی ان کی نظر سے نہیں گزری تھی۔ ہتھیاروں کا ذخیرہ جوان لوگوں نے چھوڑا اس میں پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں۔ ان کے جانے کے بعد یہ جھگڑا پیش آیا کہ انصار کی اولاد جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا اور یہودی ان کو اتحاد مذہب کی وجہ سے ساتھ لئے جاتے تھے، انصار نے ان کو روک لیا کہ ہم ان کو جانے نہ دیں گے! اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری۔

لَا اِكْوَاهَ فِي الدِّينِ۔

یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے۔

غزوه مریح و افق

لور

غزوه احزاب

ش

غزوہ مرسیع یا بنی المصطلق _____ شعبان ۵۰۰ھ

حضرت جویریہؓ کا واقعہ _____

واقعہ انک _____

غزوہ احزاب _____ ذیقعد ۵۰۰ھ

بنو قریظہ کا غنائم _____

حضرت زینبؓ سے نکاح _____

واقعات متفرقہ _____ ۵۰۰ھ

قریش اور یہود کی متفقہ سازش نے اب مکہ سے لے کر مدینہ تک آگ لگا دی جس قدر قبائل تھے سب نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سب سے پہلے انمار اور ثعلبہ نے یہ ارادہ کیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی۔ ۱۰۔ محرم ۳۵ھ کو آپ مدینہ سے چار سو صحابہؓ کو لے کر نکلے اور ذات الرقاع تک تشریف لے گئے لیکن آپ کی آمد سن کر وہ پہاڑوں میں بھاگ گئے۔

ربیع الاول ۳۵ھ میں یہ خبر آئی کہ دومتہ الجندل میں کفار کی ایک عظیم الشان فوج جمع ہو رہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار کی جمیعت لے کر مدینہ سے نکلے۔ ان کو خبر ہوئی تو وہ بھاگ گئے۔

غزوہ مزینہ یا بنی المصطلق (شعبان ۳۵ھ)

خزاعہ ایک قبیلہ تھا جو قریش کا حلیف تھا اور ہم عہد تھا۔ قریش کو ایک زمانہ میں یہ خیال آیا کہ ہم ابراہیم کی نسل سے ہیں اس لئے ہم کو اوروں سے ہر باب میں ممتاز ہونا چاہیے حج کا ایک بڑا رکن عرفات کے میدان میں قیام کرنا ہے لیکن چونکہ یہ میدان حرم کی حدود سے باہر ہے قریش نے یہ قاعدہ قرار دیا کہ لوگ عرفات جائیں لیکن ہم کو عرفات کے بجائے مزدلفہ میں ٹھہرنا چاہیے جو حدود حرم کے اندر ہے۔ اسی قسم کی اور امتیازی باتیں قائم کیں۔ ان خصائص کی بنا پر اپنا لقب احس رکھا لیکن اس قدر فیاضی کی کہ جو لوگ ان پابندیوں کو قبول کر لیتے تھے

اُن کو بھی یہ لقب دے دیتے اور اُن سے رشتہ ناطہ کرتے تھے۔ قبیلہ خزاعہ کو بھی یہ شرف عطا کیا تھا۔

خزاعہ کا ایک خاندان بنو المصطلق کہلاتا تھا۔ وہ مقام مزبیع میں جو مدینہ منورہ سے منزل ہے، آباد تھا۔ اس خاندان کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا۔ اُس نے قریش کے اشار سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ہوئی، تو منہ تحقیقات کے لئے حضرت زید بن حصیب کو بھیجا۔ انہوں نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی۔ انہوں نے صحابہؓ کو تیاری کا حکم دیا۔ ۲ شعبان کو فوجیں مدینہ سے روانہ ہوئیں۔ مزبیع میں خبر پہنچی، تو حارث کی جمیعت منتشر ہو گئی اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا لیکن مزبیع میں جو لوگ آباد تھے انہوں نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر رہتے رہے۔ مسلمانوں نے دفعۃً ایک مارا حملہ کیا تو اُن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دس آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہو گئے جن کی تعداد تقریباً چھ سو تھی۔ غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں لاکھ آئیں۔

یہ لڑائی معمولی لڑائی تھی لیکن اتفاق سے بعض شہرت پذیر واقعات ایسے پیش آئے جن کی وجہ سے اس لڑائی کا خاص عنوان قائم کیا جاتا ہے۔ اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ غنیمت کے لالچ سے بہت سے منافقین بھی فوج میں داخل ہو گئے تھے۔ یہ بد باطن ہر موقع پر فتنہ گری کی کوشش کرتے تھے۔ ایک دن چشمہ سے پانی لینے پر ایک مہاجر اور انصاری میں جھگڑا ہو گیا۔ انصاری نے عرب کے قدیم طریقہ پر یا لانا انصار (انصار کی جے) کا نعرہ مارا۔ مہاجر نے بھی یا معاشرۃ المہاجرین کے نعرہ سے جواب دیا۔ نعرے سن کر قریش و انصار نے تلواریں کھینچ لیں اور قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے لیکن چند لوگوں نے پیچ بھاؤ کرا دیا۔ عبداللہ بن ابی جوشس المنافقین تھا اُس کو موقع لاکھڑا آیا۔ انصار سے مخاطب ہو کر کہا: ”تم نے یہ بلا خود مول لی۔ مہاجرین کو تم نے بلا کر اتنا کر دیا کہ اب وہ خود تم سے برابر کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اب بھی موقع لاکھڑے نہیں گیا۔ تم درست گیری سے لاکھڑا اٹھا لو تو وہ خود یہاں سے نکل جائیں گے۔“

یہ واقعہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے

غصہ سے بیتاب ہو گئے اور عرض کی:

”کسی کو ارشاد ہوا اس منافق کی گردن اڑا دے۔“

آپؐ نے فرمایا:

”کیا تم یہ چرچا پسند کرتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھ والوں کو قتل کر دیا کرتے

ہیں۔“

یہ عجیب بات ہے کہ عبداللہ بن ابی جس درجہ کا منافق اور دشمن اسلام تھا اُس کے صاحبزادے کہ اُن کا نام بھی عبداللہ تھا، اسی قدر اسلام کے جاں نثار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کی بنا پر یہ خبر پھیل گئی تھی کہ آپؐ عبداللہ بن ابی کے قتل کا حکم دینے والے ہیں۔ یہ سُن کر وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

”دنیا جانتی ہے کہ میں باپ کا کس قدر خدمت گزار ہوں لیکن اگر یہ مرضی ہے تو مجھے کو حکم ہو۔ میں ابھی اُس کا سر کاٹ لاتا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ آپؐ کسی اور کو حکم دیں اور میں غیرت و محبت کے جوش میں آکر قاتل کو قتل کر دوں۔“

آپؐ نے اطمینان دلایا کہ قتل کے بجائے میں اُس پر مہربانی کروں گا۔ یہ ارشاد اس طرح پورا ہوا کہ جب وہ مرا تو کفن کے لئے آپؐ نے خود پیراہن مبارک عنایت فرمایا۔ جنازہ کی نماز پڑھائی۔ حضرت عمرؓ نے دامن تھام لیا کہ منافق کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں لیکن دریائے کرم کا بہاؤ کون روک سکتا تھا۔

حضرت جویریہؓ کا واقعہ

لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں۔ حضرت جویریہؓ کا باپ (حارث) رئیس عرب تھا۔ حضرت جویریہؓ جب گرفتار ہوئیں تو حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا:

”میری بیٹی کفیز نہیں بن سکتی۔ میری شان اس سے بالاتر ہے۔ آپؐ اس کو آزاد کر دیں۔“

آپؐ نے فرمایا:

”کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ خود جویریہؓ کی مرضی پر جھوٹ دیا جائے۔“

حارث نے جا کر جویریہؓ سے کہا:

”محمدؐ نے تیری مرضی پر رکھا ہے۔ دیکھنا مجھ کو رسوا نہ کرنا۔“

انہوں نے کہا:

”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں۔“

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے شادی کر لی۔

حضرت جویریہؓ سے جب آپؐ نے نکاح کیا تو تمام اسیران جنگ جو اہل فوج کے ہتھ میں گئے تھے دفعۃً رہا کر دیئے گئے۔ فوج نے کہا کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کر لی وہ غلام نہیں ہو سکتا۔

واقعہ انک

واقعہ انک یعنی حضرت عائشہؓ پر منافقین نے جو تہمت لگائی تھی وہ اسی لڑائی سے واپسی میں پیش آیا تھا۔ احادیث اور سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے نقل کیا ہے لیکن جس واقعہ کی نسبت قرآن مجید میں صاف مذکور ہے کہ سننے کے ساتھ لوگوں نے

اے قصہ انک (صاحب صحیح البیہر کی تحقیق کے مطابق)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب جہاد پر تشریف لے جاتے تو اہمات المؤمنین کے نام قرعہ ڈالتے۔ جس کا نام نکلتا اُس کو ساتھ لے جاتے۔ اس غزوہ میں حضرت عائشہؓ تھیں۔ فتح کے بعد جب لوٹے تو مدینہ سے ایک منزل اور قیام فرمایا۔ حضرت عائشہؓ حاجت ضروری کے لئے میدان گئیں۔ وہاں سے امیںؓ تو دیکھا کہ گلے میں مالا نہیں ہے۔ یہ ظفار کی ایک مالا تھی جو وہ اپنی بہن سے عاریتہ لے کر آئی تھیں۔ تلاش کے لئے واپس تشریف لے گئیں اور ادھر قافلہ کو روانگی کا حکم ہو گیا۔ حضرت عائشہؓ کا ہودج اٹھانے پر جو لوگ مقرر تھے انہوں نے یہ سمجھ کر کہ آپ ہودج میں تشریف رکھتی (بقیہ تاثیر بر ص ۲۳۲)

یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ بالکل افترا ہے اس کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چننا ضرورت نہیں۔

غزوہ احزاب (یعنی تمام عرب کی متحدہ جنگ ذیقعد ۶۳۰ء)

بنو نضیر مدینہ سے نکل کر خیبر پہنچے تو انہوں نے ایک نہایت عظیم الشان سازش شروع کی۔ ان کے رؤسا میں سے سلام بن ابی الحقیق، جحش بن اسخطب، کنانہ بن الربیع وغیرہ مکہ معظمہ گئے اور قریش سے مل کر کہا:

”اگر ہمارا ساتھ دو تو اسلام کا استیصال کر دیا جاسکتا ہے۔“
قریش اس کے لئے ہمیشہ تیار تھے۔ قریش کو آمادہ کر کے یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے۔ اور ان کو لایچ دیا کہ خیبر کا نصف حاصل ان کو ہمیشہ دیا کریں گے اور یہ پہلے

(بقیہ حاشیہ از ص ۲۲۲) میں ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر کس دیا اور قافلہ روانہ ہو گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب لوٹ کر آئیں تو قافلہ جا چکا تھا۔ آپ نے یہ سوچ کر کہ لوگ جب منزل پر پہنچ کر مجھے نہ پائیں گے تو کوئی نہ کوئی تلاش کرنے کو آئے گا۔ خدا کی قسم پر ہجرت کیا اور وہی چادر لپیٹ کر لیٹ گئیں۔ رات ابھی باقی تھی فیندا آگئی۔ حضرت صفوان بن معطل جو فوج کے آخر میں تھے یہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھ کر پہچان لیا۔ اپنے اونٹ پر بٹھایا خود اونٹ کی ڈوری پکڑ کا اور تیز قدموں سے مدینہ کی طرف چلے کہ لوگوں سے جلد مل جائیں۔ دن زیادہ ہو گیا تھا۔ فوج ایک منزل پر ٹھہر کر اطمینان سے بیٹھی تھی کہ ان کا اونٹ پہنچ گیا۔

ساری فوج میں چرمگوئیاں شروع ہو گئیں۔ خصوصاً عبداللہ بن ابی نے باقی بنابنا کہ لوگوں میں خوب پھیلائی۔ مدینہ پہنچ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی خبر ہو گئی اور وہاں ہر جگہ تذکرہ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ بعض مخلص مسلمان بھی ان باتوں میں آگئے اور منافقین کی کبھی ہونٹی باتوں کا چرچا کرنے میں نادانستہ طور پر استعمال ہونے لگے۔ ان میں سے تین بزرگوں کے نام آتے ہیں۔ دربار نبوی کے شاعر حضرت حسان بن ثابت وبقیہ برکتہ

سے بھی تیار تھے۔ قصہ غزوہ معونہ میں یاد ہوگا کہ عامر بن رعیس قبیلہ نے اسی غطفان کے حملہ کی دھمکی دی تھی۔ اس لئے یہ فوراً تیار ہو گئے، بنو اسد غطفان کے حلیف تھے۔ غطفان نے ان کو بکرا بھیجا کہ تم بھی فوجیں لے کر آؤ۔ قبیلہ بنو سلیم سے قریش کی قرابت تھی۔ اس تعلق سے انہوں نے بھی ساتھ دیا۔ بنو سعد کہ قبیلہ یہود کا حلیف تھا، اس بنا پر یہود نے ان کو بھی آمادہ کیا۔ غرض تمام قبائل عرب سے لشکر گراں تیار ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا۔ فتح الباری میں تصریح ہے کہ ان کی تعداد دو لاکھ ہزار تھی۔

یہ لشکر تین مستقل فوجوں میں تقسیم تھا۔ غطفان کی فوجیں عینیہ بن حصن فزاری کی کمان میں تھیں جو عرب کا مشہور سردار تھا۔ بنو اسد طلیحہ کی افسری میں تھے۔ قبیلہ اشجع کا سردار مسعود بن رخیلہ تھا۔ بنو قریظہ حارث بن عوف کے ماتحت تھے۔ حارث اور طلیحہ بعد کو مسلمان ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبریں سنیں تو صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی ایرانی ہونے کی وجہ سے خندق کے طریقہ سے واقف تھے۔ انہوں نے رائے دی کہ کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا مصلحت نہیں۔ ایک محفوظ مقام میں لشکر جمع کیا جائے اور گرو

(بقیہ حاشیہ از ص ۲۳۳) حضرت صدیق کی خالہ کے رشتہ دار مسطح بن اثاثہ اور ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کی بہن حمہ بنت جحش۔ حضرت عائشہؓ کو اس چرچے کا کوئی علم نہ تھا۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کوئی تذکرہ فرمایا اور نہ ہی ان کے والدین نے ان سے ذکر کرنا مناسب سمجھا البتہ حضرت عائشہؓ نے محسوس کیا کہ بیماری کے مالم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف و کرم ان پر اتنا نہیں ہے جتنا پہلے ہوا کرتا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد حضرت عائشہؓ نے ایک دن مسطح بن اثاثہ کی ماں کی زبانی یہ خبر سُن لی۔ انہیں اس کا سخت رنج ہوا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے والدین کے گھر چلی گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان افواہوں کی وجہ سے بڑے کبیدہ خاطر تھے اور اکثر تنہا اور ملول رہتے تھے۔ (بقیہ حاشیہ بر ص ۲۳۵)

خندق کھودی جائے۔ تمام لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا اور خندق کھودنے کے آلات چھپا کئے گئے۔

مدینہ میں تین جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا جو شہر نپاہ کا کام دیتا تھا۔ صرف شامی رخ کھلا ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار صحابہؓ کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر اسی مقام میں خندق کی تیاریاں شروع کیں۔ یہ ذیقعد کی ۸ تاریخ تھی۔

(بقیہ حاشیہ از ص ۲۳۴) خاندانِ صدیقی پر بھی یہ دور انتہائی ابتلا اور سخت پریشانی کا دور تھا۔ حضرت عائشہؓ روز و کر نہ ص حال ہوتیں تو صدیقی اکبرؓ روتے اور فرماتے: بیٹی صبر کر اور دیکھ خدا کیا حکم کرتا ہے۔

اسی طرح پورا ایک مہینہ گزر گیا۔ ایک دن یکایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں تشریف لے آئے۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: اے عائشہؓ! مجھ کو تیرے متعلق یہ یہ باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ اگر تو پاک ہے تو خداوند کریم خود تجھے ان سے بری فرما دے گا اور اگر تو گناہ میں مبتلا ہو گئی ہے تو خدا سے معافی طلب کر، توبہ کر اور خدا کی طرف رجوع کر۔ کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو خداوند کریم اس کے گناہ کو بخش دیتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: مجھ کو اطمینان تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ میں پاک ہوں۔ ضرور خداوند کریم اپنے رسولؐ پر حق ظاہر کرے گا۔ مگر میں اپنے کو ہرگز اس لائق نہیں سمجھتی تھی کہ میری برائت میں قرآن پاک کی آیتیں نازل ہوں گی۔ میں سمجھتی تھی کہ خواب میں یا کسی اور طرح حضورؐ کو آگاہ کر دیا جائے گا۔ اسی دن حضرت عائشہؓ حذیقہ کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے آثار شروع ہوئے۔ پسینہ چہرہ اقدس پر سے موتیوں کی طرح بہنے لگا۔ ام المومنینؓ نے حضورؐ کے سر کے نیچے تکیہ رکھ دیا۔ حضرت عائشہؓ حذیقہ کو اپنی بے گناہی کا یقین تھا۔ اس لئے انہیں اس بات کا اطمینان تھا کہ خداوند کریم حق ظاہر فرمائے گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے یہ کیفیت مٹتی تو آپؐ نے فرمایا:

(بقیہ حاشیہ بر ص ۲۳۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود خود قائم کئے۔ داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کی۔ خندق کا عقیق پانچ گز رکھا گیا۔ بیس دن میں تین ہزار متبرک ماکھوں سے انجام پائی۔

یاد ہو گا کہ جب مسجد نبوی بن رہی تھی تو سرورد و جہاں مزدوروں کی صورت میں تھے۔ آج بھی وہی عبرت انگیز منظر ہے۔ جاڑے کی راتیں ہیں۔ تین تین دن کا فاقہ ہے۔ مہاجرین اور انصار اپنی پیٹھوں پر مٹی لاوا کر پھینکتے ہیں اور جوش محبت میں ہم آواز ہو کر کہتے ہیں۔

نحن الذی بايعوا محمداً على الجهاد ما بقينا ابداً
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مٹی پھینک رہے ہیں۔ شکم مبارک پر گرواٹ گئی ہے
اسی حالت میں یہ رجز زبان پر ہے۔

والله لولا الله ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا
پتھر کھودتے کھودتے اتفاقاً ایک سخت چٹان اُگئی۔ کسی کی ضرب کام نہیں دیتی تھی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ تین دن کا فاقہ تھا اور پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا
اُپ نے دست مبارک سے پھاڑا مارا تو چٹان ایک تودہ خاک تھی۔

سلیح کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی گئی۔ مستورات شہر کے محفوظ قلعوں میں
بیچ دی گئیں اور چونکہ بنو قریظہ کے حملہ کا اندیشہ تھا اس لئے حضرت سلمہ بن اسلم ۲۰۰ آدمیوں
کے ساتھ متعین کئے گئے کہ ادھر سے حملہ نہ ہونے پائے۔

بنو قریظہ کے یہود اب تک الگ تھے لیکن بنو نضیر نے ان کو ملا لینے کی کوشش کی۔ جی
بن اخطب (حضرت صفیہؓ کا باپ) خود قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا۔ اس نے
منے سے انکار کیا۔ جی نے کہا:

دبقیہ ماشیہ از ص ۲۲۵) اے عائشہ! تجھ کو بشارت ہو۔ خدا نے تجھ کو تہمت سے
پاک کیا۔ تیری پاک کی گواہی دی اور تیری شان میں قرآن پاک کی آیتیں نازل کیں۔

(مرتب)

”میں فوجوں کا دریا ٹے بے کراں لایا ہوں۔ قریش اور تمام عرب امنڈ آیا ہے اور ایک محمدؐ کے خون کا پیا سا ہے۔ یہ موقع ہاتھ سے دینے کے قابل نہیں۔ اب اسلام کا خاتمہ ہے۔ کعب اب بھی راضی نہ تھا۔ اُس نے کہا:

”میں نے محمدؐ کو ہمیشہ صادق الودع پایا ہے۔ اُن سے عہد شکنی کرنا خلافِ مروت ہے۔ لیکن جیسی کاجاد و رائیگاں نہیں جاسکتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حال معلوم ہوا تو تحقیق اور اتمامِ حجت کے لئے سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کو بھیجا اور فرما دیا کہ درحقیقت بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہو تو وہاں سے آکر اس خبر کو مبہم لفظوں میں بیان کرنا کہ لوگوں میں بے دلی نہ پھیلنے پائے۔ دونوں صاحبوں نے بنو قریظہ کا معاہدہ یاد دلایا تو انہوں نے کہا:

”ہم نہیں جانتے کہ محمدؐ کون ہیں اور معاہدہ کیا چیز ہے۔“

عرض بنو قریظہ نے اس بے شمار فوج میں اور اضافہ کر دیا۔ قریش، یہود اور قبائل عرب کی دس ہزار فوجیں تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینہ کے تین طرف اس زور و شور سے حملہ آور ہوئیں کہ مدینہ کی زمین دہل گئی۔

اس معرکہ کی تصویر خود اللہ تعالیٰ نے کھینچی ہے:-

”جب کہ دشمن اوپر کی طرف اور نشیب کی طرف سے آپڑے اور جب انہیں ڈگنے لگیں اور کلیجے منہ میں آگئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مسلمانوں کی جانچ کا وقت آگیا اور وہ بڑے زور کے زلزلے میں ڈال دیئے گئے۔“ (سورہ احزاب)

فوج اسلام میں منافقوں کی تعداد بھی شامل تھی جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے — لیکن موسم کی سختی، رسد کی قلت، متواتر فاقے، راتوں کی بے خوابی، بے شمار فوجوں کا ہجوم ایسے واقعات تھے جنہوں نے ان کا پردہ فاش کر دیا۔ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگنی شروع کی کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں۔ ہم کو شہر میں واپس چلے جانے کی اجازت دی جائے۔

لیکن سبب ان اسلام کا طلائے اخلاص اسی کسوٹی پر آزمانے کے قابل تھا:
 ”جب مسلمانوں نے قبائل کی فوجیں دیکھیں تو بول اٹھے کہ یہ وہی ہے جس کا وعدہ
 خدا نے اور اُس کے رسولؐ نے کیا تھا اور خدا اور اُس کا رسولؐ دونوں سچے
 تھے اور اس بات نے اُن کے یقین اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا۔“ (احزاب ۳)

قریباً ایک مہینہ تک اس سختی سے محاصرہ قائم رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ
 پر تین تین فاقے گزر گئے۔ ایک دن صحابہؓ نے بے تاب ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
 سامنے اپنے شکم کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے ہیں لیکن جب آپؐ نے شکم مبارک کھولا تو ایک
 کچے بجائے دو پتھر تھے۔ محاصرہ اس قدر شدید اور پرخطر ہو گیا تھا کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ کوئی ہے جو باہر نکل کر محاصرین کی خبر لائے؟ تین
 دفعہ آپؐ نے یہ الفاظ فرمائے لیکن حضرت زبیرؓ کے سوا اور کوئی صدا نہیں اُٹا۔ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم نے اسی موقع پر حضرت زبیرؓ کو حواری کا لقب دیا۔

محاصرین نے ادھر تو خندق کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ادھر دوسری سمت اس غرض سے
 مدینہ پر حملہ کرنا چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے اہل و عیال یہیں قلعوں میں
 پناہ گزیں تھے۔

محاصرین خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے اس لئے دُور سے تیر اور پتھر برساتے تھے۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے مختلف حصّوں پر فوجیں تقسیم کر دی تھیں جو محاصرین کے
 حملوں کا مقابلہ کرتی تھیں۔ ایک حصّہ خود آپؐ کے اہتمام میں تھا۔

محاصرہ کی سختی دیکھ کر آپؐ کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ انصار ہمت ہار جائیں۔ اس لئے آپؐ
 نے عطفان سے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث ان کو دے دیا جائے
 حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ کو جو روسائے انصار تھے بلا کر مشورہ کیا۔ دونوں
 نے عرض کی کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہیں لیکن اگر رائے ہے تو یہ عرض ہے کہ کفر
 کی حالت میں بھی کوئی شخص ہم سے خراج مانگنے کی جرأت نہ کر سکا اور اب تو اسلام نے ہمارا
 پایہ بہت بلند کر دیا ہے۔ یہ استقلال دیکھ کر آپؐ کو اطمینان ہوا۔ حضرت سعدؓ نے معاہدہ کا

نڈھاتھیں لے کر تمام عبارت مٹا دی اور کہا:

”ان لوگوں سے جو بن آئے کر دکھائیں۔“

اب مشرکوں کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا کہ قریش کے مشہور جنرل یعنی ابوسفیان، خالد بن ولید، عمرو بن العاص، ضرار بن الخطاب، جبیرہ کا ایک ایک دن مقرر ہوا۔ ہر جنرل اپنی ری کے دن پوری فوج کو لے کر لڑتا تھا۔ خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے لیکن خندق کا عرض و نکر زیادہ نہ تھا اس لئے باہر سے تیر اور پیچھے برساتے تھے۔

چونکہ اس طریقہ میں کامیابی نہیں ہوئی اس لئے قرار پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے۔ تمام زمینیں یکجا ہوئیں۔ قبائل کے تمام سردار آگے آگے تھے۔ خندق ایک جگہ سے اتفاقاً کم عرض تھی۔ موقع حملہ کے لئے انتخاب کیا گیا۔ عرب کے مشہور بہادروں یعنی ضرار، جبیرہ، نوفل، عمرو بن عبدو نے خندق کے اس کنارے سے گھوڑوں کو مہینز کیا تو اس پار تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدو تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس لپٹا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لوں گا بالوں میں نیل نہ ڈالوں گا۔ اس وقت اس کی عمر نوے برس تھی۔ تاہم سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور عرب کے دستور کے مطابق پکارا،

”مقابلہ کو کون آتا ہے؟“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا،

”میں۔۔۔!“

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا کہ عمرو بن عبدو ہے۔ حضرت علیؓ بیٹھ گئے لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا۔ عمرو دوبارہ پکارا اور پھر وہی صرف ایک صدا جواب میں تھی۔ تیسری دفعہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علیؓ نے عرض کی،

”ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے۔“

عرض آپؐ نے اجازت دی۔ خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی۔ سر پر عمامہ باندھا۔

عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا میں اگر مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک قبول کروں گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو سے پوچھا کہ کیا واقعی یہ تیرا قول ہے۔ پھر حسب ذیل گفتگو۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ — میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا۔

عمرو — یہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ — لڑائی سے واپس چلا جا۔

عمرو — میں خاتونانِ قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ — مجھ سے معرکہ اُرا ہو۔

عمرو ہنسا اور کہا:

”مجھ کو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے گی۔“
حضرت علی رضی اللہ عنہ پیادہ تھے۔ عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔ گھوڑے سے اتر آیا اور پہلو سے تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری کہ کوئی نہیں کٹ گیٹیں۔ پھر پوچھا:

”تم کون ہو؟“

آپ نے نام بتایا۔ اُس نے کہا:

”میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔“

آپ نے فرمایا:

”ہاں — لیکن میں چاہتا ہوں۔“

عمرو اب غصہ سے بے تاب تھا۔ پرتلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر وار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سپر پر روکا لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی اور پیشانی پر لگی۔ گوز خیم کاری نہ تھا تاہم یہ طغیان آپ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا۔ قاموس میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے۔ ایک عمرو کے ہاتھ کا اور ایک ابنِ بلجمہ کا۔ دشمن کا وارہ ہو چکا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وار کیا۔ اُن کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی۔ ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ عمرو کے بعد ضرار اور جبیرہ نے حملہ کیا لیکن جب ذوالفقار کا ہاتھ بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ضرار کا تعاقب کیا۔

مزار نے مڑ کر برچھے کا وار کرنا چاہا لیکن نہ کیا اور کہا:

”عمرؓ! اس احسان کو یاد رکھنا۔“

نفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا۔ صحابہؓ نے تیر مارنے شروع کئے۔ اُس نے کہا:

”مسلمانو! میں شریفانہ موت چاہتا ہوں۔“

حضرت علیؓ نے درخواست منظور کی اور خندق میں اتر کر تلوار سے مارا کہ شریفوں کے شہا

تھا۔

حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا۔ تمام دن لڑائی رہی۔ کفار ہر طرف سے تیر اور پتھروں کا
مینہ برسا رہے تھے اور ایک دم کے لئے یہ بارش ٹھہرنے نہ پاتی تھی۔ یہی دن ہے جس کا ذکر اتحاد
میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متصل چار نمازیں قضا ہوئیں۔ متصل تیر اندازی اور جنگ باری
سے جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا۔

مستورات جس قلعہ میں تھیں بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھا۔ یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہ تمام
جمعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے قلعہ پر حملہ کیا۔ ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک
پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا کہ حضرت صفیہؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
پھوپھی نے دیکھ لیا۔ مستورات کی حفاظت کے لئے حضرت حسان (شاعر) متعین کر دیئے گئے
تھے۔ حضرت صفیہؓ نے اُن سے کہا کہ اتر کر اس کو قتل کر دو ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے گا۔
حضرت حسان کو ایک عارضہ ہو گیا تھا جس نے اُن میں اس قدر سہجی پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف
نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اس کام کا ہوتا
تو یہاں کیوں ہوتا۔ حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ لی اور اتر کر یہودی کے سر پر اس
زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا۔ حضرت صفیہؓ چلی آئیں اور حسان سے کہا:

”ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ۔“

حسان نے کہا:

”جانے بھی دیجئے، مجھ کو اس کی ضرورت نہیں۔“

حضرت صفیہؓ نے کہا:

آچھا جاؤ، اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو کہ یہودی مرعوب ہو جائیں !
لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہؓ ہی کو انجام دینا پڑی۔ یہودیوں کو یقین ہوا کہ قلعہ میں
کچھ فوج متعین ہے۔ اس خیال سے پھر انہوں نے حملہ کی جرات نہ کی۔

محاصرہ کو جس قدر طول ہوتا جاتا تھا، محاصرہ کرنے والے ہمت ہارتے جاتے تھے۔
ہزار آدمیوں کو رسد پہنچانا آسان کام نہ تھا۔ پھر باوجود سردی کے موسم کے اس زور کی ہوا چلا
کہ طوفان آگیا۔ خیموں کی طنابیں اکھڑا کھڑ گئیں۔ کھانے کے دیگچے چولہوں پر اُلٹ اُلٹ جاتے
تھے۔ اس واقعہ نے فوجوں سے بڑھ کر کام کیا۔

نعیم بن مسعود اشجعی ایک عطفانی رہیٹس تھے۔ قریش اور یہود دونوں ان کو مانتے تھے
وہ اسلام لا چکے تھے لیکن کفار کو ابھی اس کا علم نہ تھا۔ انہوں نے قریش اور یہود سے الگ الگ
جا کر اس قسم کی باتیں کیں جن سے دونوں میں بھوٹ پڑ گئی۔

مصنف ابن ابی شیبہ کتاب المغازی باب غزوہ خندق اور الہدایہ والنہایہ ابن کثیر
موسیٰ بن عقبی کی ایک روایت ہے۔ اس کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنو قریظہ نے اس جنگ
میں شرکت اسی شرط کے ساتھ کی تھی کہ قریش ضمانت کے طور پر اپنے کچھ معزز آدمی بنو قریظہ
کے سپرد کریں گے لیکن انہوں نے اپنی یہ شرط پوری نہیں کی اور اس لئے اُن کے دل میں قریش کی
طرف سے بے اطمینانی پیدا ہوئی اور انہوں نے خضیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط کے
ساتھ مصالحت کا پیغام بھیجا کہ بنو نضیر کو جو خیبر کو جلا وطن کر دیئے گئے تھے پھر مدینہ آنے
اجازت دے دی جائے۔ نعیم بن مسعود اشجعی جو اسی موقع پر مسلمان ہونے آئے تھے ایک
ایسے آدمی تھے جو پیٹ کے ہلکے تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دانستہ راز کا
طور پر بنو قریظہ کے اس مخفی پیغام کا ذکر فرما دیا۔ انہوں نے جا کر یہ قریش تک پہنچا دیا۔ اس سے
قریش کو بنو قریظہ سے بدگمانی پیدا ہو گئی اور اس طرح قریش اور بنو قریظہ کے اتفاق کا رشتہ
ٹوٹ گیا۔

بہر حال موسم کی سختی، محاصرہ کا امتداد، اندھی کا زور، رسد کی قلت، یہودی علیحدگی،
تمام اسباب ایسے جمع ہو گئے تھے کہ قریش کے پائے ثبات اب ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ ابوسفیانؓ

نے فوج سے کہا: ”رسد ختم ہو چکی۔ موسم کا یہ حال ہے کہ یہود نے ساتھ چھوڑ دیا۔ اب محاصرہ بے کار ہے۔ یہ کہہ کر طبل رحیل بجنے کا حکم دیا۔ غطفان بھی اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ بنو قریظہ محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے آئے اور مدینہ کا افق ۲۰-۲۲ دن تک غبار آلود رہ کر صاف ہو گیا۔

اس معرکہ میں فوج اسلام کا سبانی نقصان کم ہوا لیکن انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا یعنی حضرت سعد بن معاذ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے زخمی ہوئے اور پھر جانبر نہ ہو سکے ان کے زخم کھانے کا واقعہ مؤثر اور عبرت انگیز ہے۔

حضرت عائشہ جس قلعہ میں پناہ گزیں تھیں حضرت سعد بن معاذ کی ماں بھی وہیں ان کے ساتھ تھیں۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں قلعہ سے نکل کر باہر پھر رہی تھی۔ عقب سے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی۔ مڑ کر دیکھا تو سعدؓ ہاتھ میں حربہ لئے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جا رہے ہیں اور یہ شعر زبان پر ہے:-

”ذرا ٹھہر جانا کہ لڑائی میں ایک اور شخص پہنچ جائے۔ وقت جب آگیا تو موت سے کیا ڈر۔“

حضرت سعدؓ کی ماں نے سنا تو پکاریں:

”بٹا دوڑ کر جا، تو نے دیر لگا دی۔“

سعدؓ کی زہ اس قدر چھوٹی تھی کہ ان کے دونوں ہاتھ باہر تھے۔ حضرت عائشہؓ نے سعدؓ کی ماں سے کہا، کاش سعدؓ کی زہ لمبی ہوتی۔ اتفاق یہ کہ ابن العرقہ نے تاک کر کھلے ہاتھ پر تیر مارا جس سے اکھل کی رگ کٹ گئی۔ خنق کا معرکہ ہو چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مسجد کے صحن میں ایک خیمہ کھڑا کرایا اور ان کی تیمارداری شروع کی۔ اس لڑائی میں رفیدہ ایک خاتون شریک تھیں جو اپنے پاس دوائیں رکھتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ یہ خیمہ انہی کا تھا اور وہ علاج کی نگران تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دست مبارک میں مشتقص لے کر داغا لیکن پھر دم کر آیا۔ دوبارہ داغا لیکن پھر فائدہ نہ ہوا۔ کئی دن کے بعد یعنی بنو قریظہ کی

ہلاکت کے بعد زخم کھل گیا اور انہوں نے وجہات پائی۔

بنو قریظہ کا خاتمہ

اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز قیام میں یہود کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور ان کو جان و مال و مذہب ہر چیز میں امن و آزادی بخشی لیکن جب قریش نے ان کی تحرص و تنہید کا خط لکھا تو وہ آمادہ بغاوت ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے تجدید معاہدہ کرنی چاہی، بنو نضیر نے انکار کیا اور جلا وطن کر دیئے گئے لیکن بنو قریظہ نے نئے سرے سے معاہدہ کر لیا۔ چنانچہ ان کو امن دے دیا گیا۔

بنو نضیر جب جلا وطن ہوئے تو ان کے رئیس الاعظم حنی بن اخطب، ابو رافع، سلام بن ابی الحقیق نخعبر میں جا کر آباد ہوئے اور وہاں ریاست عام حاصل کر لی۔ جنگ احزاب ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ قریظہ نے احزاب میں علانیہ شرکت کی اور شکست کھا کر ہٹ آئے تو اسلام کے سب سے بڑے دشمن حنی بن اخطب کو ساتھ لائے۔

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا آخری فیصلہ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب سے فارغ ہو کر حکم دیا کہ ابھی لوگ ہتھیار نہ کھولیں اور قریظہ کی طرف بڑھیں۔ قریظہ اگر صلح و آشتی سے پیش آتے تو قابل اطمینان تفسیہ کے بعد ان کو امن دیا جاتا لیکن وہ مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے۔ فوج سے آگے بڑھ کر جب حضرت علیؓ ان کے قلعوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے علانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوۃ باللہ گالیاں دیں۔ غرض ان کا محاصرہ کیا گیا اور تقریباً ایک مہینہ محاصرہ رہا۔ بالآخر انہوں نے درخواست پیش کی کہ حضرت سعد بن ہذیل جو فیصلہ کریں ہم کو منظور ہے۔

حضرت سعد بن معاذ اور ان کا قبیلہ اوس قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا۔ عرب میں یہ تعلق ہم قسبی سے بڑھ کر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور کی۔ قرآن مجید میں جب تک کوئی خاص حکم نہیں آتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توراۃ کے احکام کی پابندی فرماتے تھے۔ چنانچہ اکثر مسائل مثلاً قبلہ نماز، رجم، قصاص بالمثل وغیرہ وغیرہ میں

جب تک خاص وحی نہیں آئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توراۃ ہی کی پابندی فرمائی۔ حضرت سعدؓ نے جو فیصلہ کیا یعنی یہ کہ لڑنے والے قتل کئے جائیں، عورتیں اور بچے قید ہوں، مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے، توراۃ کے مطابق تھا۔ احادیث میں مذکور ہے کہ سعدؓ نے جب یہ فیصلہ دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ آسمانی فیصلہ کیا۔ یہ اسی توراۃ کے حکم کی طرف اشارہ تھا۔ یہودیوں کو جب یہ حکم سنایا گیا تو جو فقرے اُن کی زبان سے نکلے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اسی فیصلہ کو حکیم الہی کے موافق سمجھتے تھے۔

جی بنی اس خطب جو ان تمام فتن کا بانی تھا مقتل میں لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اُس نے نظریں اٹھا کر دیکھا اور یہ فقرے کہنے لگا۔

”ماں خدا کی قسم! مجھ کو اس کا افسوس نہیں کہ میں نے کیوں تیری عداوت کی لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے خدا بھی اُس کو چھوڑ دیتا ہے۔ لوگو! خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ ایک حکم الہی تھا۔ یہ لکھا ہوا تھا۔ ایک سزا تھی جو خدا نے بنو اسرائیل پر لکھی تھی۔“

مقتولین کی تعداد ارباب سیر نے چھ سو سے زیادہ بیان کی ہے لیکن صحاح میں چار سو ہے۔ ان میں صرف ایک عورت تھی اور وہ اس قصاص میں ماری گئی تھی کہ اُس نے قلعہ پر سے ایک پتھر گرا کر ایک مسلمان (خدا) کو قتل کر دیا تھا۔ اس عورت نے جس جرأت اور دلیری سے جان دی، سنن ابو داؤد میں حسب ذیل حیرت انگیز طریقہ سے مذکور ہے :-

اُس کو معلوم ہو چکا تھا کہ مقتولین کی فہرست میں اُس کا نام بھی ہے۔ قتل گاہ میں مجرم آتے اور عدم کو روانہ ہوتے جاتے تھے۔ ایک ایک کا نام پکارا جاتا تھا اور یہ ہوش رُبا صدا بار بار اُس کے کانوں میں آتی تھی۔ لیکن وہ بے تکلف حضرت عائشہؓ سے باتیں کرتی جاتی اور بات بات پر سنہتی جاتی۔ دفعۃً قاتل نے اُس کا نام پکارا۔ وہ بے تکلف اٹھ کھڑی ہوئی۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا:

”کہاں ہے؟“

”میں نے ایک جرم کیا تھا اس کی سزا اٹھائے جانی ہوں۔“

خوشی خوشی قتل گاہ میں آئی اور تلوار کے نیچے سر رکھ دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ کو بیان کرتی تھیں تو نہایت حیرت کے لہجہ میں بیان کرتی تھیں۔

حضرت زینبؓ سے نکاح

اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ کو جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے قنبلی بنا لیا تھا۔ جب وہ سن بلوغ کو پہنچا تو آپ نے اُن کی شادی حضرت زینبؓ سے کرنی چاہی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی بھوپھیری بہن تھیں۔ (ان کی ماں امیمہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں) لیکن چونکہ وہ غلام رہ چکے تھے اس لئے حضرت زینبؓ کو یہ نسبت گوارا نہ تھی۔ لیکن بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ارشاد کے لحاظ سے راضی ہو گئیں۔ قریباً ایک سال تک حضرت زیدؓ کے نکاح میں رہیں لیکن دونوں میں ہمیشہ شکر رنجی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ زیدؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر شکایت کی اور اُن کو طلاق دینا چاہی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اُن کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں۔ لیکن کسی طرح صحبت براء نہ ہو سکے اور آخر حضرت زیدؓ نے اُن کو طلاق دے دی۔ حضرت زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن تھیں اور آپ ہی کی تربیت میں پلئی تھیں۔ آپ کے فرمانے سے انہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا جو اُن کے نزدیک اُن کے خلاف نشان تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو مساوات اسلامی قائم کرنا چاہتے تھے اس میں آزاد و غلام کی کوئی تمیز نہ تھی۔ بہر حال جب وہ مطلق ہو گئیں تو آپ نے اُن کی دلجوئی کے لئے خود اُن سے نکاح کر لینا چاہا۔ لیکن عرب میں اس وقت قنبلی اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے عام لوگوں کے خیال سے آپ تامل فرماتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا مٹانا مقصود تھا اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

”اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کر دینے والا ہے۔“

اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہئے۔

(احزاب — ۵)

غرض آپ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا اور جاہلیت کی ایک قدیم رسم کہ غنمی اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے مٹ گئی۔ اس پر منافقوں اور بدگویوں نے طعنے دیئے لیکن امر حق کے اجر میں مطاعن کا آماجگاہ بننا لازمی ہے۔

واقعات منفردہ (۴۵)

اس سال ہجری تاریخ مذہبی میں سب سے اہم واقعات عورتوں کے متعلق متعدد اصلاحی احکام کا نزول ہے۔ اب تک مسلمان عورتیں عام جاہلانہ طریق سے چلتی پھرتی تھیں اور اسی قسم کے لباس و زیور پہنتی تھیں۔ اب حکم ہوا کہ شریف عورتیں گھر سے نکلیں تو ایک بڑی چادر اوڑھ کر گھونگٹ نکال لیا کریں جس سے منہ بھی چھپ جائے۔ اپنل سینہ پر ڈال کر چلیں۔ پاؤں جھٹک جھٹک کر نہ چلیں۔ پردہ کی اوٹ سے بولیں۔ تصنع اور بناؤ کی بولی نہ بولیں۔ ازواج مطہرات کے لئے غیر مردوں کے سامنے آنا قطعاً ممنوع ہوا۔

منہ بولے لڑکے کی بیوی سے جاہلیت میں بیاہنا جائز تھا۔ اس رسم کی اصلاح بھی اسی سال ہوئی۔ زنا کی سزا سو کوڑے بھی اسی سال نازل ہوئی۔ عقیف عورتوں پر الزام لگانا جاہلیت کا ایک معمولی فعل تھا اور ان کمزوروں کے پاس اس حملہ کو روکنے کی کوئی قانونی سپر نہ تھی۔ اس سال حد فذف نازل ہوئی جس کی رو سے بغیر شہادت کے تنہا اتہام جرم قرار دیا گیا۔ بصورت عدم وجود شہادت لعان کا طریقہ بتایا گیا یعنی زن و شود و نوں اپنی سچائی اور غیر لٹی ثانی کی دروغ گوئی کا بہ حلف اظہار کریں اور اس کے بعد ان میں تفرقہ کر دیا جائے۔

عرب میں ایک قسم کی طلاق جاری تھی جس کو ظہار کہتے تھے۔ اس سال اس قسم کی طلاق غیر مؤثر قرار دی گئی اور اس کے لئے کفارہ مقرر کیا گیا۔

پانی نہ ملنے کی حالت میں تیمم کی مشروعیت بھی اسی سال کا حکم ہے۔ بروایت صحیحہ
 خوف کا حکم قرآن مجید میں اسی سال نازل ہوا۔

صالح جدید اور عزت رضوان

(ذیقعد ۶۴۵ھ)

مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے جس کو حدیبیہ کہتے ہیں۔ گاؤں
بھی اسی کنوئیں کے نام سے مشہور ہو گیا۔ چونکہ معاہدہ صلح یہیں لکھا گیا اس لئے اس واقعہ
کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں یہ واقعہ نہایت اہم یعنی اسلام کی تمام آئینہ
کامیابیوں کا دیباچہ ہے اور اسی بنا پر باوجود اس کے کہ وہ صرف ایک صلح کا معاہدہ تھا
صلح بھی بظاہر مغلوبانہ تھی تاہم خدا نے قرآن مجید میں اس کو فتح کا لقب دیا ہے۔
مسلمان بہ جبر مکہ سے نکلے گئے تھے لیکن یہ خیال اُن کے دل سے نہیں گیا تھا اور
جاسکتا تھا کہ کعبہ پر ان کا بھی کم لہزم اسی قدر حق ہے جس قدر اور قبائل کا ہے۔ اس کے
مکہ سے مسلمانوں کو گونا گوں تعلقات تھے۔ وہ ان کا قدیم اور محبوب وطن تھا۔ مکہ کی یاد ایک
پھانس تھی جو ہر وقت اُن کے کلیجے میں کھٹکتی رہتی تھی۔ حضرت بلالؓ مکہ میں اس قدر نشاۃ
تھے تاہم اُن کو جب مکہ یاد آتا تو رونے لگتے۔ اکثر مہاجرین جان بچا کر نکل آئے تھے لیکن
خاندان اور بال بچے وہیں رہ گئے تھے۔ اسلام کے فرائض چہار گانہ میں حج کعبہ ایک رکن
ہے۔

غرض مختلف اسباب تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا ارادہ کیا اور اس غرض
سے کہ قریش کو کوئی اور احتمال نہ ہو عمرہ کا احرام باندھا اور قربانی کے اونٹ ساتھ لئے۔
یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ آئے۔ صرف تلوار جو عرب میں سفر کا ضروری
سہجی جاتی تھی پاس رکھ لی جائے۔ اس میں بھی یہ شرط ہے کہ نیام میں بند ہو۔
چونکہ مہاجرین عموماً اور اکثر انصار اس سعادت کے منتظر تھے، چودہ شخص اس سفر

ہر کام ہوئے۔ مقام ذوالحلیفہ میں پہنچ کر قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا ہو گئیں۔ یعنی قربانی کے ونٹ ساتھ تھے، ان کی گردنوں میں قربانی کی علامت کے طور پر لوہے کے نعل لگا دیئے گئے۔ غنایط کے لئے قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جس کے اسلام لانے کا حال قریش کو معلوم نہ تھا پہلے بھیج دیا گیا کہ قریش کے ارادہ کی خبر لائے۔ جب قافلہ عسفان کے قریب پہنچا اس نے اکر خبر دی کہ قریش نے تمام قبائل (احابیش) کو یک جا کر کے کہہ دیا ہے کہ خمد مکہ میں کبھی نہیں آ سکتے۔

عرض قریش نے بڑے زور شور سے مقابلہ کی تیاری کی۔ قبائل متحدہ کے پاس پیغام بھیجا۔ وہ جمیعت عظیم لے کر آئے۔ مکہ سے باہر بلدح ایک مقام پر فوجیں فراہم ہوئیں۔ خالد بن ولید جواب تک اسلام نہیں لائے تھے، دو سو سوار لے کر، جن میں ابو جہل کا بیٹا عکرہ بھی تھا، مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے بڑھے اور غنیمت تک پہنچ گئے جو رابغ اور حنفہ کے درمیان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش نے خالد کو طبیعت بنا کر بھیجا ہے اور وہ مقام غنیمت تک آگئے ہیں، اس لئے کترا کر دامن طرف سے چلو۔ فوج اسلام جب غنیمت کے قریب پہنچ گئی تو خالد کے گھوڑوں کی گرداڑی نظر آئی۔ وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے گئے اور قریش کو خبر کی کہ لشکر اسلام غنیمت تک آگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور حدیبیہ میں پہنچ کر مقام کیا۔ یہاں پانی کی قلت تھی۔ ایک کنواں تھا وہ پہلی ہی آمد میں ختم ہو گیا۔ اعجاز نبویؐ سے اس میں اس قدر پانی آگیا کہ سب سیراب ہو گئے۔

قبیلہ خزاعہ نے اب تک اسلام نہیں قبول کیا تھا لیکن اسلام کے حلیف اور رازدار تھے۔ قریش اور عام کفار جو منصوبے اسلام کے خلاف کیا کرتے تھے وہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مطلع کر دیا کرتے تھے۔ اس قبیلے کے رئیس عظیم بدیل بن ورقاد تھے دفعہ مکہ میں اسلام لائے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا معلوم ہوا تو چند آدمی ساتھ لے کر بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

”قریش بھی فوجوں کا سیلاب آ رہا ہے وہ آپ کو کعبہ میں نہ جانے دیں گے۔“
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قریش سے جا کر کہہ دو کہ ہم عمرہ کی غرض سے آئے ہیں، لڑنا مقصود نہیں۔ جنگ نے قریش کی حالت زار کر دی ہے اور ان کو سخت نقصان پہنچا یا ہے۔ ان کے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک معین کے لئے معاہدہ صلح کریں اور مجھ کو عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ اس پر بھی اگر وہ راضی نہ تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کر دے۔"

بدیل نے جا کر قریش سے کہا:

"میں محمدؐ کے پاس سے پیغام لے کر آیا ہوں۔ اجازت دو تو کہوں۔"

چند شریر بول اٹھے:

"ہم کو محمدؐ کے پیغام سننے کی ضرورت نہیں۔"

لیکن سنجیدہ لوگوں نے اجازت دی۔ بدیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرطیں بیان کیں۔ عروہؓ نے بعد تقفی نے اٹھ کر کہا:

"کیوں قریش کیا میں تمہارا باپ اور تم میرے بچے نہیں۔"

بوئے،

"ہاں۔۔۔!"

عروہ نے کہا:

"میری نسبت تم کو کوئی بدگمانی تو نہیں۔"

سب نے کہا، نہیں۔۔۔!"

عروہ نے کہا:

"اچھا۔۔۔ تو مجھ کو اجازت دو کہ میں خود جا کر معاملہ طے کر دوں۔ محمدؐ نے معقول شرطیں

۱۔ عمرہ، گویا ایک چھوٹا سا حج ہے جس میں حج کی اکثر رسمیں ادا کی جاتی ہیں یعنی اس میں حرم سے باہر میقات سے احرام باندھ کر صرف صفا اور مروہ کے درمیان سعی اور کعبہ کا

طواف کیا جاتا ہے اور بال منڈوائے یا کتروائے جاتے ہیں۔ (س)

پیش کی ہیں۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ قریش کا پیغام سنایا اور کہا: ”محمد! فرض کرو کہ تم نے قریش کا استیصال کر دیا تو کیا اس کی کوئی اور بھی مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کر دیا ہو۔ اس کے سوا اگر لڑائی کا رخ بدلا تو تمہارے ساتھ جو یہ بھیڑ ہے گرد کی طرح اڑ جائے گی۔“

حضرت ابو بکرؓ کو اس بدگمانی پر اس قدر غصہ آیا کہ گالی دے کر کہا: ”کیا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔“
عروہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

”یہ کون ہے؟“

آپؐ نے فرمایا: ”ابو بکر!“

عروہ نے کہا:

”میں ان کی سخت کلامی کا جواب دیتا لیکن ان کا ایک احسان میری گردن پر ہے جس کا بدلہ میں ابھی تک ادا نہیں کر سکا۔“

عروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تکلفانہ طریقے سے گفتگو کر رہا تھا اور جیسا کہ عرب کا قاعدہ ہے کہ بات کرتے کرتے مخاطب کی داڑھی پکڑ لیتے ہیں، وہ ریش مبارک پر بار بار ہاتھ ڈالتا تھا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ جو ہتھیار لگائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر کھڑے تھے اس جرأت کو گوارا نہ کر سکے۔ عروہ سے کہا: ”اپنا ہاتھ ہٹالے ورنہ یہ ہاتھ بڑھ کر واپس نہ جاسکے گا۔“

عروہ نے حضرت مغیرہؓ کو پہچانا اور کہا:

”اودغا باز۔“ کیا میں تیری وغا بازی کے معاملہ میں تیرا کام نہیں کر رہا ہوں؟
حضرت مغیرہؓ نے چند آدمی قتل کر دیئے تھے جن کا خون بہا عروہ نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا۔

عروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر

دیکھا، اُس نے اُس کے دل پر عجیب اثر کیا قریش سے جا کر کہا:

”میں نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ یہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی۔
 (صلی اللہ علیہ وسلم) بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص اُن کی طرف نظر بھر کر نہیں
 دیکھ سکتا۔ وہ وضو کرتے ہیں تو پانی جو گرتا ہے، اُس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے۔ بلغم یا حقو
 گرتا ہے تو عقیدت کیش لائحوں پر ٹھک لیتے ہیں اور چہرہ اور لائحوں میں مل جیتے ہیں۔“

چونکہ معاملہ ناتمام رہ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خراش بن امیہ کو قریش کے
 پاس بھیجا لیکن قریش نے اُن کی سواری کے اونٹ کو جو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری
 کا تھا، مار ڈالا۔ اور خود اُن پر بھی یہی گزرنے والی تھی لیکن قبائل متجارہ کے لوگوں نے بچا لیا
 وہ کسی طرح جان بچا کر چلے آئے۔

اب قریش نے ایک دستہ بھیجا کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو لیکن یہ لوگ گرفتار کر لئے گئے۔
 یہ سخت شرارت تھی لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن عفو اس سے زیادہ وسیع تھا۔
 نے سب کو چھوڑ دیا اور معافی دے دی۔

بیعت رضوان

بالآخر آپ نے گفتگوئے صلح کے لئے حضرت عمرؓ کو انتخاب کیا لیکن انہوں نے معذرت
 کی کہ قریش میرے سخت دشمن ہیں اور مکہ میں میرے قبیلہ کا ایک شخص بھی نہیں کہ مجھ کو بچا سکے
 آپ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا۔ وہ اپنے ایک عزیز (ابان بن سعید) کی حمایت میں مکہ گئے اور
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنا یا۔ قریش نے ان کو نظر بند کر لیا۔ لیکن عام طور پر یہ خبر
 مشہور ہو گئی کہ وہ قتل کر ڈالے گئے۔ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا:
 ”عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا فرض ہے۔“

یہ کہہ کر آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہؓ سے جہاں شاری کی
 بیعت ملی۔ تمام صحابہؓ نے جن میں زن و مرد دونوں شامل تھے، دلولہ انگیز جوش کے ساتھ دست
 مبارک پر جہاں شاری کا عہد کیا۔ یہ تاریخ اسلام کا ایک مہتمم بالشان واقعہ ہے۔ اس بیعت کا

نام بیعت رضوان ہے لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی۔
قریش نے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا۔ وہ نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے دینا نچ لوگوں
نے اُن کو خطیب قریش کا خطاب دیا تھا، قریش نے اُن سے کہہ دیا کہ صلح اس شرط پر ہو سکتی ہے
کہ محمد اس سال واپس چلے جائیں۔

سہیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیر تک صلح کی شرائط پر
تفصیل فرمائی۔ بالآخر چند شرطوں پر اتفاق ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلا کر
حکم دیا کہ معاہدہ کے الفاظ قلمبند کریں۔ حضرت علیؓ نے عنوان پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
لکھا۔

عرب کا قدیم طریقہ تھا کہ خطوط کی ابتداء میں بِاسْمِ اللّٰهِ لکھتے تھے بِسْمِ اللّٰهِ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے وہ آشنا نہ تھے۔ اس بنا پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے
بجائے وہی قدیم الفاظ لکھے جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا۔ اُگے کا فقرہ
تھا۔ هَذَا مَا قَاضَىٰ عَلَیْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ۔ یعنی وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے تسلیم کیا۔ سہیل نے کہا:

”اگر ہم آپ کو پیغمبر ہی تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ آپ صرف اپنا اور اپنے
باپ کا نام لکھوائیں۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
”گو تم تکذیب کرتے ہو لیکن خدا کی قسم! میں خدا کا پیغمبر ہوں۔“
یہ کہہ کر آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اچھا خالی میرا نام لکھو۔ حضرت علیؓ سے زیادہ کون
فرماں گزار ہو سکتا تھا لیکن عالم محبت میں ایسے مقام بھی پیش آتے ہیں جہاں فرمانبرداری سے
انکار کرنا پڑتا ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا:
”میں ہرگز آپ کا نام نہ مٹاؤں گا۔“
آپ نے فرمایا:

”اچھا مجھ کو دکھاؤ میرا نام کہاں ہے۔“

حضرت علیؓ نے اس جگہ پر انگلی رکھ دی۔ آپؐ نے رسول اللہؐ کا لفظ مشا و یا شراٹھ صلح
یہ تھیں :-

۱۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

۲۔ اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔

۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف تلوار ساتھ لائیں۔ وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جلبان و تحبیلہ وغیرہ
میں۔

۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں
سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

۵۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی
مسلمان مکہ جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں
یہ شرطیں بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں۔ اتفاق یہ کہ عین اس وقت جب کہ معاہدہ کھانا

جارم تھا۔ سہیل کے صاحبزادے (حضرت ابو جندل) جو اسلام لا چکے تھے اور مکہ میں کافروں کے
ان کو قید کر رکھا تھا اور طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ کسی طرح بھاگ کر پاؤں میں بیڑیاں پہنے
ہوئے آئے اور سب کے سامنے گر پڑے۔ سہیل نے کہا:

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے۔ اس (ابو جندل) کو شرائط صلح
کے مطابق مجھ کو واپس دے دو۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ابھی معاہدہ قلمبند نہیں ہو چکا۔“

سہیل نے کہا:

”تو ہم کو صلح بھی منظور نہیں۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اچھا۔ ان کو ہمیں رہنے دو۔“

سہیل نے نا منظور کیا۔ آپ نے چند دفعہ اصرار کیا لیکن سہیل کسی طرح راضی نہ ہوا۔ مجبوراً
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کرنا پڑا۔ ابو جندل کو کافروں نے اس قدر مارا تھا کہ ان کے جسم پر
مان تھے۔ مجمع کے سامنے تمام زخم دکھائے اور کہا:
”برادرانِ اسلام! کیا پھر مجھ کو اسی حالت میں دیکھنا چاہتے ہو۔ میں اسلام لا چکا ہوں کیا
میرے کافروں کے ہاتھ میں دیتے ہو؟
تمام مسلمان نڑپ اٹھے۔ حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں آئے اور کہا:

”یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ پیغمبرِ برحق نہیں ہیں؟“

آپ نے ارشاد فرمایا:

”ہاں ہوں۔“

حضرت عمرؓ نے کہا:

”کیا ہم حق پر نہیں؟“

آپ نے ارشاد فرمایا:

”ہاں! ہم حق پر ہیں۔“

حضرت عمرؓ نے کہا:

”تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟“

آپ نے فرمایا:

”میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ خدا میری مدد کرے گا۔“

حضرت عمرؓ نے کہا:

”کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کریں گے؟“

آپ نے فرمایا:

”لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے۔“

حضرت عمرؓ اٹھ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور وہی گفتگو کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا:

”وہ پیغمبرِ خدا ہیں۔ جو کچھ کرتے ہیں۔ خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔“

حضرت عمرؓ کو اپنی ان گستاخانہ معروضات کا جو بے اختیاری میں ان سے سرزد ہوا تمام عمر سخت رنج رہا اور اس کے کفارہ کے لئے انہوں نے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے کی، غلام آزاد کئے۔ اس حالت کا گوارا کرنا گو صحابہؓ کی اطاعت شکاری کا سخت خطرناک تھا۔ ایک طرف (ظاہر میں) اسلام کی توہین ہے۔ حضرت ابو جندلؓ بیڑیاں پہنے چودہ جاں نثارانِ اسلام سے استغاثہ کرتے ہیں۔ سب کے دل جوش سے بھر رہے ہیں۔ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرا ایمار ہو جائے تو تلوار فیصلہ قاطع کے لئے موجود ہے۔ دوسری معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہیں اور ایفائے عہد کی ذمہ داری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو جندلؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

”ابو جندل! صبر اور ضبط سے کام لو۔ خدا تمہارے لئے اور مظلوموں کے لئے کوئی نکلے گا۔ صلح اب ہو چکی اور ہم ان لوگوں سے بد عہدی نہیں کر سکتے۔“

غرض حضرت ابو جندلؓ کو اسی طرح پابہ زنجیر واپس جانا پڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگ یہیں قربانی کریں لیکن لوگ اس قدر دل شکستھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا۔ یہاں تک کہ تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی۔ آپؐ نے کہا، آپؐ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے بال منڈوائیں۔ آپؐ نے باہر آکر خود قربانی کی اور بال منڈوائے۔ اب جب لوگوں کو یقین گیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا۔

صلح کے بعد تین دن تک آپؐ نے حدیبیہ میں قیام فرمایا۔ پھر روانہ ہوئے تو راہ میں سورۃ اتزی۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (فتح۔ ۱) ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی۔ تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے خدا نے اُس کو فتح کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے تعجب سے نہ

کہ کیا یہ فتح ہے۔ ارشاد ہوا کہ ہاں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ کو تسکین ہو گئی اور مطمئن ہو گئے نتائج مابعد نے راز سر بستہ کی عقدہ کشائی کی۔

اب تک مسلمان اور کفار ملتے جلتے نہ تھے۔ اب صلح کی وجہ سے آمدورفت شروع ہوئی خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ میں آتے۔ جہنیوں قیام کرتے اور مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے۔ باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہر مسلمان اخلاص، حسن عمل، نیکو کاری، پاکیزہ اخلاقی کی ایک زندہ تصویر تھا۔ جو مسلمان مکہ جاتے تھے ان کی صورتیں یہی مناظر پیش کرتی تھیں۔ اس سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھینچتے آتے تھے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس معاہدہ صلح سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہیں لائے تھے۔ حضرت خالدؓ (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن عاصؓ (فاتح مصر) کا اسلام بھی اسی زمانہ کی یادگار ہے۔

معاہدہ صلح میں یہ جو شرط تھی کہ جو مسلمان مکہ سے چلا جائے وہ پھر مکہ واپس کر دیا جائے گا، اس میں صرف مرد داخل تھے، عورتیں نہ تھیں۔ عورتوں کے متعلق خاص یہ آیت اتری،
”مسلمانو! جب تمہارے پاس عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جابجاء نہ کرنا۔ خدا ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کے ہاں واپس نہ بھیجو۔ نہ وہ عورتیں کافروں کے قابل ہیں اور نہ کافران عورتوں کے قابل ہیں۔ اور ان عورتوں پر ان لوگوں نے جو خروج کیا ہو وہ تم ان کو دے دو اور تم ان سے شادی کر سکتے ہو بشرطیکہ ان کے ہر ادا کر دو اور کافرہ عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔“ (ممتنعہ — ۲)

جو مسلمان مکہ میں مجبوری سے رہ گئے تھے چونکہ کفار ان کو سخت تکلیفیں دیتے تھے اس لئے وہ بھاگ بھاگ کر مدینہ آتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت عتبہؓ بن اسیدؓ (ابو بصیر) بھاگ کر مدینہ آئے۔ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص بھیجے کہ ہمارا آدمی واپس کر دیجئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتبہؓ سے فرمایا:
”واپس جاؤ۔“

عقبتہ نے عرض کیا:

”کیا آپ مجھ کو کافروں کے پاس بھیجتے ہیں کہ مجھ کو کفر پر مجبور کریں؟“

آپ نے ارشاد فرمایا:

”خدا اس کی کوئی تدبیر نکالے گا۔“

حضرت عقبتہؓ مجبوراً دو کافروں کی حراست میں واپس گئے لیکن مقام ذوالحلیفہ پہنچ کر انہوں نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا اور دوسرا شخص جو بیچ رہا اُس نے مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ ساتھ ہی ابو نصیرؓ بھی پہنچے اور عرض کی:

”آپ نے عہد کے موافق اپنی طرف سے مجھ کو واپس کر دیا۔ اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔“

یہ کہہ کر مدینہ سے چلے گئے اور مقام عیس میں جو سمندر کے کنارے ذومرۃ کے پاس ہے، رہنا اختیار کیا۔ مکہ کے بے کس اور ستم رسیدہ لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ جان بچانے کا ایک ٹھکانا پیدا ہو گیا ہے تو چوری چھپے بھاگ بھاگ کر یہاں آنے لگے۔ چند روز کے بعد اچھی خاصی جمیعت ہو گئی اور اب ان لوگوں نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ قریش کا کاروان تجارت جو شام کو جایا کرتا تھا اس کو روک لیتے تھے۔ ان حملوں میں جو مال غنیمت مل جاتا تھا وہ ان کی معاش کا سہارا تھا۔ قریش نے مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجا کہ معاہدہ کی اس شرط سے ہم باز آتے ہیں۔ اب جو مسلمان چاہے مدینہ جا کر آباد ہو سکتا ہے ہم اس سے تعرض نہ کریں گے۔ آپ نے ادارہ وطن مسلمانوں کو لکھ بھیجا کہ یہاں چلے آؤ۔ چنانچہ ابو جندل اور ان کے ساتھی مدینہ میں آباد ہو گئے اور کاروان قریش کا راستہ بدستور کھل گیا۔

مستورات میں سے حضرت ام کلثومؓ جو ربیعہ مکہ (عقبتہ بن ابی معیط) کی صاحب زادی تھیں اور مسلمان ہو چکی تھیں، مدینہ ہجرت کر کے آئیں لیکن ان کے ساتھ ان کے دونوں بھائی عمارۃ اؤ ولید بھی آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کو واپس دے دیجئے آپ نے منظور نہیں فرمایا۔ صحابہؓ میں سے جن لوگوں کی ازواج مکہ میں رہ گئی تھیں اور اب تک کافرہ تھیں، صحابہؓ نے ان کو طلاق دے دی۔

سلاطین کو اسلام کی دعوت

(آخر حصہ یا شروع حصہ)

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

حدیبیہ کی صلح سے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو وقت آیا کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا کے کانوں میں پہنچا دیا جائے۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن تمام صحابہؓ کو جمع کیا اور خطبہ دیا:-

”ایہا الناس —! خدا نے مجھ کو تمام دنیا کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھو! حواریں عیسیٰؑ کی طرح اختلاف نہ کرنا۔ جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کرو۔“

اس کے بعد آپؐ نے قیصر روم، شہنشاہ عجم، عزیز مصر اور روسائے عرب کے نام دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے۔ جو لوگ خطوط لے کر گئے ان کی تفصیل یہ ہے:-

(حضرت) وحیۃ کلبیؓ — قیصر روم

(حضرت) عبداللہ بن خذافہؓ — خسرو پرویز کجکلاہ ایران

(حضرت) حاطبؓ بن ابی بلتعہ — عزیز مصر

(حضرت) عمرو بن امیہؓ — نجاشی بادشاہ حبش

(حضرت) سلیط بن عمروؓ بن عبد شمس — روسائے یمامہ

(حضرت) شجاع بن وہبؓ الاسدی — رئیس حدود شام حارث غسانی

ایرانیوں نے چند برس پہلے بلاد شام پر حملہ کر کے رومیوں کو شکست دی تھی جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت غلبت الروم میں ہے۔ ہرقل نے ان کے انتقام کے لئے بڑے

مرو سامان سے فوجیں تیار کیں اور ایرانیوں پر حملہ کر کے ان کو سخت شکست دی تھی۔ اس کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے وہ حمص سے بیت المقدس آیا تھا اور اس شان سے آیا تھا کہ جہاں چلتا تھا زمین پر فرش اور فرش پر پھول بچھائے جاتے تھے۔

شام میں عرب کا جو خاندان قیصر کے زیر حکومت رہا کرتا تھا وہ عسائی خاندان تھا اور اس کا پایہ تخت بصری تھا جو دمشق کے علاقہ میں ہے اور آج کل حوران کہلاتا ہے۔ اس زمانہ میں اس خاندان کا تخت نشین حارث عسائی تھا۔ حضرت وحیہ کلبیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک یہیں بصری میں حارث عسائی کو لا کر دیا۔ اُس نے قیصر کے پاس بیت المقدس میں بھیج دیا۔ قیصر کو خط ملا تو اُس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص مل سکے تو لاؤ۔ اتفاق یہ کہ ابوسفیان تجارت عرب کے ساتھ غزہ میں مقیم تھے۔ قیصر کے آدمی اُن کو غزہ سے جا کر لائے۔ قیصر نے بڑے سامان سے دربار منعقد کیا۔ خود تاج شاہی پہن کر تخت پر بیٹھا۔ تخت کے چاروں طرف بطارقہ قیس اور رہبان کی صفیں قائم کیں۔ اہل عرب کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

”تم میں سے اس مدعی نبوت کا رشتہ دار کون ہے؟“

ابوسفیان نے کہا:

”میں۔“

پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی:-

قیصر۔ مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان۔ شریف ہے۔

قیصر۔ اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر۔ اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر۔ جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہیں یا صاحب اثر؟

ابوسفیان۔ کمزور لوگ ہیں۔

قیصر — اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟
ابوسفیان — بڑھتے جاتے ہیں۔

قیصر — کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہوا ہے؟
ابوسفیان — نہیں۔

قیصر — وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان — اب تک تو نہیں کی۔ لیکن اب جو نیا معاہدہ صلح ہے۔ اس میں دیکھیں وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔

قیصر — تم لوگوں نے اس سے کبھی جنگ بھی کی؟
ابوسفیان — ہاں!

قیصر — نتیجہ جنگ کیا رہا؟

ابوسفیان — کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ۔

قیصر — وہ کیا سکھاتا ہے؟

ابوسفیان — کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، پیسے بدلو، صلہ رحم کرو۔

اس شخص کو بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے کہا کہ تم نے اس کو شریف النسب بتایا پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے۔ تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باز ہو سکتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے پیروی کی ہے۔ پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں۔ تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے۔ سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں کیا۔ پیغمبر کبھی فریب نہیں کرتے۔ تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقویٰ اور عفاف کی ہدایت کرتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ تک اس

کا قبضہ ہو جائے گا۔ مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ میں اگر وہاں جا سکتا تو خود اُس کے پاؤں دھوتا۔
اس گفتگو کے بعد حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا جائے فسرمانِ رسالت کے الفاظ یہ تھے :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے، یہ خط ہر قتل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے۔ اس کو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں۔ اسلام لا تو سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دگنا اجر دے گا اور اگر تو نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے اوپر ہوگا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر) خدا نہ بنائے۔ اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔“

قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی اس سے بطارقہ اور اہل دربار سخت برہم ہو چکے تھے۔ نامہ مبارک کے پڑھے جانے پر اور بھی برہم ہوئے۔ یہ حالت دیکھ کر قیصر نے اہل عرب کو دربار سے اٹھا دیا اور گواہوں کے دل میں نور اسلام اچکا تھا لیکن تاج و تخت کی تاریکی میں وہ روشنی بھجھ کر رہ گئی۔

خسرو پرویز شہنشاہ ایران کے نام جو نامہ مبارک حضرت عبداللہ بن خذافہ لے کر گئے تھے،

یہ تھا :-

”محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ رئیس فارس کے نام۔ سلام ہے اُس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو اور خدا اور پیغمبر خدا پر ایمان لائے اور یہی گواہی دے کہ خدا صرف ایک خدا ہے اور یہ کہ خدا نے مجھ کو تمام دنیا کا پیغمبر مقرر کر کے بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلائے۔ تو اسلام قبول ہو و سلامت رہے گا ورنہ مجوسیوں کا دہاں تیری گردن پر ہوگا۔“

خسرو پرویز بڑی شوکت و شان کا بادشاہ تھا۔ اس کی سلطنت میں دربار کو جو عظمت و جلال حاصل ہوا کبھی نہیں ہوا تھا۔ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھتے تھے ان میں عنوان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا۔ نامہ مبارک میں پہلے خدا کا نام اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا۔ خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور بولا کہ میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے۔ پھر نامہ مبارک کو چاک کر ڈالا لیکن چند روز کے بعد خود سلطنت عجم کے پرزے اڑ گئے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نامہ مبارک پہنچنے کے بعد خسرو پرویز نے گورنرین کو جس کا نام باذان تھا فرمان بھیجا کہ کسی شخص کو حجاز بھیجو کہ اس نئے مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے دربار میں لائے۔ باذان نے دو شخصوں کو جن میں سے ایک کا نام بابویر اور دوسرے کا نام خرخرہ تھا مدینہ منورہ روانہ کیا۔ ان دونوں نے بارگاہ رسالت میں آکر عرض کی کہ شہنشاہ عالم (کسریٰ) نے تم کو بلایا ہے۔ اگر تعمیل حکم نہ کرو گے تو وہ تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کر دے گا۔ آپ نے فرمایا کہ تم واپس جاؤ اور کہہ دینا کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایہ تخت تک پہنچے گی۔ یہ لوگ پیغام پہنچا کر یمن میں آئے تو خبر آئی کہ شیروہ (خسرو پرویز کا بیٹا) نے خسرو پرویز کو قتل کر ڈالا۔ نجاشی (بادشاہ حبش) کو آپ نے دعوت اسلام کا جو خط بھیجا، اس کے جواب میں اس نے عریضہ بھیجا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے پیغمبر ہیں۔ حضرت جعفر طیارؓ جو ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے یہیں موجود تھے۔ نجاشی نے ان کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی۔ ابن اسحاقؒ نے روایہ کی ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساتھ مصاحبوں کے ساتھ بارگاہ رسالت میں عرض

۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق اصل خط ایک جعلی پر ہے اور اب بھی دمشق میں ایک صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس خط کو خود حاصل کیا اور انگلستان اور فرانس کے متعدد محققین سے اس کے متعلق رائیں میں۔ حسب توقع محققین کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہو سکے۔ تاہم ڈاکٹر حمید اللہ اس خط کو اصل سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو آنحضرتؐ کی سیاسی زندگی مصنفہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ باب اصلی مکتوب نبویؐ بنام نجاشی۔ (مرتب)

نیاز کے لئے بھیجا لیکن جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور یہ سفارت ہلاک ہوئی۔
 عام ارباب میر لکھتے ہیں کہ نجاشی نے ۹۷ھ میں وفات پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے تھے اور یہ خبر سن کر آپ نے غائبانہ اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔
 جو لوگ ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے ان میں حضرت ام حبیبہؓ (حضرت امیر معاویہؓ کی بہن) بھی تھیں۔ ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو لکھ بھیجا کہ ام حبیبہؓ کو شادی کا پیغام سنا دو اور میرے پاس بھیج دو۔ نجاشی نے خالد بن سعید ابن العاص کو مقرر کیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایجاب و قبول ادا کیا۔ نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مہر ادا کیا جس کی تعداد چار سو اشرافیاں تھیں۔ نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوئیں اور مدینہ کی بندرگاہ میں اتریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نجاشی کے حالات حضرت ام حبیبہؓ سے پوچھا کرتے تھے۔

عزیز مصر مقوقس کو آپ نے جو خط لکھا تھا اس کے جواب میں اس نے عربی زبان میں یہ خط لکھا:-

"محمد بن عبد اللہ کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف سے سلام علیک کے بعد میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس کا مضمون اور مطلب سمجھا۔ مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں لیکن یہ سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظہور کریں گے۔ میں نے آپ کے قاصد کی عزت کی اور دو لڑکیاں بھیجتا ہوں جن کی قبیلوں (مصر کی قوم) میں بہت عزت کی جاتی ہے۔ اور میں آپ کے لئے کپڑا اور سواری کا ایک خچر بھیجتا ہوں۔"

بایں ہمہ عزیز مصر اسلام نہیں لایا۔ دو لڑکیاں جو بھیجی تھیں ان میں ایک ماریہ قبطیہ تھیں جو حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔ دوسری میرین تھیں جو حضرت حسان کی ملک میں آئیں۔ خچر کا نام دلدل تھا۔ جس کا ذکر اکثر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے۔ جنگ حنین میں آپ اسی پر سوار تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ ماریہ اور میرین حقیقی بہنیں تھیں اور حضرت حاطب بن بلتعہ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس کے پاس خط دے کر بھیجا تھا، ان کی تعلیم سے دونوں خاتونیں خدمت نبوی میں پہنچنے

سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھیں۔

روٹبائے عرب کو جو خط لکھے گئے تھے ان کے بھی جواب مختلف آئے ہو وہ ابن علی رضی اللہ عنہ نے لکھا:

”تم جو باتیں کہتے ہو وہ نہایت اچھی ہیں۔ اگر حکومت میں کچھ میرا بھی حصہ ہو تو میں تمہاری اقتداء کے لئے تیار ہوں۔“

اسلام ہو جس ملک کے لئے نہیں آیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

”زمین کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو میں نہ دوں گا۔“

حارث غسانی جو حدود شام کا رئیس تھا اور زومیوں کے ماتحت اطراف کے عربوں میں حکومت کرتا تھا، خط پڑھ کر برہم ہوا اور فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ مسلمان اس جرم کی پاداش میں ہر وقت اس کے حملہ کے منتظر رہتے تھے اور آخر موتہ اور تبوک وغیرہ کی لڑائیاں پیش آئیں۔

واقعات متفرقہ (۱۰۰)

حذیبیہ کی صلح کو خدا نے فتح کہا ہے لیکن اجسام کی نہیں قلوب کی۔ اسلام کو اپنی اشاعت کے لئے امن درکار تھا اور وہ اس صلح سے حاصل ہو گیا۔ اس صلح کو خود دشمن فتح سمجھتے تھے۔ قریش اور مسلمانوں میں اب تک جو معرکے ہوئے فوجی حیثیت سے قریش کی صف میں ہر جگہ خالد بن ولید کا نام ممتاز نظر آتا ہے۔ جاہلیت میں رسالہ کی افسری ان ہی کے سپرد تھی۔ اُحد میں قریش کے اکھڑے ہوئے پاؤں انہی کی کوشش سے سنبھلے تھے۔ حذیبیہ کے موقع پر قریش کا طلایہ انہی کی زیر افسری نظر آیا تھا۔ لیکن قریش کا یہ سپہ سالار اعظم بھی آخر اسلام کے حملہ کاری سے نہ بچ سکا۔

صلح حذیبیہ کے بعد حضرت خالدؓ نے مکہ سے نکل کر مدینہ کا رخ کیا۔ راستہ میں حضرت عمروؓ بھی اعاص ملے۔ پوچھا:

”اکدھر کا قصد ہے؟“

ملے:

”اسلام لانے جاتا ہوں۔ آخر کب تک؟“

حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا:
 ”ہمارا بھی یہی ارادہ ہے۔“

دونوں صاحب ایک ساتھ بارگاہِ بنویؓ میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے اور اب وہ
 جوہر جو اسلام کی مخالفت میں صرف ہو رہا تھا اسلام کی محبت میں صرف ہونے لگا۔
 فتح مکہ میں حضرت خالدؓ جب ایک مسلمان دستہ کے افسر بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے سامنے سے گزرے تو آپؐ نے پوچھا:
 ”کون ہے۔“

لوگوں نے کہا:

”خالد ہیں۔“

آپؐ نے فرمایا:

”خدا کی تلواریں!“

غزوہ موتہ میں جب حضرت جعفرؓ، حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے بعد
 حضرت خالدؓ نے علم اپنے ہاتھ میں لیا تو مسلمان خطرہ سے باہر تھے۔
 عہدِ خلافت میں ایک (خالدؓ) نے شام کا ملک قیصر سے چھین لیا اور دوسرا (عمروؓ بن العاصؓ)
 مصر کا فاتح ہوا۔

خبر
آخر شد یا اوائل شد

تقسیم زمین
ملکی حالت اور احکام فقہی
ادائے عمرہ

خیبر غالباً عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے اٹھ منزل پر ہے یورپین سیاحوں میں ڈاؤٹی کئی ہینینہ تک یہاں ۸۷۷ء میں مقیم رہا۔ اُس نے مدینہ سے اس مقام کا فاصلہ دو سو میل لکھا ہے۔ وہ نخلستان جس کے کنارہ پر خیبر ہے نہایت زرخیز ہے۔ یہاں یہود نے مضبوط متعدد قلعے بنائے تھے جن میں سے بعض کے آثار اب تک باقی ہیں۔

عرب میں یہودی قوت کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا۔ مدینہ سے جب سے رؤسائے بنو نضیر حلا وطن ہو کر خیبر میں آباد ہوئے تو انہوں نے تمام عرب کو اسلام کی مخالفت پر براہِ گتھ لہو دیا جس کا پہلا مظہر احزاب کا معرکہ تھا۔ ان رؤسائے سے حتی بن الخطب جنگِ قرظہ میں قتل ہوا جس کے بعد ابورافع سلام بن ابی الحقیق اس کا جانشین ہوا۔ یہ بہت بڑا تاجر اور صاحبِ اثر تھا۔ قبیلہ غطفان جو عرب کا بہت بڑا صاحبِ اثر قبیلہ تھا ان کی آبادی خیبر سے متصل تھی اور ہمیشہ سے یہود خیبر کے حلیف اور ہم غید تھے۔ سہ صحابہ میں سلام نے خود جا کر قبیلہ غطفان اور ان کے اُس پاس کے قبیلوں کو اسلام کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا۔ یہاں تک کہ ایک عظیم نشانِ فوج لے کر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو آپ کے ایماء سے درمضان ۳ء میں حضرت عبداللہ بن عتیک ایک خنجر جی انصاری کے ہاتھ سے اپنے قلعہ خیبر میں سوتا ہوا مارا گیا۔ سلام کے بعد یہودیوں نے امیر بن رزام کو مسندِ ریاست پر بٹھایا۔ اُس نے قبائلِ یہود کو جمع کر کے تقریر کی اور کہا:

”میرے پیشروؤں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جو تدبیریں اختیار کیں وہ غلط

تھیں۔ صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دارالریاست پر حملہ کیا جائے اور یہی طریقہ اختیار کروں گا۔

اس غرض سے اُسیر نے عطفان اور دیگر قبائل میں دورہ کیا اور ایک فوج گراں تیار کی۔ اُس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر یہ پہنچیں تو آپ نے اس افواہ پر اعتماد نہیں کیا بلکہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو بھیجا کہ خود خیبر جا کر اصل واقعہ کی تحقیق کریں۔ چنانچہ وہ چند آدمیوں کو لے کر خیبر گئے اور چھپ کر خود اُسیر کی زبانی اُس کے مشورے اور تدبیریں سنیں۔ یہ حالات آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کئے۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو تیس آدمی دے کر خیبر روانہ کیا۔ ان لوگوں نے اُسیر سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس لئے بھیجا ہے کہ تم اگر آجاؤ تو خیبر کی حکومت تم کو دے دی جائے۔ چنانچہ وہ تیس آدمی لے کر خیبر نکلے اور احتیاط کی بنا پر یہ مخلوط قافلہ اس طرح چلا کہ دو دو شخص ہمراہ چلتے تھے جن میں ایک یہودی دوسرا مسلمان ہوتا تھا۔ قرقر پہنچ کر اُسیر کے دل میں بدگمانی پیدا ہوئی۔ اُس نے بڑھا کر حضرت عبداللہ بن ابی اسیر کی تلوار چھینا چاہی۔ انہوں نے کہا:

”اودشمن خدا! بد عہدی کرنی چاہتا ہے۔“

یہ کہہ کر سواری بڑھائی اور جب اُسیر زد میں آگیا تو تلوار ماری کہ اُس کی ران کٹ گئی وہ گھوڑے سے گرا۔ گرتے گرتے اُس نے حضرت عبداللہ کو زخمی کیا۔ اب مسلمان پیش قدمی کر کے یہودی پر ٹوٹ پڑے۔ نتیجہ جنگ یہ تھا کہ یہودی میں ایک کے سوا کوئی نہ بچا۔ یہ انخبر یا محرم شہ کا واقعہ ہے۔

خیبر اب اسلام کا سب سے بڑا حریف اور اسلام کے لئے سب سے زیادہ خطرناک تھا۔ ان لوگوں نے مکہ جا کر قریش کے ذریعہ سے تمام عرب میں بغاوت کی ایک عالمگیر جنبش پیدا کر دی۔ جس نے واقعہ احزاب میں مرکز اسلام (مدینہ منورہ) کو متزلزل کر دیا تھا۔ یہ کوشش اگر ناکام رہی لیکن جو دست و بازو کام کر رہے تھے اب بھی موجود تھے۔

جن لوگوں نے جنگ احزاب برپا کرائی تھی ان میں زیادہ بااثر ابن ابی اسیر کا خاندان تھا جو قبیلہ بنی نضیر سے تھا اور مدینہ سے جلا وطن ہو کر آیا تھا۔ اُس نے خیبر کے مشہور قلعہ قموں پر

بغض کیا تھا۔ سلام بن ابی الحقیق جس کا ذکر ابھی اوپر گزر چکا ہے اسی خاندان کا رئیس تھا۔ اس کے قتل کے بعد اس کا بھتیجا کنانہ بن الرزیع بن ابی الحقیق خاندان کی ریاست پر متمنا ہوا۔ خیبر کے یہود ادھر تو غطفان سے اسلام کے مقابلہ کے لئے سازش کر رہے تھے ادھر مدینہ کے منافقین ان کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے اور ان کو ہمت دلاتے رہتے تھے کہ مسلمان تم سے سربر نہیں ہو سکتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان لوگوں سے معاہدہ ہو جائے اس بنا پر آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو بھیجا تھا۔ لیکن ادھر تو یہود خود سخت دل اور بدگمان قوم تھی ادھر منافقین ان کو ابھارتے تھے۔ اسی زمانہ میں اس منافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے اہل خیبر کے پاس کہلا بھیجا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں لیکن تم ان سے نہ ڈرنا۔ ان کی ہستی کیا ہے۔ مٹی بھر آدمی ہیں جن کے پاس ہتھیار تک نہیں۔ یہود نے یہ سُن کر کنانہ اور یہودہ ابن قیس کو غطفان کے پاس بھیجا کہ ہمارے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرو تو ہم نخلستان کی نصف پیداوار تم کو دیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ غطفان نے اس کو منظور کیا۔

غطفان کا ایک قوت ور قبیلہ بنو فزارہ تھا۔ ان کو جب یہ معلوم ہوا کہ خیبر والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ خود خیبر میں آئے کہ ہم تمہارے شریک ہو کر لڑیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے بنو فزارہ کو خط لکھا کہ تم خیبر والوں کی مدد سے باز آؤ۔ خیبر فتح ہو جائے گا تو تم کو بھی حصہ دیا جائے گا لیکن بنو فزارہ نے انکار کیا۔

ذی قرد (محرم ۳۷ھ)

غطفان کی شرکت جنگ کا دیا چہ یہ تھا کہ ذی قرد کی چراگاہ پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں کی چراگاہ تھی اس قبیلہ کے چند آدمیوں نے بے سرداری عبدالرحمن بن عیینہ، چھاپا مارا۔ اور میں اونٹنیاں پکڑ کر لے گئے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کو جو اونٹنیوں کی حفاظت پر یکتبین تھے قتل کر دیا اور ان کی بیوی کو گرفتار کر کے لے گئے۔ مسلمانوں نے جب تعاقب کیا تو وہ

دورہ میں گھس گئے۔ دہاں عینیہ بن حصن جو قبائل غطفانیوں کا سپہ سالار تھا ان کی امداد کو موجود تھا۔
 میں حضرت سلمہ بن الاکوع ایک مشہور قدر انداز صحابی تھے۔ سب سے پہلے ان کو اس غارت
 کی خبر معلوم ہوئی۔ انہوں نے واصلہ صبا حاحہ کا نعرہ مارا اور دوڑ کر حملہ آوروں کو بجایا۔ وہ ادا
 کو پانی پلا رہے تھے۔ سلمہ نے تیر برسوں کے شروع کئے۔ حملہ آور بھاگ نکلے۔ انہوں نے تو
 کیا اور لڑ بھڑ کر تمام اونٹنیاں چھڑا لائے۔ دربار نبوت میں آکر عرض کی کہ میں دشمنوں کو پناہ
 کر آیا ہوں۔ اگر سو آدمی مل جائیں تو ایک ایک کو گرفتار کر لاتا ہوں۔ آپ نے رحمت غافلہ
 لحاظ سے فرمایا:

ملکت فاسجع
 قابو پا جاؤ تو عضو سے کام لو۔
 اس واقعہ کے تین دن بعد خیبر کی جنگ پیش آئی۔

خیبر کا غزوہ اور غزوات کی بہ نسبت ایک امتیاز خاص رکھتا ہے اور اگرچہ ارباب سیر
 نظر اس نکتہ پر نہیں پڑی کہ اس امتیاز کے اسباب کیا تھے تاہم واقعہ کی حیثیت سے امتیاز
 ان کی زبان سے بھی بلا قصد نکل گئے ہیں۔ سب سے مقدم یہ کہ جب آپ نے خیبر کا قصد کیا
 اعلان عام کر دیا۔

”ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ آئیں جو طالب جہاد ہیں۔“

اب تک جو لڑائیاں وقوع میں آئیں محض دفاعی تھیں۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم
 رعایا بنائے گئے اور طرز حکومت کی بنیاد قائم ہوئی۔ اسلام کا اصلی مقصد تبلیغ دعوت ہے
 اب اگر کوئی قوم اس دعوت کی سیرا نہ ہو تو اسلام کو نہ تو اس سے جنگ ہے نہ اس کے
 رعایا بنانے کی ضرورت ہے۔ صرف معاہدہ صلح کافی ہے جس کی بہت سی مثالیں اسلام میں موجود
 ہیں۔ لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اس کو مٹا دینا چاہے تو اسلام
 مدافعت کے لئے تلوار ہاتھ میں لینا پڑتی ہے اور اس کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے۔ خیبر اس
 قاعدہ کے موافق اسلام کا پہلا مفتوحہ ملک تھا۔

ایک مدت تک لوگ جہاد کو عرب کے قدیم طریقہ کے موافق معاش کا ذریعہ سمجھتے رہے
 اس لڑائی (خیبر) تک بھی یہ غلط فہمی رہی۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں یہ پردہ اٹھا دیا گیا اور

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اس لڑائی میں صرف وہ لوگ شریک ہوں جن کا مقصد
وہ اور اعلیٰ کلمۃ اللہ ہو۔

غرض آپ غطفان اور یہود کے حملہ کی مدافعت کے لئے مدینہ سے محرم ۱۰ھ میں حضرت
ع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ کا افسر مقرر کر کے روانہ ہوئے۔ ازواج مطہرات میں سے حضرت
علیہؓ ساتھ تھیں۔ فوج کی تعداد ۱۰۰۰ تھی۔ جن میں ۲۰ سوار اور باقی پیادل تھے۔ اس وقت تک
ایسوں میں علم کا رواج نہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں ہوتی تھیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ آپؐ نے
علم تیار کروائے۔ دو حضرت جناب بن منذر اور حضرت سعد بن عبادہ کو عنایت ہوئے اور
انہیں علم نبویؐ جس کا پھر پیرا حضرت عائشہؓ کی چادر سے تیار ہوا تھا جناب امیرؓ کو مرحمت ہوا
جب روانہ ہوئی تو حضرت عامر بن الاکوع جو مشہور شاعر تھے، یہ رجز پڑھتے ہوئے
لے چلے۔

اے خدا۔ اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے
نہ خیرات کرتے نہ روزے رکھتے

ہم تجھ پر فدا ہوں ہم جو احکام نہیں بجالائے
اُن کو معاف کر دے اور ہم پر تسلی نازل کر
ہم جب فریاد میں پکارے جاتے ہیں تو پہنچ جاتے ہیں
اور جب ڈبھڑھو تو ہم کو ثابت قدم رکھ۔

لوگوں نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے۔
راہ میں ایک میدان آیا۔ صحابہ نے تکبیر کے نعرے بلند کئے۔ چونکہ تعلیم اور تلقین کا سلسلہ
ہر وقت جاری رہتا تھا اور بات بات میں نکات شریعت کی تعلیم ہوتی رہتی تھی۔ ارشاد ہوا
کہ اہستہ! کیونکہ کسی بہرے اور دُور از نظر کو نہیں پکار رہے ہو۔ تم جس کو پکارتے ہو وہ تمہارا
اپنا ہی ہے۔

اس غزوہ میں چند خاتونیں بھی اپنی خواہش سے فوج کے ساتھ ہوئی تھیں۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے اُن کو بلا بھیجا اور غضب کے لہجہ میں فرمایا:

”تم کس کے ساتھ آئیں اور کس کے حکم سے آئیں؟“
بولیں :

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس لئے آئی ہیں۔ کہ چرخہ کات کر کچھ پیدا کریں اور اس کام میں مدد دیں گے۔ ہمارے پاس زخمیوں کے لئے دوائیں بھی ہیں۔ اس کے علاوہ تیراٹھا کر لائیں گی۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے بعد جب مال غنیمت تقسیم کیا تو ان کا بھی حصہ لیکن یہ حصہ کیا تھا؟ زرد و جاہر نہ تھے، مال و اسباب نہ تھا، درہم و دینار نہ تھے بلکہ صرف کھیتیں۔ تمام مجاہدین کو بھی ملا تھا اور ان پردہ نشینوں نے بھی بھی پایا تھا۔

حدیث اور سیرت کی تمام کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر غزوات میں مستورات رہتی تھیں، جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور پیاسوں کو پانی پلاتی تھیں۔ جنگ اُحد میں حضرت عائشہ کا مشک میں پانی بھر بھر کر لانا اور زخمیوں کو پلانا اُپر گزر چکا ہے لیکن یہ امر کہ عورتیں میدان سے تیراٹھا اٹھا کر بھی لاتی اور مجاہدین کو دیتی تھیں صرف ابو داؤد نے ذکر کیا ہے لیکن سند متصل سے ذکر کیا ہے اس لئے شک کی گنجائش نہیں۔ یوں بھی عرب کی مستورات سے کم یہ بھی توقع کی جا سکتی ہے۔

چونکہ معلوم تھا کہ غطفان اہل خیبر کی مدد کو آئیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ریحہ میں فوجیں اتاریں جو غطفان اور خیبر کے بیچ میں ہے۔ اسباب بار برداری، خیمہ اور خرگاہ اور مستورات یہاں چھوڑ دی گئیں اور فوجیں خیبر کی طرف بڑھیں۔ غطفان یہ سن کر کہ اسلامی فوجیں خیبر کی طرف بڑھ رہی ہیں ہمتیار سمجھ کر نکلے لیکن آگے بڑھ کر جب ان کو معلوم ہوا کہ خود ان کا گھر خطرے میں ہے، تو واپس چلے گئے۔

خیبر میں چھ قلعے تھے۔ سالم۔ قومس۔ نطاۃ۔ قصارہ۔ شق۔ مریطہ اور حبسا۔

اے صاحب صحیح السیرت! قلموں کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ خیبر آٹھ قلعوں کا مجموعہ تھا: نطاۃ، شق، انام ایک جانب تھے اور اکتیبہ، الوطیح، السلام دوسری جانب تھے (بقیہ برص ۲۶۹)

کہ یعقوبی نے تصریح کی ہے ان میں بیس ہزار سپاہی موجود تھے۔ ان سب میں قومیں نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا۔ مرحب عرب کا مشہور پہلوان جو ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اسی قلعہ کا رئیس تھا۔ ابن ابی الحقیق کا خاندان جس نے مدینہ سے جلا وطن ہو کر خیبر کی ریاست حاصل کر لی تھی یہیں رہتا تھا۔

شکر اسلام جب خیبر کے قریب یعنی مقام صہبا میں پہنچا تو نماز عصر کا وقت آچکا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ٹھہر کر نماز عصر ادا کی۔ پھر کھانا طلب فرمایا۔ رسد کا ذخیرہ صرف ستو تھے۔ وہی آپ نے بھی پانی میں گھول کر نوش فرمائے۔ رات ہوتے ہوتے فوج اسلام خیبر کے سوا میں پہنچ گئی۔ عمارتیں نظر آئیں تو آپ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔ پھر خدا تعالیٰ کا نام لے کر یہ دعا مانگی :-

”اے خدا۔ ہم تجھ سے اس گاؤں کی اور گاؤں والوں کی اور گاؤں کی چیزوں کی

بھلائی چاہتے ہیں اور ان سب کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔“

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یہ آپ کا معمول تھا۔ یعنی جب کسی مقام میں داخل ہوتے تھے تو پہلے یہ دعا مانگ لیتے تھے۔ چونکہ سنت نبویؐ یہ تھی کہ رات کو کسی مقام پر حملہ نہیں کیا جاتا تھا۔ اس لئے یہ رات یہیں بسر کی۔ صبح کو خیبر میں داخلہ ہوا۔ یہودیوں نے مستورات کو ایک محفوظ مقام میں پہنچا دیا۔ رسد اور غلہ قلعہ ناعم میں یکجا کیا اور فوجیں قلعہ نطاۃ اور قوموں میں فراہم کیں۔ سلام بن مشکم نصیری بیمار تھا تاہم اس نے سب سے زیادہ حصہ لیا اور خود قلعہ نطاۃ میں آکر فوج میں شرکت کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد جنگ نہ تھا لیکن جب یہود نے بڑے سرو سامان کے ساتھ جنگ کی تیاری کی تو آپ نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے وعظ فرمایا اور جہاد کی ترغیب دی۔

سب سے پہلے قلعہ ناعم پر فوجیں بڑھیں۔ حضرت محمود بن مسلمہ نے بڑی دلیری سے حملہ کیا

دقیقہ حاشیہ از صفحہ ۲۷۸ اس کے علاوہ سب سے مستحکم قلعہ القوم، جو ابی الحقیق کا قلعہ تھا

اور النطاۃ کے پاس قلعہ صعب بن معاذ تھا۔ آگے چل کر مولانا شبلی بھی ساتویں قلعہ کا

نام لیتے ہیں۔ (مرتب)

اور دیر تک لڑتے رہے لیکن چونکہ سخت گرمی تھی ٹھک کر دم لینے کے لئے قلعہ کی دیوار کے مار میں بیٹھ گئے۔ کنان بن الربیع نے قلعہ کی فصیل سے چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرایا جس کے صدر سے وفات پائی لیکن قلعہ بہت جلد فتح ہو گیا۔

ناعم کے بعد اور قلعے بآسانی فتح ہوتے گئے لیکن قلعہ قحوص مرحب کا تخت گاہ تھا۔ اس میں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کو بھیجا لیکن دونوں ناکام واپس آئے۔ جب ہم میں زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن شام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کل میں اُس شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا اور جو خدا اور خدا کے رسولؐ کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کا رسولؐ بھی اُس کو چاہتے ہیں۔ یہ رات نہایت امید اور انتظار کی رات تھی۔ صحابہ نے تمام رات اس بے قراری میں کاٹی کہ دیکھئے یہ تاجِ فخر کس کے ہاتھ آتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے قناعت پسندی اور بلند نظری کی بنا پر کبھی حکومت اور سروری کی تمنا نہیں کی لیکن جیسا کہ صحیح مسلم باب فضائل علیؓ میں مذکور ہے اُن کو خود اعتراف ہے کہ اس موقع کی تمنا میں اُن کی خود داری بھی قائم نہ رہ سکی۔

صبح کو دفعۃً یہ آواز کانوں میں آئی کہ علیؓ کہاں ہیں؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں۔ عرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ جب ان کو علم عنایت ہوا تو انہوں نے عرض کی کہ کیا یہود کو لڑ کر مسلمان بنائیں؟ ارشاد ہوا کہ ”بہ نرمی اُن پر اسلام کو پیش کرو۔ اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام لائے، تو سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔“

لیکن یہود اسلام یا صلح کے قبول کرنے پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ مرحب قلعہ سے یہ جڑ پڑھتا ہوا باہر نکلا۔

”خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں

دیر ہوں، تجربہ کار ہوں، سلاح پوش ہوں۔“

مرحب کے یہ زہریلی زور و زنگ کا معضرا اور اُس کے اوپر سنگی خود تھا۔ قدیم زمانہ میں گول

مشریح سے خالی کر لیتے تھے۔ یہی خود کہلاتا تھا۔

مرحب کے جواب میں حضرت علیؓ نے یہ رجز پڑھا،

”میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا

میں شیر نیتاں کی طرح جھیب اور بد منتظر ہوں۔“

مرحب بڑے طمطراق سے آیا لیکن حضرت علیؓ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹی ہوئی

دانتوں تک اتر آئی اور ضربت کی آواز فوج تک پہنچی۔ غرض یہ قلعہ قموں میں دن کے غاصرے کے

بعد فتح ہو گیا۔ ان معرکوں میں ۹۳ یہود مارے گئے جن میں عمارت، مرحب، اسیر، یاسر، عامر زیاد

مشہور ہیں۔ صحابہ میں پندرہ بزرگوں نے شہادت حاصل کی۔

فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز نجیر میں قیام کیا۔ اگرچہ یہود کو کامل امن

دامان دیا گیا اور ان کے ساتھ ہر طرح کی مراعات کی گئیں تاہم ان کا طرز عمل مفسدانہ اور باغیانہ رہا

بلاویا جو یہ تھا کہ ایک دن زینب نے جو سلام بن مشکم کی بیوی اور مرحب کی بھانجی تھی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی چند صحابہؓ کے ساتھ دعوت کی۔ آپؐ نے فرط کرم سے قبول فرمایا۔ زینب نے

کھانے میں زہر ملا دیا تھا۔ آپؐ نے ایک لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا لیکن حضرت بشر بن برا نے پیٹ

بھر کر کھایا اور زہر کے اثر سے بالآخر ہلاک ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کو

ہلا کر پوچھا۔ اُس نے جرم کا اقبال کر لیا۔ یہود نے کہا:

”ہم نے اس لئے زہر دیا کہ اگر آپؐ پیغمبر ہیں تو زہر خود اثر نہ کرے گا اور پیغمبر نہیں ہیں تو

ہم کو آپؐ کے ہاتھ سے نجات مل جائے گی۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے۔ اس بنا

پر آپؐ نے زینب سے تعرض نہیں فرمایا لیکن جب دو تین دن کے بعد حضرت بشر زہر کے اثر

سے انتقال کر گئے تو وہ قصاص میں قتل کر دی گئی۔

کنانہ بن الحقیق کو اس شرط پر امان دی گئی تھی کہ کسی قسم کی بد عہدی اور خلاف بیانی نہیں کرے

اور بلکہ ایک روایت میں ہے کہ اُس نے یہ بھی منظور کیا تھا کہ اگر اس کے خلاف اُس نے کچھ کیا تو وہ

قتل کا مستحق ہوگا۔ کنانہ نے بد عہدی کی اور جو اس کو دیا گیا تھا ٹوٹ گیا۔ کنانہ نے محمدؐ بن مسلمہ

کو قتل کیا تھا۔ اب اُس کے قصاص میں وہ قتل کر دیا گیا۔ طبری میں تصریح ہے :-
 ”پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو محمد بن مسلمہ کے حوالے کیا۔ انہوں نے
 اپنے بھائی محمود بن مسلمہ کے قصاص میں اس کو قتل کر دیا۔“

ایک دن صحابہؓ میں سے حضرت عبداللہ بن سہیل اور حضرت حبیبہؓ قحط سالی کے زمانہ میں خیر
 گئے۔ یہود نے حضرت عبداللہ کو دھوکا سے قتل کر کے ایک نہر میں ڈال دیا۔ حضرت حبیبہؓ نے آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیوں
 نے قتل کیا۔ عرض کیا کہ حضور وہ تو پچاس مسلمانوں کو قتل کر کے بھی جھوٹی قسم کھائیں گے۔ عرض
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے تعرض نہیں کیا اور بیت المال سے مقتولوں کا خون بہا
 دلا دیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں یہود نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو سوتے میں کو بھٹے پر
 سے گرا دیا کہ ان کا ماتھ اور پاؤں ٹوٹ گیا۔ اس طرح ہمیشہ فساد انگیزیاں کرتے رہے۔ تھے
 مجبور ہو کر حضرت عمرؓ نے ان کو شام کے اضلاع میں جلا وطن کر دیا۔ صبح بخاری میں ہے :-
 ”پھر جب حضرت عمرؓ نے یہ لوادہ کر لیا تو ابو الحقیق کا ایک بیٹا ان کے پاس آیا اور
 کہا کہ امیر المومنین! آپ ہم کو نکالتے ہیں حالانکہ ہم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنے
 دیا تھا اور خراج پر معاملہ کیا تھا۔“

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ یہ وہی کنانہ ابن ابی الحقیق کا بھائی تھا۔

تقسیم زمین

فتح کے بعد زمین مفتوحہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ خیبر کی زمین دو برابر حصوں میں تقسیم کی گئی نصف بیت المال، مہمانی اور سفارت وغیرہ کے مصارف کے لئے خاص کر لیا گیا۔ باقی نصف مجاہدین پر جو اس غزوہ میں شریک تھے مساوی حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ کل فوج کی تعداد چودہ سو تھی۔ دو سو سوار تھے۔ سواروں کو گھوڑوں کے مصارف کے لئے پیدل سے دگنا ملتا تھا۔ اس بنا پر یہ تعداد اٹھارہ سو کے برابر تھی۔ اس حساب سے کل بائداد کے اٹھارہ سو حصے کئے گئے اور ہر مجاہد کے حصہ میں ایک حصہ آیا۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عام مجاہدین کے برابر ایک ہی حصہ ملا۔

لیکن یہود نے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائے ہم پیداوار کا نصف حصہ ادا کریں گے۔ یہ درخواست منظور ہوئی۔ بٹائی کا وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے تھے۔ وہ غلہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہتے تھے کہ اس میں سے جو حصہ چاہو لے لو۔ یہود اس عدل پر متحیر ہو کر کہتے تھے کہ زمین اور آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔ عام روایت ہے کہ مال خیمت میں سے خمس کے علاوہ ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص طور پر کر لیا جاتا تھا جس کو صفی کہتے ہیں۔ اس بنا پر حضرت صفیہؓ زوجہ کئانہ بن الربیعؓ کو آپؐ نے لے لیا اور آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔

ملکی حالت اور احکام فقہی

خیبر کی فتح سے اسلام کی ملکی اور سیاسی حالت کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اسلام کے حقیقی دشمن صرف دو تھے۔ مشرکین اور یہود۔ عیسائی اگرچہ عرب میں موجود تھے لیکن وہ کچھ زور اور اثر نہیں رکھتے تھے۔ مشرکین اور یہود اگرچہ مذہباً باہم مختلف تھے لیکن سیاسی اسباب کی بنا پر ان میں اتحاد پیدا ہو گیا تھا۔ مدینہ کے یہود عموماً انصار کے حلیف تھے۔ اسی طرح خیبر کے یہود غطفان کے حلیف تھے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے مکہ اور مدینہ کے مشرکین اور منافقین سب مل کر کنفس واحدہ ہو گئے۔ خیبر کی فتح کے بعد یہود کی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور مشرکین ہ ایک بازو جاتا رہا۔ اب تک اسلام چاروں طرف سے زرعہ کی حالت میں تھا اس بنا پر بجز عقائد اور ضروری عبادت کے شریعت کے اور احکام کی تائیس و تعلیم کا موقع نہ تھا خیبر کی فتح سے ادھر تو یہود کی فتنہ انگیزیوں سے نجات ملی، ادھر حدیبیہ کی صلح۔ یہ مشرکین کی طرف سے فی الجملہ اطمینان حاصل ہوا۔ اس بنا پر اب مسلمان جدید فقہی احکام کی تحصیل کے قابل ہو چکے تھے۔

ارباب میثرنے غزوہ خیبر کے تذکرہ میں عموماً ذکر کیا ہے کہ اس موقع پر متعدد جدید فقہی احکام نازل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تبلیغ کی۔ ان کی تفصیل یہ ہے :-

- ۱۔ پنجدار پرند حرام ہو گئے۔
- ۲۔ درندہ جانور حرام کر دیئے گئے۔
- ۳۔ گدھا اور خچر حرام کر دیا گیا۔

۴۔ اب تک معمول تھا کہ لونڈیوں نے فوراً تمتع جائز سمجھا جاتا تھا۔ اب استبراء کی قید ہو گئی

یعنی اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک ورنہ ایک مہینہ تک تمتع جائز نہیں۔
۵۔ چاندی سونے کا بہ تفاضل راتنا کہ ضرورت سے زیادہ ہوا ورنہ تقویٰ بجائے خریدنا حرام
ہوا۔

۶۔ بعض روایتوں میں ہے کہ تمتع بھی اسی غزوہ میں حرام ہوا۔

وادی القریٰ اور فدک

تیمار اور خیبر کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بہت سی بستیاں آباد ہیں۔ اس کو وادی القریٰ
کہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں عاد و ثمود یہاں آباد تھے۔ یا قوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ عاد و

ثمود میں فدک کا ذکر موجود نہیں۔ صاحب صبح السیر کی تحقیق کے مطابق جنگ خیبر کے بعد
جب خیبر کی اس فوجی بستی والوں کو خیبر کے معاملہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ ہم بھی خیبر کی شرائط پر صلح کرنے کو تیار ہیں۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا اور اس بستی سے متعلق زمین کا نصف حصہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک قرار پایا کیونکہ اس کے حصول کے لئے جنگ نہیں ہوئی تھی اس
لئے ان زمینوں کو خیبر کی زمینوں کی طرح شکریوں میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ حضرت عمرؓ کے
زمانے میں جب یہودیوں کو حجاز سے جلا وطن کیا گیا تو خیبر کی پوری زمین کی کوئی قیمت
ادا نہیں کی گئی لیکن اس کے برعکس فدک کی ادھی زمین کی قیمت اہل فدک کو ۱۰۰ اکی گئی۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خاص زمینوں کی آمدنی میں سے ازواج مطہرات کے نفقات
پر خرچ فرماتے تھے اور جو باقی بچ جاتا تھا اسے امت کی مسکین پر خرچ کیا جاتا تھا۔
حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں حضرت فاطمہؓ نے جن زمینوں میں سے اپنا حق طلبو
کیا ان میں سے فدک کی زمینیں بھی تھیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ یہ زمین ملکیت
نہیں ہر سستی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انبیاء کا ترکہ وراثت میں نہیں
ماتا۔ وہ جو کچھ چھوڑیں صدقہ ہے۔ جس جس کا نفقہ اس میں مقرر ہے (تقریب صفحہ ۲۸۶)

نمود کے اشارات اب بھی باقی ہیں۔ اسلام سے پہلے ان بستیوں میں یہود آباد ہوئے اور زراعت و آب رسانی کو بہت ترقی دی اور اب یہ یہود کا مخصوص مرکز بن گیا تھا۔ خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی القریٰ کا رخ کیا لیکن لڑنا مقصود نہ تھا مگر یہود پہلے سے تیار تھے۔ انہوں نے فوراً نیر اندازی شروع کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فحش آپ کے غلام (حضرت مدغم) اتار رہے تھے کہ ایک تیر آیا اور وہ جاں بحق ہوئے۔ جنگ شروع ہو گئی لیکن ٹھوٹے سے مقابلہ کے بعد یہود نے سپر ڈال دی اور خیبر کی شرائط کے موافق صلح ہو گئی۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۲۸۵) وہ اسی طرح رہے گا اور جس جس کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے صرف نہ مانتے تھے یہ انہی کاموں پر صرف ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے زمانے میں انہیں سخت سزا دی تھی کہ حد تک کہتا تھا اور انہیں تقسیم کرنے سے انکار کر دیتا تھا۔ (مرقب)

اولے عمرہ

صلح حدیبیہ میں قریش سے معاہدہ ہوا تھا کہ اگلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں آکر عمرہ ادا کریں گے اور تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں گے۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال عمرہ ادا کرنا چاہا اور اعلان کیا دیا کہ جو لوگ واقعی حدیبیہ میں شریک تھے ان میں سے کوئی رہ نہ جائے۔ چنانچہ بھڑان لوگوں کے جو اس اثنا میں مرچکے تھے سب نے یہ سعادت حاصل کی۔

معاہدہ میں شرط تھی کہ مسلمان مکہ میں آئیں تو ہتھیار ساتھ نہ لائیں۔ اس لئے اسلحہ جنگ بطن باج میں جو مکہ سے آٹھ میل ادھر ہے چھوڑ دیئے گئے اور دو سو سواروں کا ایک دستہ اسلحہ کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لبیک کہتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ اونٹ کی مہار تھا مے ہوئے آگے آگے یہ رجز پڑھتے ہوئے جاتے تھے:-

”کافرو! سامنے سے ہٹ جاؤ۔ آج جو تم نے اترنے سے روکا تو ہم تلوار کا وار کریں گے۔ وہ وار جو سر کو خواب گاہ سر سے الگ کر دے اور دوست کے دل سے دوست کی یاد بھلا دے۔“

صحابہ کا جم غفیر ساتھ تھا اور برسوں کی دیرینہ تمنا اور فرض مذہبی بڑے جوش کے ساتھ ادا ہو رہا تھا۔ اہل مکہ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کی آب و ہوا نے کمزور کر دیا ہے۔ اس بنا پر آپ نے حکم دیا کہ لوگ طواف کے تین پہلے پھیروں میں اکڑتے ہوئے چلیں۔ عربی زبان میں اس کو ”رمل“ کہتے ہیں۔ چنانچہ آج تک یہ سنت باقی ہے۔

اہل مکہ نے اگرچہ چار ونا چار عمرہ کی اجازت دے دی تھی تاہم ان کی آنکھیں
منظر کے دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتی تھیں۔ رؤسائے قریش نے عموماً شہر خالی کر دیا
پہاڑوں پر چلے گئے۔ تین دن کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ محمد سے کہ
کہ شرط پوری ہو چکی۔ اب مکہ سے نکل جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ
سے عرض کی۔ آپ اسی وقت روانہ ہو گئے۔ چلتے وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صغیرا سجادہ
امامہؑ جو مکہ میں رہ گئی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چچا چچا کہتی دوڑی آئی
حضرت علی رضی اللہ عنہ ہاتھوں میں اٹھایا لیکن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی اور زید
نے اپنے دعوے پیش کئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے۔ زید
تھے کہ حمزہ میرے مذہبی بھائی تھے۔ اسی رشتہ سے یہ میری بھتیجی ہے۔ حضرت علی رضی
اللہ عنہ دعویٰ تھا کہ میری ہمیشہ بھئی ہے اور پہلے میری ہی گود میں آئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے سب کے دعوے مساوی الدرجہ دیکھ کر ان کو اسماؤ کی گود میں دیا۔ وہ امامہ کی خالہ تھیں
پھر فرمایا کہ خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔

غزوة مؤتہ

جمادی الاول — شہ

موتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جو بقاء سے اس طرف ہے۔ عرب میں جو مشرقی تالی مشہور ہیں وہ یہیں بنتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ بصری یا قیصر روم کے نام ایک خط لکھا تھا۔ عرب اور شام کے سرحدی علاقوں میں جو عرب رؤسا حکمران تھے ان میں ایک شریح بن عمرو بھی تھا جو اسی علاقہ بقاء کا رئیس اور قیصر کا ماتحت تھا۔ یہ عربی خاندان ایک مدت سے عیسائی تھا اور شام کے سرحدی مقامات میں حکمران تھا۔ یہ خط عمارت بن عمیر نے کر گئے تھے۔ شریح بن عمرو نے ان کو شہید کر دیا۔ اس کے قصاص کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار فوج تیار کر کے شام کی طرف روانہ کی۔ زید بن عمارتہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، سپہ سالاری ملی۔ اور ارشاد ہوا کہ اگر ان کو دولت شہادت نصیب ہو، تو جعفر طیارؓ اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں۔ حضرت زیدؓ غلام تھے گو آزاد ہو چکے تھے۔ حضرت جعفر طیارؓ، حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب خاص تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ معزز انصاری اور مشہور شاعر تھے۔ اس بنا پر لوگوں کو تعجب ہوا کہ حضرت جعفر و حضرت عبداللہ بن رواحہ کے ہوتے ہوئے حضرت زیدؓ کو افسر کرنا کس بنا پر ہے۔ چنانچہ لوگوں میں چرچے ہوئے لیکن اسلام جس مساوات عام کے قائم کرنے کے لئے آیا تھا۔ اس کے لئے اسی قسم کا ایثار درکار تھا۔ حضرت اسامہؓ کی جہم میں جس میں تمام مہاجرین کو شرکت کا حکم ہوا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ کو فوج کا افسر مقرر کیا تھا۔ اس وقت بھی لوگوں میں چرچے ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم لوگوں نے ان کے باپ کی افسری پر بھی اعتراض کیا تھا

حالانکہ یقیناً وہ افسری کے قابل تھے۔

گو یہ مہم قصاص لینے کی غرض سے تھی لیکن چونکہ تمام مہمات کا اصل محور تبلیغ اسلام تھا، ارشاد ہوا کہ پہلے ان کو دعوت اسلام دی جائے۔ اگر وہ اسلام قبول کریں تو جنگ کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی حکم ہوا کہ اظہار ہمدردی کے لئے اس مقام پر جانا جہاں سارث بن عمیر نے ادائے فرض میں سبک دیا ہے۔ ثقیفہ الوداع تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فوج کی مشایعت کے لئے تشریف لے گئے۔ صحابہؓ نے پکار کر دعا کی کہ خدا سلامت اور کامیاب لائے۔

فوج مدینہ سے روانہ ہوئی تو جاسوسوں نے مشر جیل کو خبر دی جس نے مقابلہ کے لئے کم و بیش ایک لاکھ فوج تیار کی۔ ادھر خود قیصر روم ہرقل قبائل عرب کی بے شمار فوج لے کر ماب میں خیمہ زن ہوا جو بقاء کے اصلاح میں ہے۔ حضرت زیدؓ نے یہ حالات سن کر سچا ہا کہ ان واقعات سے دربار رسالت کو اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا ہمارا اصل مقصد فتح نہیں بلکہ دولت شہادت ہے جو ہر وقت حاصل ہو سکتی ہے۔ غرض یہ مختصر گروہ آگے بڑھا اور ایک لاکھ فوج پر حملہ آور ہوا۔ حضرت زیدؓ برچھیاں کھا کر شہید ہوئے ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے علم ہاتھ میں لیا۔ گھوڑے سے اتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار ماری کہ اس کی کوئی پچھلی کٹ گئی۔ پھر اس بے جگری سے لڑے کہ تلواروں سے چور ہو کر گر پڑے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ میں نے ان کی لاش دیکھی تھی۔ تلواروں اور برچھیوں کے نوٹے زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے۔ پشت نے یہ داغ نہیں اٹھایا تھا۔ حضرت جعفرؓ کے بعد عبداللہ بن رواحہؓ نے علم ہاتھ میں لیا اور وہ بھی داؤ شجاعت دے کر شہید ہوئے۔ اب حضرت خالدؓ سردار بنے اور نہایت بہادری سے لڑے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آٹھ تلواریں ان کے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں لیکن ایک لاکھ سے تین ہزار کا کیا مقابلہ تھا۔ بڑی کامیابی یہی تھی کہ فوجوں کو دشمن کی زد سے بچا لائے۔ جب یہ سبست خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور اہل شہر ان کی مشایعت (انتقبال) کو نیکے تو لوگ غمخواری کے بجائے ان کے چہروں پر خاک پھینکتے تھے کہ اذاریاؤ تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے۔

(حاشیہ بر ص ۲۸۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا سخت صدمہ ہوا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے آپ کو غم و محبت تھی۔ اُن کی شہادت کا نہایت قلق تھا۔ آپ مسجد میں جا کر غمزہ بیٹھے۔ اسی حالت میں ایک شخص نے آکر کہا کہ جعفر رضی اللہ عنہ کی مستورات رو رہی ہیں اور ماتم کر رہی ہیں۔ آپ نے منع کرا بھیجا وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں۔ آپ نے دوبارہ بھیجا۔ وہ پھر گئے اور واپس آکر عرض کی کہ ہم لوگوں کی نہیں جلتی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اُن کے منہ میں خاک بھرو۔" یہ واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح بخاری میں منقول ہے۔ صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُس شخص سے کہا کہ "خدا کی قسم! تم یہ نہ کرو گے (منہ میں خاک ڈالنا) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے نجات نہ ملے گی۔"

لہذا مصنف نے ابن اسحاق کی روایت پر اعتماد کر کے اس فوج کو شکست خوردہ لکھا ہے اور اُن کی فاپسی پر ان سب کو بلا امتیاز فراری ہونے کا مستحق ظاہر کیا ہے لیکن جیسا کہ صحیح بخاری غزوہ موتہ میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اندروٹے وحی فرمایا کہ پھر اللہ کی ایک تلوار یعنی خالد سیف اللہ نے مسلمانوں کے علم کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دشمن پر غلبہ دیا (فتح اللہ علیہم)۔ اباب سیر اور اہل روایت اور شرح حدیث اس غلبہ یا فتح کی تشریح میں مختلف ہیں۔ ایک فریق کا بیان ہے کہ مسلمانوں کو پوری فتح حاصل ہوئی۔ دوسرے کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا غلبہ اور فتح یہ ہے کہ مسلمان اس قلت تعداد اور کفار اپنی کثرت کے باوجود تھک کر غیر منفصل جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کے مقابلہ سے ہٹ آئے یہ تیسرا فریق یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کو فتح کفار کے ایک خاص دستہ کے مقابلہ میں حاصل ہوئی اور اس سے مال غنیمت بھی حاصل کیا۔ چوتھا بیان یہ ہے کہ مسلمانوں کا غلبہ یہ ہے کہ حضرت خالد کی قیادت میں اتنے بڑے لشکر کے حملوں کو روک دیا اور بہ سلامت پیچھے ہٹ آئے۔ اس مقام پر فتح الباری روض الائف، سہیلی اور البدایہ ابن کثیر ملاحظہ کرنا چاہئے۔ اس طرح مسلمانوں کی جس فوج کو اپنے اوپر فراری ہونے کا گمان تھا یا مسلمانوں نے اُن کو فراری کہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو تسلی دی کہ نہیں فراری نہیں بلکہ پھر دوبارہ حملہ کرنے کی نیت سے پیچھے ہٹ آنے والے ہیں۔ اس کی مخاطب پوری اسلامی فوج نہیں بلکہ ان کی فوج کا ایک خاص دستہ تھا جو جلدی کر کے پہلے مدینہ چلا آیا تھا۔ (حاشیہ سید سلیمان ندوی)

فتح مکہ

رمضان شہ مطہری جنوری ۱۲۳۰ھ
اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِيْنًا

خطبہ فتح
شہداءِ یانِ قتل
خزانِ حرم
فتح مکہ اودیتِ یسکینی

صلح حدیبیہ کی بنا پر قبائل عرب میں خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف ہو گئے تھے اور ان کے حلیف بنو بکر نے قریش سے مخالفت کا معاہدہ کر لیا تھا۔ ان دونوں حریفوں میں مدت سے لڑائیاں چلی آتی تھیں۔ اسلام کے ظہور نے عرب کو ادھر متوجہ کیا تو وہ لڑائیاں رک گئیں اور اب تک رُک رہی ہیں۔ کیونکہ قریش اور عرب کا سارا زور اسلام کے مقابلہ میں صرف ہو رہا تھا۔ صلح حدیبیہ نے لوگوں کو مطمئن کیا، تو بنو بکر سمجھے کہ اب انتقام کا وقت آگیا۔ دفعۃً وہ خزاعہ پر حملہ آور ہوئے اور دوسائے قریش نے علانیہ ان کو مدد دی۔ عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو وغیرہ نے راتوں کو صورتیں بدل کر بنو بکر کے ساتھ تلواریں چلائیں۔ خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی۔ بنو بکر رک گئے کہ حرم کا احترام ضرور ہے لیکن ان کے رئیس اعظم نوفل نے کہا یہ موقع پھر کبھی ہا تھا نہیں آ سکتا۔ غرض عین حدود حرم میں خزاعہ کا خون بہایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ دفعتاً یہ صدا بلند ہوئی :-
 "اے خدا۔! میں محمد کو وہ معاہدہ یاد دلاؤں گا جو ہمارے اور ان کے قایم خاندان
 میں ہوا ہے۔ اے پیغمبر خدا ہماری اعانت کر اور خدا کے بندوں کو بلا سب
 اعانت کے لئے حاضر ہوں گے۔"

معلوم ہوا کہ خزاعہ کے چالیس ناقہ سوار جن کا پیشرو عمرو بن سالم ہے فریاد کر آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعات سننے تو آپ کو سخت رنج ہوا۔ تاہم آپ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی منظور کی جائے۔
 ۱۔ مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔

۲۔ قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

۳۔ اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قرطبہ بن عمر نے قریش کی زبان سے کہا کہ صرف تیسری شرط منظور ہے لیکن قاصد کے چل جانے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی۔ انہوں نے ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرا لائیں۔ ابوسفیان نے مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی۔ بارگاہ رسالت سے کچھ جواب نہ ملا۔ ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو پیچ میں ڈالنا چاہا لیکن سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ ہر طرف سے مجبور ہو کر جناب فاطمہؓ زہراؓ کے پاس آیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ پانچ برس کے بچے تھے۔ ابوسفیان نے اُن کی طرف اشارہ کر کے کہا: ”اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہہ دے کہ میں نے دونوں فریقوں میں پیچ بچاؤ کرایا تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائے گا۔“

جناب سیدہ نے فرمایا:

”بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل۔“

بالآخر ابوسفیان نے حضرت علیؓ کے ایما سے مسجد نبوی میں جا کر اعلان کر دیا کہ میں نے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی۔“

ابوسفیان نے مکہ میں جا کر لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا تو سب نے کہا، ”یہ نہ صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھ جائیں نہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان کیا جائے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی تیاریاں کیں۔ اتحادی قبائل کے پاس قاصد بھیجے کہ تیار ہو کر آئیں۔ احتیاط کی گئی کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے۔

حضرت حاطب بن ابی بلعہؓ ایک معزز صحابی تھے۔ انہوں نے قریش کو مخفی خط لکھ بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی۔ حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت مقدادؓ اور حضرت ابو مرثد عنونیؓ کو بھیجا کہ قاصد سے خط چھین لائیں۔ خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو تمام لوگوں کو حاطبؓ کے افشائے راز پر حیرت ہوئی۔ حضرت عمرؓ بے تاب ہو گئے اور عرض

ہی کہ حکم ہو تو ان کی گردن اڑا دوں۔

لیکن حسین رحمت پر شکن نہ تھی، ارشاد ہوا:

”عمرؓ! تم کو کیا معلوم ہے کہ خدا نے اہل بدر کو مخاطب کر کے کہہ دیا ہو کہ تم سے مواخذہ نہیں ہے۔“

حضرت ساطبؓ کے عزیز واقارب اب تک مکہ میں تھے اور ان کا کوئی حامی نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے قریش پر احسان رکھنا چاہا کہ اس کے صلہ میں ان کے عزیزوں کو ضرر نہ پہنچائیں گے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہی عذر پیش کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔

غرض ۱۰۔ رمضان ۳۰ھ کو کوکبہ نبویؐ نہایت عظمت و شان سے مکہ معظمہ کی طرف بڑھا۔ دس ہزار راستہ فوجیں رکاب میں تھیں۔ قبائل عرب راہ میں آکر ملتے جاتے تھے۔ مرا لظہر ان پہنچ کر لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور فوجیں دور دور تک پھیل گئیں۔ یہ مقام مکہ سے ایک منزل یا اس کے بھی کم فاصلہ پر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تمام فوج نے الگ الگ روشن کی جس سے تمام صحرا وادی امین بن گیا۔ فوج کی آمد کی بھنک قریش کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ تحقیق کے لئے انہوں نے حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) ابوسفیان اور بدیل بن ورقہ کو بھیجا۔ خیمہ نبویؐ کی درباری پر جو دستہ متعین تھا اس نے ابوسفیان کو دیکھ لیا۔ حضرت عمرؓ جذبہ انتقام کو ضبط نہ کر سکے۔ تیز قدمی سے آگے بڑھے اور بارگاہ رسالت میں آکر عرض کی کہ کفار کے استیصال کا وقت آگیا لیکن حضرت عباسؓ نے جاں بخشی کی درخواست کی۔ حضرت عمرؓ نے دوبارہ عرض کیا کہ حضرت عباسؓ نے کہا،

”عمرؓ! اگر یہ شخص تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اس قدر سخت دلی نہ کرتے۔“

حضرت عمرؓ نے کہا:

”آپ یہ نہ فرمائیں، آپ جس دن اسلام لائے تھے، مجھ کو جو سترت ہوئی تھی خود میرا باپ خطاب اسلام لانا تو مجھ کو اس قدر خوشی نہ ہوتی۔“

ابوسفیان کے تمام پیچھے کارنامے اب سب کے سامنے تھے اور ایک ایک چیز کے قتل کی دعویدار تھی۔ اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، ان کے صلی اللہ علیہ وسلم کے خفیہ قتل کرانے کی سازش، ان میں سے ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی۔ لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفو نبوی) تھی۔ اس نے ابوسفیان کے کان میں آہستہ سے کہا کہ "خوف کا مقام نہیں۔"

صحیح بخاری میں ہے کہ گرفتار ہونے کے ساتھ ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا لیکن
 وغیرہ میں اس اجمال کی تفصیل میں حسب ذیل مکالمہ لکھا ہے؛

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — کیوں ابوسفیان کیا اب بھی تم کو یقین نہیں آیا کہ تم
 سوا اور کوئی معبود نہیں؟

ابوسفیان — کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — کیا اس میں کچھ شک ہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں ؟
ابوسفیان — اس میں تو ذرا شبہ ہے۔

بہر حال ابوسفیان نے اسلام کا اظہار کیا اور اس وقت گوان کا ایمان متزلزل نہ ہوا۔
مورخین لکھتے ہیں کہ بالآخر وہ سچے مسلمان بن گئے۔ چنانچہ غزوہ طائف میں ان کی ایک ٹکڑی
ہوئی اور یرموک میں وہ بھی جاتی رہی۔

شکر اسلام جب مکہ کی طرف بڑھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو کہ افواج الہی کا جلال آنکھوں سے دیکھیں۔ کچھ دیر کے بعد دریائے اسلام میں تلاطم شروع ہوا۔ قبائل عرب کی موجیں جوش مٹی ہوئی بڑھیں۔ سب سے پہلے غفار کا پرچم نظر آیا۔ پھر جہینہ (سعد بن) ہذیم سلیم ہتھیاروں سے ڈوبے ہوئے تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے نکل گئے۔ ابوسفیان ہر دفعہ مرعوب ہو جاتا تھا۔ سب کے بعد انصار کا قبیلہ اس سرو سامان سے آیا کہ آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ ابوسفیان متحیر ہو کر پوچھا یہ کون شکر ہے؟ حضرت عباسؓ نے نام بتایا۔ دفعتاً سردار فوج حضرت بن عبادہ ثاتر میں علم لئے ہوئے برابر سے گزرے اور ابوسفیان کو دیکھ کر بکا ر اٹھے۔

ایوم یوم الملعمۃ الیوم تستحل آج کھسان کا دن ہے۔ آج کعبہ
الکعبۃ۔ حلال کر دیا جائے گا۔

سب سے اخیر میں کو کعبہ نبوی نمایاں ہوا جس کے پر تو سے سطح خاک پر نور کا فرش بچتا
باتا تھا۔ حضرت زبیر بن العوام علم بردار تھے۔ ابوسفیان کی نظر جمال مبارک پر پڑی تو پکار
ٹھے کہ حضورؐ نے سنا عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے۔

ارشاد ہوا:

عبادہ نے غلط کہا، آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔

یہ کہہ کر حکم دیا کہ فوج کا علم عبادہ سے لے کر ان کے بیٹے کو دے دیا جائے۔

مکہ پہنچ کر آپؐ نے حکم دیا کہ علم نبویؐ مقام جحون پر نصب کیا جائے۔ حضرت خالدؓ کو
علم ہوا کہ فوجوں کے ساتھ بالائی حصہ کی طرف آئیں۔

اعلان کر دیا گیا کہ جو شخص ہتھیار دے گا یا ابوسفیان کے ہاں پناہ لے گا یا دروازہ بند
کر لے گا (یا خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا) اس کو امن دیا جائے گا۔ تاہم قریش کے ایک گروہ
نے مقابلہ کا قصد کیا اور خالدؓ کی فوج پر تیر برسائے۔ چنانچہ تین صاحب (یعنی کرز بن جابر فہری،
حضرت حبیش بن اشعر اور حضرت سلمہ بن المیلاد) نے شہادت پائی۔ حضرت خالدؓ نے مجبور ہو کر حملہ
کیا۔ یہ لوگ تیرہ لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلواروں کا چمکنا دیکھا
تو حضرت خالدؓ سے باز پرس کی لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ ابتدا مخالفین نے کی تو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تضائے الہی بھی تھی۔"

لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضورؐ قیام کہاں فرمائیں گے؟
کیا اپنے قدیم مکان میں؟ شریعت میں مسلمان کا فرکا وارث نہیں ہو سکتا۔ ابوطالب (آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے عم) نے جب انتقال کیا تھا تو ان کے صاحبزادے عقیل اس وقت کافر
تھے۔ اس لئے وہی وارث ہوئے۔ انہوں نے یہ مکانات ابوسفیان کے ہاتھ بیچ ڈالے تھے۔
اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "عقیل نے گھر کہاں چھوڑا کہ اس میں اتروں۔"
اس لئے مقام حیف میں ٹھہروں گا جہاں قریش نے ہمارے خلاف کفر کی تائید پر باہم عہد کیا۔

کیا تھا۔

خدا کی شانِ حرمِ محترم جو غلیل بیتِ شکن کی یادگار تھا اس کے آغوش میں ۳۶۰ بت جاگزیں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک کو لکڑی کی نوک سے کھوکھو کے دیتے جاتے اور پڑھتے جاتے :-

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَّقَ الْبَاطِلُ (جَاءَ الْحَقُّ وَ مَا يَبْدِي الْبَاطِلُ وَمَا يَعْبُدُ) إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوًّا

حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کی چیز ہے۔

عینِ کعبہ کے اندر بہت سے بت تھے جن کو قریش خدا مانتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں داخل ہونے سے پہلے حکم دیا کہ سب نکلوا دیئے جائیں۔ حضرت عمرؓ اندر جا کر جس قدر تصویریں تھیں وہ بھی مٹا دیں۔ حرم ان آلاتوں سے پاک ہو چکا تو آپؐ نے عثمان بن طلحہ سے جو کعبہ کے کلید بردار تھے کبخی طلب کی اور دروازہ کھلوا دیا۔ آپؐ حضرت بلالؓ اور حضرت صدیقؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔

خطبہِ رفیع

شہنشاہی اسلام کا یہ پہلا و بارعام تھا۔ خطبہِ سلطنت یعنی بارگاہِ احدیت کی تقریر خلافتِ الہی کے منصب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی جس کا خطاب صرف اہلِ کلمہ سے نہیں بلکہ تمام عالم سے تھا :-

”ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اُس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اُس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جمہوروں کو تنہا توڑ دیا۔ ہاں تمام مفاخر، تمام انتقامات، خوں بہائے قدیم، تمام خوں بہا سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف حرمِ کعبہ کی تو بیت اور حجاج کی آبِ رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے قومِ قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسبت کا افتخار خدائے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔“

ہر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ حسبِ دلیل ہے :-

”لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لئے جاؤ۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ خدا دانا اور واقف کار ہے خدا اور اس کے رسولؐ نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی۔“

عرب میں دستور تھا کہ کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تھا تو اس کے خون کا انتقام لینا خاندانی فرض قرار پا جاتا تھا یعنی اگر اس وقت قاتل ہاتھ نہ اُسکا تو خاندانی دفتر میں مقتول کا نام لکھ یا ساتا اور سینکڑوں برس گزرنے کے بعد بھی انتقام کا فرض ادا کیا جاتا تھا۔ قاتل اگر مر چکا ہے تو اس کے خاندان یا قبیلہ کے آدمی کو قتل کرتے تھے۔ اس طرح خوں بہا کا مطالبہ بھی آباؤ اجداد چلا آتا تھا۔ یہ خون کا انتقام عرب میں سب سے بڑے فخر کی بات تھی۔ اس طرح اور بہت سی لغو باتیں مفاخر قومی میں داخل ہو گئی تھیں۔ اسلام ان سب کے مٹانے کے لئے آیا تھا اور اس بنا پر آپؐ نے اس طریق انتقام اور خوں بہا اور نیز اور تمام غلط مفاخر کی نسبت فرمایا کہ میں نے ان کو پاؤں سے کچل دیا۔“

عرب اور تمام دنیا میں نسل اور قوم و خاندان کے امتیاز کی بنا پر ہر قوم میں فرق مراتب قائم کئے گئے تھے۔ جس طرح ہندوؤں نے چار ذاتیں قائم کیں اور شودر کو وہ درجہ دیا جو جانوروں کا درجہ ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بندش کر دی کہ وہ کبھی اپنے رتبہ سے ایک ذرہ اگے نہ بڑھنے پائے۔ اسلام کا سب سے بڑا احسان، جو اس نے تمام دنیا پر کیا، مساوات عام قائم کرنا تھا۔ یعنی عرب و عجم، شریف و ذلیل، شاہ و گدا سب برابر ہیں۔ ہر شخص ترقی کر کے ہر انتہائی درجہ پہنچ سکتا ہے۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی آیت پڑھی اور پھر توضیح فرمائی کہ ”تم سب اولادِ آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔“

خطبہ کے بعد آپؐ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جبارانِ قریش سامنے تھے۔ ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب کے پیش رو تھے۔ وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں۔ وہ بھی تھے جن کی تیغ و

سنان نے پیکرِ قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ستائشیاں کی تھیں۔ وہ بھی تھے جنہوں نے انہی صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے۔ وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت انہی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیوں کو ہولہان کر دیا کرتے تھے۔ وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خون کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی۔ وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں کو آکر ٹکراتا تھا۔ وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریگ پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتش مہریں لگایا کرتے تھے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز ہجرت میں پوچھا: تم کو کچھ معلوم ہے میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے لیکن مزاج شناس تھے، پکاراٹھے کرتے تھے بھائی ہے اور شریف برادر زادہ ہے۔

ارشاد ہوا:

”تم پر کچھ الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔“

کفار نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب وہ وقت آگیا تھا کہ ان کے حقوق دلائے جاتے۔ لیکن آپ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی مملوکات سے دست بردار ہو جائیں۔

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے بائیم کعبہ پر چڑھ کر اذان دی۔ وہی سرکش ہجری اور دام ہو چکے تھے، ان کی آتشِ غیرت ابھی مشتعل تھی۔ عتاب بن اسید نے کہا: ”خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے اس کو دینے نہ اٹھا لیا۔“

ایک اور سردار قریش نے کہا:

”اب جینا بیکار ہے۔“

مقامِ صفاء میں آپ ایک بلند مقام پر بیٹھے۔ جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے۔ مردوں کی باری ہو چکی تو مستورات آئیں۔ عورتوں

بیعت لینے کا طریقہ یہ تھا کہ اُن سے ارکانِ اسلام اور محاسنِ اخلاق کا اقرار لیا جاتا تھا۔ پھر اپنی کے ایک بریز پیالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دستِ مبارک ڈبو کر نکال لیتے تھے۔ آپ کے بعد عورتیں اسی پیالہ میں ہاتھ ڈالتی تھیں اور بیعت کا معاہدہ پختہ ہو جاتا تھا۔ ان مستورات میں ہند بھی آئی۔ یہ وہی ہند ہے جو ریشِ العرب غلبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ کی ماں تھی۔ حضرت حمزہؓ کو اسی نے قتل کرایا تھا اور ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ چبا گئی تھی۔ وہ نقاب پہن کر آئی۔ شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں۔ لیکن اس وقت یہ عرض بھی تھی کہ کوئی اس کو پہچاننے نہ پائے۔ بیعت کے وقت اُس نے نہایت دلیری اور گستاخی سے باتیں کیں جو حسبِ ذیل ہیں :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔
 ہند — یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — چوری نہ کرنا۔
 ہند — میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں سے دو چار آنے کبھی لے لیا کرتی ہوں۔ معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — اولاد کو قتل نہ کرنا۔
 ہند — ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا۔ بڑے ہوئے تو جنگِ بدر میں آپ نے اُن کو مار ڈالا۔ اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں۔
 رؤسائے عرب میں دس شخص تھے جو قریش کے سر تاج تھے۔ ان میں صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گئے۔ حمیر بن دہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کی کہ میں عرب مکہ سے جلا وطن ہوا جاتا ہے۔ آپ نے علامتِ امان کے طور پر اپنا حمام عنایت کیا۔ حمیر جدہ پہنچ کر ان کو واپس لائے جنین کے معرکہ تک یہ اسلام نہیں لائے۔ (بعد کو مسلمان ہو گئے۔)

لے جنگِ بدر میں ہند کے لڑکے کافروں کے ساتھ شریک ہو کر لڑے تھے اور لڑکر مارے گئے تھے۔ (مؤلف)

عبداللہ بن زبیری عرب کے مشہور شاعر جو پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوی کہانی کرتے تھے اور قرآن مجید پر نکتہ چینی کرتے تھے بخراں بھاگ گئے لیکن پھر اگر اسلام لائے ابو جہل کے بیٹے عکرمہ بن چلے گئے لیکن ان کی حرم راحہ حکیمہؓ۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امان لی اور جا کر یمن سے لائیں۔ یہ واقعہ ابو جہل سے کہنے کے قابل نہیں کہ اس کا جگر بند کفر کی گرد سے نکل کر اسلام کی آغوش میں آگیا اور اب ہم اس کو حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

اشتہار بیان قتل

ابو باب سیر کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی ملنے کو امن عطا کیا تھا تاہم وہ شخصوں کی نسبت حکم دیا کہ جہاں میں قتل کر دیئے جائیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ شدید مجرم تھے۔ تاہم سات اشخاص خلوص سے ایمان لائے اور ان کو معافی دے دی گئی۔ صرف چار شخص قتل ہوئے۔ تین مرد اور ایک عورت۔ عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ، حویرث بن نقیہ اور ابن خطل کی لونڈی قریبہ۔ ابن خطل اور ابن صبابہ دونوں خونی مجرم تھے ابن خطل جو اسلام لا چکا تھا اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کر کے مرتد ہو گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت ادا کر دی تھی۔ تاہم مقیس منافقانہ اسلام لایا اور عذر سے اس انصاف کو قتل کر دیا۔ اور حویرث نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے ساتھ، جب وہ سفر کر رہی تھیں، شرارت کی تھی اور ان دونوں کو اونٹوں سے گرا دینا چاہتا تھا۔ حضرت علیؓ نے ابی طالب نے اس کو قتل کر دیا۔ قریبہ مکہ کی ایک مغنیہ تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بن کر رہی تھی۔

خزانہ حرم

حرم میں نذر و ہدایا کا خزانہ ایک مدت سے جمع ہوتا چلا آتا تھا۔ وہ محفوظ رکھا گیا تھا۔ مجسمہ جات اور تصویریں برباد کر دی گئیں۔ ان میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہما السلام

محبسے بھی تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بھی تھی جس سے لوگوں نے قیاس کیا کہ کسی
 مانہ میں عیسائیت کا اثر زیادہ غالب ہو گیا تھا۔ رنگین تصویریں جو دیواروں پر تختیں مٹانے پر بھی
 ان کے دھندلے نشان رہ گئے تھے اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی تعمیر تک باقی رہے۔
 مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام پندرہ دن تک رہا۔ جب یہاں سے روانہ
 ہوئے تو حضرت معاذ بن جبل کو اس خدمت پر مقرر کرتے گئے کہ لوگوں کو اسلام کے مسائل
 اور احکام سکھائیں۔

فتح مکہ اور بت شکنی

فتح مکہ کا اصل مقصد اشاعت توحید اور اعلاء کلمۃ اللہ تھا۔ کعبہ میں سینکڑوں بت تھے جن میں
 ہل بھی تھا جو بت پرستوں کا خدائے اعظم تھا۔ یہ انسان کی صورت کا تھا اور بیا قوتیۃ العمر سے بنا
 تھا۔ سب سے پہلے جس نے اس کو کعبہ میں لا کر رکھا تھا خزیمہ بن مدرکہ تھا جو مضر کا پوتا اور
 عدنان کا پر پوتا تھا۔ ہل کے سامنے سات تیر رہتے تھے جن پر "لا" "ہو" "نعم" لکھا ہوا تھا۔ عرب
 عجب کوئی کام کرنا چاہتے تھے تو ان تیروں پر قرعہ ڈالتے "اے ہاں" یا "ناں" جو کچھ نکلتا اس پر
 عمل کرتے۔ جنگ اُحد میں ابوسفیان نے اسی ہل کی جے پکاری تھی۔ وہ عین کعبہ کے اندر تھا۔
 چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو اور بتوں کے ساتھ وہ بھی برباد
 کر دیا گیا۔

مکہ کے اطراف میں اور بہت سے بڑے بڑے بت تھے جن کے لئے حج کی رسمیں
 ادا کی جاتی تھیں۔ ان میں سب سے بڑے لات، منات اور عزیٰ تھے۔ عزیٰ قریش کا اولاد
 اہل طائف کا معبود تھا۔ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر نخلہ ایک مقام ہے۔ عزیٰ یہیں منعقد
 تھا۔ بنو شیبان اس کے متولی تھے۔ اہل عرب کا اعتقاد تھا کہ خدا جاڑوں میں "لات" کے ہاں اور
 گرمیوں میں عزیٰ کے ہاں بسر کرتا ہے۔ عزیٰ کے سامنے عرب وہ تمام مناسک اور رسوم بجالاتے
 تھے جو کعبہ میں بجالاتے تھے۔ اس کا طواف کرتے اور اس پر قربانیاں چڑھاتے۔
 منات کا تخت گاہ مثل تھا جو قدید کے پاس مدینہ منورہ سے سات میل اور عرب

ایک بن گھڑا پتھر تھا۔ ازد، عسان، ادس، خنزرج اس کا حج کرتے تھے۔ عمرو بن لُحی نے جو
 قائم کئے تھے یہ ان سب میں بالاتر تھا۔ ادس اور خنزرج جب کعبہ کا حج کرتے تو احرام
 کی رسم (بال منڈانا) اسی کے پاس آکر ادا کرتے تھے۔
 قبیلہ ہذیل کا بت سواع تھا، جو ینبع کے اطراف رہا ط میں تھا۔ یہ ایک پتھر تھا۔ اس
 منولی بنو لُحیان تھے۔

بت پرستی کے یہ وہ طلسم تھے، جن میں سارا عرب گرفتار تھا۔ اب ان کی بربادی کا
 اچکا تھا اور دفعۃً ہر جگہ خاک اڑنے لگی۔

ہوازل اور نقیب

غزوہ حنین و اوطاس و طائف شمال
و یوم حنین اذا اجمعتم کثرتکم

اوطاس
محاصرہ طائف
تقسیم غنائم
واقعات متفرغہ

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ مکہ اور طائف کے درمیان عرب کے مشہور بازار ذوالمجاز کے پاس ہے جو عرفہ سے تین میل ہے۔ ابن اسد نے تصریح کی ہے کہ یہ مکہ سے تین دن کے سفر کی مسافت پر واقع ہے۔ اس مقام کو اوطاس بھی کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن اسحاق کی تصریح کے مطابق یہ حنین کے علاوہ دیار ہوازن میں دوسری وادی کا نام ہے، ہوازن ایک بڑے قبیلے کا نام ہے جس کی بہت سی شاخیں ہیں۔

اسلام کی فتوحات کا دائرہ گویا وسیع ہوتا جاتا تھا لیکن اہل عرب یہ دیکھ رہے تھے کہ ان کا قبلہ اعظم یعنی مکہ اب تک محفوظ ہے۔ ان کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر قریش پر غالب آگئے اور مکہ فتح ہو گیا تو بے شبہ وہ سچے پیغمبر ہیں۔ مکہ جب فتح ہوا تو تمام قبائل نے خود پیش قدمی کی اور اسلام قبول کرنا شروع کیا لیکن ہوازن اور ثقیف پر اس کا الٹا اثر پڑا۔ یہ قبیلے نہایت جنگجو اور فنون جنگ سے واقف تھے۔ اسلام کو جس قدر غلبہ ہوتا جاتا تھا یہ زیادہ مضطرب ہوتے تھے کہ ان کی ریاست اور امتیاز کا خاتمہ ہوا جاتا ہے۔ اس بنا پر فتح مکہ کے بعد ہوازن اور ثقیف کے رؤسائے دیہ سمجھ بیا کہ اب ان کی باری ہے۔ اس لئے انہوں نے ایک دوسرے سے مل کر مشورہ کیا اور آپس میں قرار داد ہو گئی کہ مسلمانوں کے خلاف جو اس وقت مکہ میں جمع ہیں ایک عام حملہ کر دیا جائے۔ اس قرار داد کے مطابق یہ قبائل بڑے زور شور کے ساتھ خود حملہ کے لئے بڑھے۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ ہر قبیلہ اپنا تمام اہل و عیال لے کر آیا تھا کہ بچے اور عورتیں ساتھ ہوں گی تو ان کی حفاظت کی غرض سے لوگ جانیں دے دیں گے۔

اس معرکہ میں اگرچہ ثقیف اور ہوازن کی تمام شاخیں شریک تھیں تاہم کعب اور کلاب

انگ رہے۔ فوج کی سرداری کے لئے انتخاب تو مالک بن عوف کا کیا گیا جو قبیلہ ہوازن کا رئیس اور
 تھا لیکن مشیر کی حیثیت سے درید بن الصمہ کو بھی ساتھ لے لیا گیا جو عرب کا مشہور شاعر اور قبیلہ حاتم
 کا سردار تھا۔ اس کی شاعری اور بہادری کے معرکے اب تک عرب کی تاریخ میں یادگار ہیں۔ لیکن اس
 کی عمر سو برس سے زیادہ ہو چکی تھی اور صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا۔ تاہم چونکہ عرب اس کو
 مانتا تھا اور اس کی رائے اور تدبیر پر تمام ملک کو اعتماد تھا۔ خود مالک بن عوف نے اس سے
 شرکت کی درخواست کی۔ پلنگ پر اٹھا کر اس کو میدان جنگ میں لائے۔ اُس نے پوچھا کہ یہ کون
 سا مقام ہے۔ لوگوں نے کہا: "اوطاس"۔

بولا کہ "ہاں یہ مقام جنگ کے لئے موزوں ہے۔ اس کی زمین نہ بہت سخت ہے نہ اس
 قدر نرم کہ پاؤں دھنس جائیں۔"

پھر پوچھا کہ یہ بچوں کے رونے کی آوازیں کیسی آرہی ہیں؟

لوگوں نے کہا کہ "بچے اور عورتیں ساتھ آئی ہیں کہ کوئی شخص پاؤں پیچھے نہ ہٹائے۔"

بولا کہ "جب پاؤں اکھڑ جاتے ہیں تو کوئی ہیز روک نہیں سکتی۔ میدان جنگ میں صرف تلوار

کام دیتی ہے۔ بدقسمتی سے اگر شکست ہوئی تو عورتوں کی وجہ سے اور ذلت ہوگی۔"

پھر پوچھا کہ "کعب اور کلاب بھی شریک ہیں یا نہیں؟"

اور جب یہ معلوم ہوا کہ ان معزز قبیلوں کا ایک شخص بھی میدان جنگ میں نہیں تو کہا: "اگر آج

کا دن عزت و شرف کا دن ہوتا تو کعب و کلاب غیر حاضر نہ ہوتے۔"

اس کی رائے تھی کہ میدان سے ہٹ کر کسی محفوظ مقام میں فوجیں جمع کی جائیں اور وہیں

اعلان جنگ کیا جائے لیکن مالک بن عوف نے جو سنی سالہ نوجوان تھا جوش شباب میں اس رائے کے

قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ "آپ خوف ہو چکے، آپ کی عقل بیکار ہو چکی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپ نے تصدیق کے لئے

لے مالک بن عوف غزوہ طائف کے بعد مسلمان ہو گئے تھے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جنگ

قاوسیہ میں شریک اور دمشق کے حاکم ہوئے۔ (زر قانی ج ۲ ص ۶)

نہایت عبداللہ بن ابی جہر کو بھیجا۔ وہ جاسوس بن کر حنین میں آئے اور کئی دن تک فوج میں رہ کر
ام حالات تحقیق کئے۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبوراً مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ رسد اور سامان
لے کے قرظ کی ضرورت پیش آئی۔ عبداللہ بن ربیعہ جو ابو جہل کے بے مات بھائی تھے،
بایت دولت مند تھے۔ ان سے تیس ہزار درہم قرظ لئے۔ صفوان بن امیہ جو مکہ کا رئیس اعظم اور
ہان نوازی میں مشہور تھا لیکن اب تک اسلام نہیں لایا تھا، اس سے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
لوہ جنگ مستعار مانگے۔ اس نے سوزر میں اور ان کے لوازمات پیش کئے۔

شوال ۶۳۰ء مطابق جنوری و فروری ۶۳۰ء میں اسلامی فوجیں حنین کی تعداد بارہ ہزار
تی اس سر و سامان سے حنین پر بڑھیں کہ بعض صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گیا کہ آج
م پر کون غالب آسکتا ہے؟ لیکن بارگاہ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ تھی۔

”اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ کچھ کام نہ آئی اور
زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے
اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل کی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے نہیں دیکھی
انہماک فروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔ (توبہ — ۴)

مقدمۃ الجیش میں جو حضرت خالدؓ کی افسری میں تھا زیادہ تر فتح مکہ کے جدید الاسلام نو جوان
تھے۔ وہ جوانی کے غرور میں اسلام جنگ پہن کر بھی نہیں آئے تھے۔ فوج میں دو ہزار طلقاء یعنی وہ
لوگ جو مکہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو چکے تھے لیکن ہنوز وہ تازہ مسلمان تھے، راسخ الاسلام نہیں
ہوئے تھے، اس لئے مہاجرین و انصار جیسا استقلال و ثبات ان میں اس وقت تک پیدا نہیں ہوا
تھا۔ اس جنگ میں کچھ لوگ اس عرض سے ہی شریک ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو عین جنگ میں دھوکا
دیں۔ حدیث صحیح کا بیان ہے کہ مسلمانوں کو پہلے کامیابی ہوئی۔ لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔
دشمن کے تیر اندازوں نے موقع پا کر تیر اندازی شروع کر دی۔ ہوازن قدر اندازی میں تمام عرب
میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ میدان جنگ میں ان کا ایک تیر بھی نہ جاتا تھا۔ کفار نے
معرکہ گاہ میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور تیر اندازوں کے دستے پہاڑ کی گھاٹیوں
مردوں اور دروں میں جا بجا جمادیئے تھے۔ فوج اسلام نے صبح کے وقت جب خوب اجالا بھی نہیں

ہوا تھا حملہ کیا۔ میدان جنگ اس قدر نشیب میں تھا کہ پاؤں جم نہیں سکتے تھے۔ مقدمۃ الجیش ابتر رہا۔
ساتھ بے قابو ہو کر پیچھے ہٹا اور پھر تمام فوج کے پاؤں اکٹھے ہو گئے۔

حضرت ابو قتادہ جو شریک جنگ تھے ان کا بیان ہے کہ جب لوگ بھاگ نکلتے تو میں
ایک کافر کو دیکھا کہ ایک مسلمان کے سینہ پر سوار ہے۔ میں نے عقب سے شانہ پر تلوار ماری،
زردہ کو کاٹ کر اندازتے گئی۔ اُس نے مڑ کر مجھ کو اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی لیکن پھر
ٹھنڈا ہو کر گر پڑا۔ اسی اثنا میں میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا۔ پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے
بولے کہ قضاۃ الہی یہی تھی۔ بخاری میں ہے کہ سب لوگ ٹل گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ
اکیلے رہ گئے۔

نیروں کا مہینہ برس رہا تھا۔ بارہ ہزار فوجیں ہوا ہو گئی تھیں لیکن ایک پیکر مقدس پا برجا
جو تنہا ایک فوج، ایک ملک، ایک تعلیم، ایک عالم بلکہ مجموعہ کائنات تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم
لیکن اور روایتوں میں چند اصحاب کا ثابت قدم رہنا مذکور ہے۔ اس کی صاف توجیہ یہ ہے
کہ ان الفاظ سے ثابت قدم رہنے والوں کی کمی کا ظاہر کرنا مقصود ہے ورنہ حقیقت یہ نہ تھی
معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس پاس تھے اور تھوڑی تھوڑی
تعداد میں حضورؐ کے پاس پہنچنے لگے یہاں تک کہ خاصی جماعت حضورؐ کے گرد جمع ہو گئی۔ اسی وجہ سے
مختلف لوگوں نے مختلف تعداد بتلائی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا:

”یا معشر! انصاد“

آواز کے ساتھ صدا آئی:

”ہم حاضر ہیں“

پھر آپؐ نے بائیں جانب مڑ کر پکارا۔ اب بھی وہی آواز آئی۔ آپؐ سواری سے اتر پڑے
اور جلال نبوت کے لہجہ میں فرمایا:

”میں خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں“

بخاری کی دوسری روایت میں ہے۔

انا الہی لا کن عبد انا ابن عبد المطلب میں پیغمبر ہوں۔ یہ جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

حضرت عباسؓ نہایت بلند آواز تھے۔ آپؓ نے اُن کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو۔ انہوں نے نعرہ مارا۔

ما بعشر الانصار۔ اگر وہ انصار!

یا اصحاب الشجرہ۔ اور اصحاب شجرہ (بیعت رضوان والو)

اس پُر آواز گھمٹ کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج دفعتاً پدٹ پڑی۔ جن لوگوں کے غورے کشمکش اور گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے، انہوں نے زریں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے دفعتاً لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ کفار بھاگ نکلے اور جو رہ گئے ان کے ہاتھوں میں مستحکم بایاں تھیں۔ بنو مالک (تقیف کی ایک شاخ تھی) جم کر لڑے لیکن ان کے ستر آدمی مارے گئے اور جب ان کا علمبردار عثمان بن عبداللہ مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے۔

شکست خوردہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر کچھ اوطاس میں جمع ہوئی اور کچھ طائف میں جا کر پناہ گزیں ہوئی جس کے ساتھ سپہ سالار لشکر (مالک بن عوف) بھی تھا۔

اوطاس

دُردین الصمۃ کئی ہزار کی جمعیت لے کر اوطاس میں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت ابو عامر اشعری کے ماتحت تھوڑی سی فوج اُس کے استیصال کے لئے بھیج دی۔ حضرت ابو عامرؓ دُرید کے بیٹے کے ہاتھ سے مارے گئے اور علم اسلام اُس کے ہاتھ میں تھا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اُگے بڑھ کر حملہ کیا۔ دشمن کو قتل کر کے علم اس کے ہاتھ سے جبین دیا۔ دُرید ایک شتر پر ہودج میں سوار تھا۔ ربیع بن ربیع نے اس پر تلوار کا وار کیا لیکن اُچٹ کر رہ گیا اُس نے کہا:

تیری ماں نے تجھ کو اچھے ہتھیار نہیں دیئے۔

پھر کہا کہ میرے محل میں تلوار ہے نکال لو اور جب اپنی ماں کے پاس واپس سنا تو کہنا کہ میں

نے دریہ کو قتل کر دیا۔

ربیعہ نے جا کر ماں کو اس کے قتل کی خبر دی تو اس نے کہا:

”خدا کی قسم! دریہ نے تیری تین ماؤں کو آزاد کرایا تھا۔“

امیران جنگ کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی۔ ان میں حضرت شیام بھی تھیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن تھیں۔ لوگوں نے جب ان کو گرفتار کیا تو انہوں نے کہا:

”میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں۔“

لوگ تصدیق کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ انہوں نے پیٹھ کھول کر دکھائی کہ ایک دفعہ بچپن میں آپ نے دانت سے کاٹا تھا یہ اس کا نشان ہے۔ فرط محبت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو بھرا آئے۔ ان کے بیٹھنے کے لئے خود روئے مبارک بچھائی۔ محبت کی باتیں کیں۔ چند شتر اور بکریاں عنایت فرمائی اور ارشاد کیا کہ جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو اور گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے۔ انہوں نے خاندان کی محبت سے وطن جانا چاہا۔ چنانچہ عزت و احترام کے ساتھ پہنچا دی گئیں۔

محاصرہ طائف

حنین کی بقیہ شکست خوردہ فوج طائف میں جا کر پناہ گزیں ہوئی اور جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ طائف نہایت محفوظ مقام تھا۔ طائف اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے گرد شہر پناہ کے طور پر چار دیواری تھی۔ یہاں ثقیف کا جو قبیلہ آباد تھا نہایت شجاع، تمام عرب میں ممتاز اور قریش کا گویا ہمسر تھا۔ عروہ بن مسعود جو یہاں کا رئیس تھا، ابو سفیان (حضرت امیر معاویہ کے باپ) کی لڑکی اس کو بیاہی تھی۔ کفار مکہ کہتے تھے کہ قرآن اگر اترتا تو مکہ یا طائف کے روم پر اترتا۔ یہاں کے لوگ فن جنگ سے بھی واقف تھے۔ طبری اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ نے بحر ش (دین کا ایک ضلع) میں جا کر قلعہ شکن آلات یعنی دبائے، فہور اور منجنیق کے بنانے اور استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا۔

یہاں ایک محفوظ قلعہ تھا۔ اہل شہر اور حنین کی شکست خوردہ فوج نے اس کی مرمت کی۔

مال بھر کی رسد کا سامان جمع کیا۔ چاروں طرف مصیبت اور جا بجا قدر انداز متعین کئے۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے مال غنیمت اور اسیران جنگ کے متعلق حکم دیا کہ
 جعرانہ میں محفوظ رکھے جائیں اور خود طائف کا عزم کیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ متعینہ الجیش کے طور پر پہلے
 روانہ کر دیئے گئے تھے۔ عرض محاصرہ ہوا اور اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکن آلات یعنی دبانے
 اور متعین استعمال کئے گئے۔ دبانہ پر اہل قلعہ نے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں اور اس شدت کی
 تیرباری کی کہ حملہ آوروں کو ہٹنا پڑا۔ بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ بیس دن تک محاصرہ رہا لیکن
 شہر فتح نہ ہو سکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن معاویہؓ کو بلا کر پوچھا کہ تمہاری کیا رائے
 ہے۔ انہوں نے کہا کہ لوٹری بھٹ میں گھس گئی ہے اگر کوشش جاری رہی تو پکڑ لی جائے گی۔
 لیکن چھوڑ دی جائے تب بھی کوئی اندیشہ نہیں۔

چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ محاصرہ اٹھایا جائے
 صحابہ نے عرض کی آپ ان کو بددعا دیں۔ آپ نے یہ دعا دی۔

اللَّهُمَّ احْدِثْ قِيَفًا دَائِمًا بِهَمِّ
 اِسْخَاثِ قِيَفٍ كُوْدَايْتِ كُرْ اَوْرَ تَوْفِيْقِ

وہ کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں۔

تقسیم غنائم

محاصرہ چھوڑ کر آپ جعرانہ تشریف لائے۔ غنیمت کا بے شمار ذخیرہ تھا۔ چھ ہزار اسیران
 جنگ، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔ اسیران جنگ
 کے متعلق آپ نے انتظار کیا تا آن کے عزیز واقارب آئیں تو ان سے گفتگو کی جائے لیکن کئی دن
 گزرنے پر کوئی نہ آیا۔ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے گئے۔ چار حصے حسب قاعدہ اہل فوج کو
 تقسیم کئے گئے۔ خمس بیت المال اور عزباء و مساکین کے لئے رکھا گیا۔

مکہ کے اکثر رؤسا جنہوں نے سال ہی میں اسلام قبول کیا تھا ابھی تک مذہب الاعتقاد
 تھے۔ انہی کو قرآن مجید میں مؤلفۃ الثلوب کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے معارف بیان
 کئے گئے ہیں ان لوگوں کا نام بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو نہایت فیاضانہ

انعامات دیئے جن کی تفصیل یہ ہے :-

ابوسفیان مع اولاد ۳۰۰ اونٹ اور ۱۲۰ اوقیہ چاندی

حکیم بن حزام ۲۰۰ اونٹ

نصیر بن حارث بن کلدہ ثقفی ۱۰۰ اونٹ

صفوان بن امیہ ۱۰۰ اونٹ قیس بن عدی ۱۰۰ اونٹ

سہیل بن عمرو ۱۰۰ اونٹ حویطب بن عبد العزیٰ ۱۰۰ اونٹ

اس کے علاوہ قین غیر کی نو مسلم ریش بھی ان انعامات کے مستحق ٹھہرے۔

اترغ بن حاطب تمیمی ۱۰۰ اونٹ عینیہ بن حصن فزاری ۱۰۰ اونٹ

مالک بن عوف نصری ۱۰۰ اونٹ

ان کے سوا بہت سے لوگوں کو پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے۔ عام تقسیم کی رو سے

فوج کے حصہ میں جو آیا وہ فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں تھیں لیکن چونکہ سواروں کو تنگنا حصہ ملا تھا اس لئے ہر سوار کے حصہ میں بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں آئیں۔

جن لوگوں پر انعام کی بارش ہوئی عموماً اہل مکہ اور اکثر جدید الاسلام تھے۔ اس پر انصار کے

رنج ہوا۔ بعضوں نے کہا:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا حالانکہ ہماری تلواروں

سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں۔“

بعض بولے:

”مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت اوروں کو ملتی ہے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چرچے سنے تو انصار کو طلب فرمایا۔ ایک چرمی خیمہ نصب

کیا گیا جس میں لوگ جمع ہوئے۔ آپ نے انصار کی طرف خطاب کیا کہ تم نے ایسا کہا؟ لوگوں نے

عرض کی:

”حضور ہمارے سربراہانہ لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا۔ تو خیز نوجوانوں نے یہ فقرہ

کہے تھے۔“

صحیح بخاری باب مناقب الانصار میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے تو چونکہ انصار جھوٹ نہیں بولتے تھے، انہوں نے کہا: ”آپ نے جو سنا صحیح ہے۔“
 آپ نے ایک خطبہ دیا جس کی نظیر فنِ بلاغت میں نہیں مل سکتی۔ انصار کی طرف خطاب فرما کر کہا:-

”کیا یہ سچ نہیں کہ تم پہلے گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو ہدایت کی۔ تم فتنہ اور پرگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولت مند کیا۔“
 آپ یہ فرماتے جاتے تھے اور ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے کہ ”خدا اور رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔“
 آپ نے فرمایا:-

”نہیں۔۔۔ تم یہ جواب دو کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تجھ کو جب لوگوں نے تھکادیا تو ہم نے تیری تصدیق کی۔ تجھ کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی۔ تو مفلس آیا تھا ہم نے ہر طرح کی مدد کی۔“
 یہ کہہ کر آپ نے فرمایا کہ:-

”تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو۔ لیکن اے انصار کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور کبیریاں لے کر جاؤں اور تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔“

انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ ہم کو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم، دیکار ہیں۔“
 اکثر لوگ یہ حال ہوا کہ روتے روتے دارِ حیاں تر ہو گئیں۔ آپ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ بیدار اسلام ہیں۔ میں نے اُن کو جو کچھ دیا حتیٰ کی بنا پر نہیں بلکہ تالیفِ قلب کے لئے دیا۔
 حنین کے اسیرانِ جنگ اب تک جعرانہ میں محفوظ تھے۔ ایک معزز سفارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ اسیرانِ جنگ رہا کر دیئے جائیں۔ یہ وہ قبیلہ تھا کہ آپ کی رضاعی

والدہ حضرت سلیمہؓ اسی قبیلہ کی تھیں۔ ریش قبیلہ (ذہیر بن عمرو) نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

”جو عورتیں چھپڑوں میں محبوبوں میں انہی میں تیری پھوپھیاں اور تیری خالائیں ہیں۔ خدا کی قسم! اگر سلاطین عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں اور تجھ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں۔“
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”خاندانِ عبدالمطلب کا جس قدر حصہ ہے وہ تمہارا ہے لیکن عام رٹائی کی تدبیر یہ ہے کہ کے بعد جب مجمع ہو تو سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو کہ نماز پڑھنے بعد ان لوگوں نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی۔ آپؐ نے فرمایا: ”مجھ کو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے لیکن میں تمام مسلمانوں سے ان کے لئے سفارش کرتا ہوں۔“ مہاجرین و انصار بول اٹھے: ”ہمارا حصہ بھی حاضر ہے۔“ اس طرح چھ ہزار دفعتاً آزاد تھے۔

واقعات متفرقہ

حضرت ماریہؓ کے بطن سے اسی سال ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بچہ سے نہایت محبت تھی۔ ڈیڑھ سال دسترہ یا اسٹریچر (جینے) زندہ رہا جس دن ابراہیم نے وفات پائی، سورج گرہن ہوا۔ عرب کا عقیدہ تھا کہ سورج گرہن کسی عظیم الشان انسان کی موت کی علامت ہے۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ ابراہیم کی موت کا قیومہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا کہ سورج اور چاند خدا کی قدرت ہیں۔ کسی کے مرنے اور جینے سے ان میں گرہن نہیں لگتا۔ اس کے بعد آپؐ نے کسوف کی نماز باجماعت اور فرمائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا بھی اسی سال انتقال ہوا۔

واقعة اسلام و فتح
و غزوة بنو نضل

ایلاء اور خیر ————— اوائل سنہ

عزودہ تبوک ————— رجب سنہ

حج اسلام اور اعلاہ برأت ————— ذوالحجہ سنہ

ایلا اور خیر

(ادائل ۹۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زاہدانہ اور تمام زخارف دنیوی سے بیگانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ دو دو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ آٹے دن فاقے ہوتے رہتے تھے۔ مدت العمر دو وقت برابر سیر ہو کر کھانا نصیب نہیں ہوا۔

ازواج مطہرات اس جنس لطیف میں شامل تھیں جن کی مرغوب ترین چیز عموماً زینب و زینت اور ناز و نعمت سے اور گو شرف صحبت نے ان کو تمام انباتے جنس سے ممتاز کر دیا تھا تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت و آرام کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ ان واقعات کا اقتضاد تھا کہ ان کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہو جاتا۔

ازواج مطہرات میں بڑے بڑے گھرانوں کی خاتونیں تھیں۔ حضرت ام حبیبہؓ تھیں جو رئیس قریش کی صاحب زادی تھیں۔ حضرت جویریہؓ تھیں جو قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس کی بیٹی تھیں۔ حضرت صفیہؓ تھیں جن کا باپ خیر کار رئیس اعظم تھا۔ حضرت عائشہؓ تھیں جو حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت حفصہؓ جن کے والد فاروق اعظمؓ تھے۔ بشریت کے اقتضاء سے ان میں منافست بھی تھی اور حریف کے مقابلہ میں اپنے رتبہ اور شان کا خیال رہتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر ایک کو جو شدید محبت تھی وہ بہ سایہ ترافی پسند کی حد تک تھی۔

ایک دفعہ کسی دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے یار بیٹھے جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینبؓ کے پر کہیں سے شہداً گیا تھا۔ انہوں نے آپ کے سامنے

پیش کیا۔ آپ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ نے نوش فرمایا۔ اس میں وقت مقررہ سے دیر ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا۔ حضرت حفصہؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمارے ہاتھ پر گھر میں آئیں تو کہنا چاہئے کہ آپ کے منہ سے معافی کی بو آتی ہے (معافی کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ
لَكَ ۖ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ
(تحریم - ۱)

ایسے پیغمبر اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے
تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں
کرتے ہو۔

اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہؓ سے فرمائی اور تاکید کر دی کہ کسی سے نہ کہنا لیکن انہوں نے حضرت عائشہؓ سے کہہ دی۔ اس پر یہ آیت اتری :-

وَإِذَا سَأَلَ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ
حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَأَتْ بِهِ وَأُظْهِرَهُ اللَّهُ
عَلَيْهِ عَرَفَتْ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ
بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ
أَنْبَأَكَ هَذَا طَالَ مَبَايَ الْعَالَمِ
الْخَبِيرُ (تحریم - ۱)

اور جب کہ پیغمبر نے اپنی بعض بیویوں
سے راز کی بات کہی اور انہوں نے فاش
کر دی اور خدا نے پیغمبر کو اس کی خبر کر دی
تو پیغمبر نے اس کا کچھ حصہ ان سے کہا اور
کچھ چھوڑ دیا۔ پھر جب ان سے کہا تو
انہوں نے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی

پیغمبر نے کہا، مجھ کو خدا نے عالم خبر نے خبر دی ہے۔

شکر و نجایاں بڑھتی گئیں اور حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے باہم مظاہرہ کیا یعنی دونوں نے اس
پر اتفاق کیا کہ دونوں مل کر زور ڈالیں۔ اس پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی شان میں یہ آیتیں
اتریں۔

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ
قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ

اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کر دو تو
تمہارے دل نامعول ہو چکے ہیں اور اگر ای

اللّٰهُ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ
 الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ
 ظَهِيرٌ۔ (سورہ تحریم۔ ۱)

کے (یعنی رسول اللہ کے مقابلہ میں) یکا
 کرو تو خدا اور جبریل اور نیک مسلمان اور
 سب کے بعد فرشتے رسول اللہ کے

مددگار ہیں۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت صفہؓ نے جن معاملات کی وجہ سے ایک کیا تھا وہ خالص تھے
 لیکن توسیع نفقہ کے تقاضے میں تمام ازواج مطہرات شریک تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
 سکون خاطر میں یہ تنگ طلبی اس قدر خصل انداز ہوئی کہ آپؐ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج
 مطہرات سے نہیں گے۔ اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں آپؐ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک
 پر زخم آیا۔ آپؐ نے بالا خانے پر تنہا نشینی اختیار کی۔ واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال
 کیا کہ آپؐ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی۔ اسی کے بعد جو واقعات پیش آئے اُن کو ہم حضرت
 عمرؓ کی زبان سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے دلچسپ اور پُر اثر تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو بیان
 کیا ہے۔ اس بیان میں کچھ ابتدائی واقعات بھی آگئے ہیں جن سے اصل معاملہ پر زیادہ روشنی پڑتی
 ہے۔ یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب یعنی کتاب النکاح، طلاق، کتاب العلم میں باختلاف
 عبارت منقول ہے۔ صحیح مسلم باب النکاح میں بھی کئی طریق سے مذکور ہے۔ ان روایتوں میں باہم
 جزئیات میں اختلاف ہے۔ ہم نے تا امکان سب روایتوں کو جمع کیا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ

”میں اور ایک انصاری (راوی بن خولی یا عثمان بن مالک) ہمسایہ تھے اور معمول تھا کہ باری باری
 ایک دن پیچھے دے کر ہم دونوں خدمت اقدس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ قریش کے لوگ عورتوں پر قابو
 رکھتے تھے اور ان پر غالب رہتے تھے لیکن جب مدینہ میں آئے تو یہاں انصاری کی عورتیں مردوں پر
 غالب تھیں۔ ان کا انداز دیکھ کر ہماری عورتوں نے بھی ان کی تقلید شروع کی۔ ایک دن میں نے
 کسی بات پر اپنی بیوی کو ڈاٹھا۔ انہوں نے اُلٹ کر جواب دیا۔ میں نے کہا، تم میری بات کا جواب
 دیتی ہو۔ بولیں، تم کیا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اُن کو برابر کا جواب دیتی ہیں۔ یہاں
 تک کہ وہ بھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روٹھی رہتی ہیں۔ میں نے دل میں کہا، غضب ہو گیا اٹھ

کر حضرت حفصہؓ اور حضرت عمرؓ کی صاحب زادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رات بھر روٹھی رہتی ہے؟ حفصہؓ نے انکار کیا۔ میں نے کہا: تجھ کو یہ خیال نہیں کہ رسول کی ناراضی خدا کی ناراضی ہے۔ بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا خیال فرماتے ہیں ورنہ تجھ کو طلاق دے چکے ہوتے۔ پھر ام سلمہؓ کے پاس گیا اور ان سے بھی یہی شکایت کی۔ بولیں کہ عمرؓ ختم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے یہاں تک کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو۔ میں چپ رہ گیا اور اٹھ کر چلا آیا۔

کچھ رات گئے میرے ہمسائے انصاری باہر سے آئے اور بڑے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں گھبرا کر اٹھا اور دروازہ کھول کر پوچھا خیر ہے؟ انہوں نے کہا: غضب ہو گیا میں نے کہا، کیا عسائی مدینہ پر چڑھ آئے؟ بولے کہ نہیں، اس سے بھی بڑھ کر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی۔ میں صبح کو مدینہ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر بالاخانہ میں تنہا جا کر بیٹھ گئے۔ میں حفصہؓ کے پاس آیا تو دیکھا وہ بیٹھی رو رہی ہے۔ میں نے کہا، میں نے تجھ سے پہلے ہی کہا تھا۔ حفصہؓ کے پاس سے اٹھ کر مسجد نبوی میں آیا۔ دیکھا تو صحابہؓ منبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں ان کے پاس بیٹھ گیا لیکن طبیعت کو سکون نہیں ہوتا تھا۔ اٹھ کر بالاخانہ کے پاس آیا اور رباح (خادم خاص) سے کہا اطلاع کرو۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا۔ میں اٹھ کر پھر مسجد میں چلا آیا اور پھر حقوڑی دیر کے بعد بے تاب ہو کر بالاخانہ کے نیچے آیا اور دربان سے دوبارہ اذن طلبی کی درخواست کی۔ جب کچھ جواب نہیں ملا تو میں نے پکار کر کہا: رباح میرے لئے اذن مانگ۔ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہے کہ میں حفصہؓ کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ خدا کی قسم! رسول اللہ فرمائیں تو حفصہؓ کی گردن اڑا دوں!

لعنہ عسائی عرب کا ایک خاندان تھا جو شام میں رومیوں کے ماتحت بادشاہی کرتا تھا۔ وہ رومیوں کی تحریک سے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ (مؤلف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔ اندر گیا تو دیکھا آپ کھری چار پائی پر لیٹے ہیں اور جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں۔ ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک طرف مسطحی بھر جو رکھے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں کسی جانور کی کھال کھونٹی پر ٹنک رہی تھی۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب پوچھا۔ میں نے عرض کی، اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا۔ قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور پیغمبر ہو کر آپ کی یہ حالت ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا میں اور ہم آخرت میں نے عرض کی، کیا آپ نے ازدواج کو طلاق دے دی؟

آپ نے فرمایا، نہیں!

میں اللہ اکبر پکارا اٹھا۔ پھر عرض کی کہ مسجد میں تمام صحابہ مغموم بیٹھے ہیں۔ اجازت ہو تو جا کر خبر کروں کہ واقعہ غلط ہے۔ چونکہ ایلام کی مدت یعنی ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ آپ بالا خانہ سے اتر آئے اور عام باریابی کی اجازت ہو گئی۔ اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی۔

یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأَسَرِّحْكُنَّ سَوَاءً جَمِيلًا وَإِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعْلَمُ لِّلْمُحْسِنَاتِ مَنكُمُ الْجَوَّارِ

اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم کو دنیاوی زندگی اور دنیا کی زیب و آرائش مطلوب ہے تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر بہ طریق احسن رخصت کروں اور اگر خدا، خدا کا رسول اور آخرت مطلوب ہے تو خدا نے تم میں سے نیکوکاروں کے لئے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے۔

عَلَيْهَا (احزاب - ۴)

اس آیت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ازدواج مطہرات کو مطلع فرمادیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں۔ دنیا اور آخرت۔ اگر تم چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کروں اور اگر تم خدا اور رسول اور زندگانی ابدی کی

طلب گار ہو تو خدا نے نیکو کاروں کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق ۲۹ روز بالا خانہ پر تشریف فرما رہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ مکالمہ پہلے روز کا واقعہ ہے یا آخر روز کا۔ اس روایت کے جتنے طریقے ہیں ان کا ابتدائی سلسلہ انتہائی کمزور ہے کہ یہ پہلے ہی دن کا واقعہ ہے اور آخر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انیسویں روز کا واقعہ ہے۔ اس بنا پر محدثین نے یہ تاویل کی ہے کہ اس مکالمہ کا اکثر حصہ پہلے روز کا واقعہ ہے لیکن صرف اترنے کا بیان آخر روز کا واقعہ ہے۔ راوی نے پیچ کا سلسلہ چھوڑ دیا۔

مہینہ ختم ہو چکا تھا۔ آپ بالا خانے سے اترے اور چونکہ ان تمام معاملات میں حضرت عائشہؓ پیش پیش تھیں ان کے پاس تشریف لے گئے اور مطلع فرمایا۔ انہوں نے کہا ہم سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسولؐ کو مینتی ہوں۔ تمام اور ازواج مطہرات نے بھی یہی جواب دیا۔

ایلاء، تنجیر، مظاہرہ حصۃ وعائشہؓ۔ یہ واقعات عام طور پر اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ گویا مختلف زمانوں کے واقعات ہیں اور ان سے ایک نظر پر بین یہ دھوکا کھا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے ساتھ ہمیشہ ناگواری کے ساتھ بسر کرتے تھے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تینوں واقعات ہم زمان اور ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ صحیح بخاری باب النکاح میں حضرت ابن عباسؓ کی زبانی جو نہایت تفصیلی روایت ہے اس میں تصریح ہے کہ مظاہرہ ازواج مطہرات سے انزال افشائے راز، آیت تنجیر کا نزول سب ایک ہی سلسلہ کے واقعات ہیں۔

غزوہ تبوک

(رجب ۱۰ھ مطابق نومبر ۶۲۵ء)

تبوک ایک مشہور مقام ہے جو مدینہ اور دمشق کے وسط میں نصف راہ پر مدینہ سے چودہ منزل ہے۔

جنگ موتہ کے بعد سے رومی سلطنت نے عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ عسائی خاندان جو شام میں رومیوں کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا مذہباً عیسائی تھا۔ اس لئے قیصر روم نے اسی کو اس مہم پر متعین کیا۔ مدینہ میں یہ خبریں اکثر مشہور ہوتی رہتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایثار کے واقعہ میں حضرت عمرؓ سے جب عثمان بن مالک نے دفعۃً آکر یہ کہا کہ غضب ہو گیا۔ تو انہوں نے کہا، کیوں نہیں ہے؟ کیا عسائی آگئے۔

شام کے نبطی سوداگر مدینہ میں روغن زیتون بیچنے آیا کرتے تھے۔ انہوں نے خبر دی کہ رومیوں نے شام میں لشکر گراں جمع کیا ہے اور فوج کو سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں۔ اس فوج میں نخم، جزام اور عسائی کے تمام عرب شامل ہیں اور مقدمۃ الجیش بقائد تک آگیا۔ چہ بواہب لہ نہ میں طرانی سے روایت نقل کی ہے کہ عرب کے عیسائیوں نے برقل کو کھد بھیج دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کیا اور عرب سخت قحط کی وجہ سے جھوڑے پر رہ رہے ہیں۔ اس بنا پر برقل نے چالیس ہزار فوجیں روانہ کیں۔

بہر حال یہ خبریں تمام عرب میں پھیل گئیں اور قرآن اس قدر قوی تھے کہ نبط جو نے کی دہر نہ تھی۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کی تیاری کا حکم دیا۔ سوا اتفاق یہ کہ سخت قحط اور شدت کی گرمیاں تھیں۔ ان اسباب سے لوگوں کو گھر سے نکلنا نہایت شاق تھا۔ مضافتیں

جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اُن کا پردہ فاش ہو چلا۔ وہ خود بھی جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے کہ گرمی میں نہ نکلو۔

سولیم ایک یہودی تھا۔ اس کے گھر پر منافقین جمع ہوتے اور لوگوں کو لڑائی پر جانے سے روکتے۔ چونکہ ملک پر رومیوں کے حملہ کا اندیشہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قبائل عرب سے فوجیں اور مالی اعانت طلب کی۔ صحابہ میں سے حضرت عثمان نے دو سو اوقیہ چاندی اور دو سو اونٹ پیش کئے۔ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں لاکر حاضر کیں تاہم بہت سے مسلمان اس بنا پر جانے سے رہ گئے کہ سفر کا سامان نہیں رکھتے تھے۔ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اس درد سے روئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن پر رحم آیا۔ تاہم اُن کے چلنے کا کوئی سامان نہ ہو سکا۔ انہی کی شان میں سورہ توبہ کی یہ آیتیں اتری ہیں

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ
تَحْمِلُهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا
أَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ تُوَادُّوهُمْ
تَغْنِصُ مِنَ الدَّامِ حِزًّا لَا يَخْدُوا
مَا يُنْفِقُونَ۔

اور نہ ان لوگوں پر کچھ اعتراض ہے کہ
جب تمہارے پاس آئے کہ ہم کو سواری
دیجئے اور تم نے کہا، میرے پاس سواری
کہاں ہے جس پر تم کو سوار کر سکو تو وہ
واپس گئے اور اُن کی آنکھوں سے آنسو

جاری تھے کہ افسوس ہمارے پاس خرچ نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، جب آپ مدینہ سے تشریف لے جاتے تو کسی کو شہر کا حاکم فرما کر جاتے۔ چونکہ اس غزوہ میں بخلاف اور معرکوں کے ازواج منطہرات ساتھ نہیں گئی تھیں، اہل حرم کی حفاظت کے لئے کسی عزیز خاص کا رہنا ضرور تھا اس لئے اب کے یہ منصب جناب امیرؓ کو ملا لیکن انہوں نے شکایت کی کہ "آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں" آپ نے ارشاد فرمایا کہ "تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰؑ کے ساتھ تھی۔"

غرض آپ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ راہ میں وہ عبرت ناک مقامات تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ یعنی قوم ثمود کے مکانات جو پہاڑوں

کی تلاش کرناٹے گئے تھے۔ چونکہ اس مقام پر عذاب الہی نازل ہو چکا تھا، آپ نے حکم دیا کہ کوئی شخص یہاں قیام نہ کرے، نہ پانی پیئے اور نہ کسی کام میں لائے۔

تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی لیکن اصلیت سے خالی بھی نہ تھی۔ عسائی رئیس عرب میں ریشہ دوانیاں کر رہا تھا۔ صحیح بخاری غزوۃ تبوک میں جہاں حضرت کعب بن مالک کا واقعہ مذکور ہے۔ لکھا ہے کہ شام سے ایک قاصد آیا اور حضرت کعب بن مالک کو رئیس عسائی کا ایک خط دیا جس میں لکھا تھا کہ میں نے سنا ہے کہ محمدؐ نے تمہاری قدر نہ کی اس لئے تم میرے پاس چلے آؤ۔ میں تمہاری شان کے موافق تم سے برتاؤ کروں گا۔ حضرت کعب کو معتوب نبویؐ تھے لیکن انہوں نے اس خط کو تنور میں ڈال دیا۔

تبوک پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن تک قیام کیا۔ ایلہ کا سردار جس کا نام یوحنا تھا، نے حاضر خدمت ہو کر جزیہ دینا منظور کیا۔ ایک سفید خچر بھی نذر میں پیش کیا۔ جس کے صلیب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو دسے مبارک عنایت فرمائی۔ جبرہا اور اذرح کے عیسائی بھی حاضر ہوئے اور جزیہ پر رضا مندی ظاہر کی۔ دومۃ الجندل جو دشمن سے پابغ منزل ہے وہاں ایک عربی سردار جس کا نام اکبیر تھا، قیصر کے زیر اثر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو سپاہ سوبیس کی جمیعت کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے اس کو گرفتار کیا اور اس شرط پر رہائی دی کہ خود دربار رسالت میں حاضر ہو کر شرائط صحیح پیش کرے چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ میں آیا۔ آپ نے اُس کو امان دی۔

تبوک سے جب آپ واپس پھرے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو لوگ عالم شوق میں استقبال کو نکلے۔ یہاں تک کہ پردہ نشینانِ حرم بھی جوش میں گھروں سے نکل چڑیں اور لڑکیاں یہ اشعار گاتی نکلیں :-

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

رجب الشکر علینا ما دعا لہ داع

وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چاند طلوع ہوا۔ جب تک خدا کا پکارنے والا دنیا میں کوئی باقی ہے ہم پر خدا کا شکر فرض ہے۔

مسجد ضرار

منافقین ہمیشہ سے اس فکر میں رہتے تھے کہ مسلمانوں میں کسی طرح پھوٹ ڈال دیں ایک مدت سے وہ اس خیال میں تھے کہ مسجد قبا کے توڑ پر وہیں ایک اور مسجد اس جیلہ سے بنائیں کہ لوگ نعمت یا کسی اور وجہ سے مسجد نبوی میں نہ پہنچ سکیں یہاں آکر نماز ادا کر لیا کریں۔ ابو عامر انصاری سے عیسائی ہو گیا تھا اُس نے منافقین سے کہا کہ تم سامان کرو میں قیصر کے پاس کرواؤں سے فوجیں لاتا ہوں کہ اس ملک کو اسلام سے پاک کر دوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تنوک تشریف لے جانے لگے تو منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد تیار کی ہے آپ چل کر اس میں ایک دفعہ نماز پڑھا دیں تو مقبول ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اس وقت ہم بیمار نہ ہیں۔ جب تنوک سے واپس پھرے تو مالک بن عزی کو حکم دیا کہ جا کر مسجد میں آگ لگا دیں۔

حج اسلام اور اعلان برأت

مکہ شہر میں فتح ہوا لیکن چونکہ ابھی تک ملک میں اچھی طرح امن و امان نہیں قائم ہوا تھا۔ اس لئے اس سال مشرکین ہی کے اہتمام سے ارکان حج انجام پائے۔ مسلمانوں نے حضرت قتیب بن اسید کے ساتھ جو مکہ کے امیر مقرر ہوئے تھے فریضہ حج ادا کیا۔ اب شہر پہلا موقع ہے کہ کعبہ کفر و شرک کی ظلمت سے پاک ہو کر عبادات ابراہیمی کا مرکز قرار پاتا ہے۔ غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعد یا ذوالحجہ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مسلمانوں کا قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لئے روانہ فرمایا۔ ان میں حضرت ابوبکرؓ، قافلہ کے سالار، حضرت علیؓ، یحییٰؓ، اسکا اور حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابرؓ، حضرت ابوسریحہ وغیرہ معلم تھے۔ قربانی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جس اذنِ ساختہ تھے۔

قرآن نے اس حج کو حج اکبر کہا ہے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ رسم حج اصل ابراہیمی سنت میں جلوہ گر ہوئی۔ اس حج کا مقصد یہ تھا کہ خانہ خلیل میں عہد جاہلیت کے اختتام اور حکومت اسلام کی ابتدا کا اعلان کیا جائے۔ مناسک اور رسوم حج کی عام طور پر تعلیم دی جائے۔ زمانہ جاہلیت کے رسوم و عادات کا ابطال کیا جائے۔

حضرت ابوبکرؓ نے مناسک حج کی لوگوں کو تعلیم دی۔ یوم النحر میں خطبہ دیا جس میں حج کے مسائل بیان کئے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کھڑے ہوئے۔ سورہ برأت کی سپاہیں آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا، نہ کوئی برہمنہ اب حج کرنے پائے گا اور وہ تمام معابد جو مشرکین سے تھے، ان کے نقص عہد کے سبب سے آج سے چار مہینے کے بعد ٹوٹ جائیں گے۔ حضرت ابوسریحہ وغیرہ نے اس اعلان کی اس زور

زور سے منادی کی کہ گلا پڑ پڑا گیا۔

طبری نے بواسطہ سدی روایت کی ہے کہ اس اعلان کے بعد کفار عام طور سے مسلمان ہو گئے۔

واقعات متفرقہ

نوسال کے بعد اب ملک میں امن و امان کا دور شروع ہوا۔ اب حصول دولت کے مواقع حاصل تھے اس بنا پر زکوٰۃ کا حکم اس سال نازل ہوا اور تحصیل زکوٰۃ کے لئے عمال قبائل میں مقرر ہوئے۔

اسلام کے سایہ میں بعض غیر مسلم قومیں بھی داخل ہو چکی تھیں۔ ان کے لئے جزیہ کی یہ آیت اتری :-

حَتّٰی يُعْطُوا الْجُزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ
مَّا غُرُوتٌ -

کریم۔ رتوبہ - ۴)

سود کی تحریم بھی اسی سال نازل ہوئی اور اس کے ایک سال بعد منہج میں حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعلان عام فرمایا۔

نجاشی جس کے نطل حمایت میں مسلمانوں نے چند سال حبشہ میں بسر کیے۔ اُس نے اس انتقال کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وفات کا خود اعلان فرمایا کہ "مسلمانو! آج تمہارے برادر صالح ہضمہؓ نے وفات پائی۔ اس کے لئے دعائے منہج مانگو۔" اس کے بعد نجاشی کے لئے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

تبلیغ و اشاعتِ اسلام

مفضل بن عمر و کا اسلام — عمر و بن عبسہ — حضرت
الوزیر کا اسلام — قبیلہ اسلم کا اسلام — اوکل و
خزرج کا اسلام — قیام مدینہ میں اشاعت اسلام —
بدر کے بعد بعض قریشیوں کا اسلام — پیشین گوئی روم کا
اثر — قبیلہ اشجع کا اسلام — قبیلہ جہینہ کا اسلام —
صلح حدیبیہ کا اثر — فتح مکہ کا اثر — یمن — نجران —
بحرین شہ — عمان شہ — عرب شام شہ

مردود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی کام تمام عالم میں دعوتِ اسلام کا اعلان کرنا تھا اور نہ صرف اعلان بلکہ ہر قسم کے جائز اور صحیح وسائل سے تمام عالم کو حلقہ اسلام میں لانا تھا۔ اس کے لئے نینغ و خنجر اور فوج و عسکر کی ضرورت نہ تھی بلکہ صرف اس قدر کافی تھا کہ دعوتِ حق کی مدد اطرافِ عالم میں پہنچ جانے پائے لیکن مکہ میں تیرہ برس تک اعدائے اسلام اس کی سدا رہے۔ حج کے موقع پر عرب کے تمام قبائل دور دراز مقامات سے آتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک کے پاس جاتے اور صرف یہ درخواست کرتے کہ قریش مجھ کو پیغامِ حق پہنچانے سے روکتے ہیں تم اس کا موقع ولا دو۔ لیکن قریش کے اثر سے ہزاروں لاکھوں میں سے ایک بھی اس کی ساری نہیں بھرتا تھا۔

تاہم آفتابِ حق کی کرنیں ان کثیف بادلوں میں سے بھی چھن چھن کر سطحِ قلوب پر پڑتی تھیں۔ اور اکثاف و حوالی کو روشن کرتی جاتی تھیں۔ اسلام کو صرف اشتہار اور اعلان کی ضرورت تھی اور یہ کام خود اعدائے اسلام نے انجام دیا۔ جب حج کا زمانہ آتا تو رؤسائے قریش عام گزرگاہوں پر بھیجے لگاتے۔ باہر کے لوگ ان سے ملنے آتے اور چونکہ بعثتِ نبوی کا چہرہ چاہیں چکا تھا۔ لوگ اس کی حقیقت دریافت کرتے اور نہ کرتے تو قریش خود حفظِ مانعہ کے لئے ان سے کہتے کہ ہمارے شہر میں ایک بد عقیدہ پیدا ہوا ہے جو ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ یہاں تک کہ لات و عزیٰ تک کو برا کہتا ہے۔

بد عقیدہ کو عربی میں صابی کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے یا اس وجہ سے کہ اسلام کے بعض فرائض مثلاً نماز کی صورت صابیہ کے اعمال سے ملتے جلتے ہیں۔ قریش نے آنحضرتؐ کو

علیہ وسلم کو صابی کا لقب دیا تھا اور بالآخر اسی لقب سے تمام عرب میں آپ کا نام مشہور ہو گیا۔ صحیح بخاری کتاب المغازی میں ایک صحابی سے روایت ہے کہ "میں جب چھوٹا تھا تو مکہ کے گز جانے والوں سے سنا کرتا تھا کہ مکہ میں ایک مدعی نبوت پیدا ہوا ہے۔"

ملک میں جب آپ کا نام مشہور ہوا تو اگرچہ جمہور عام پر مخالف اثر پڑا اور ان میں سے کسی شخص نے آپ کی طرف رخ نہیں کیا لیکن اتنا بڑا وسیع ملک ان لوگوں سے خالی نہیں ہو سکتا تھا جن کو یہ شوق پیدا ہو کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ عرب میں ایسے لوگوں کی خاصی جماعت پیدا ہو گئی جو بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کے متجسس تھے۔ بعض لوگ اس حد سے ترقی کر کے حنفی بن گئے تھے۔ حافظ ابن حجر نے اصحاب میں متعدد ایسے صحابہ کا تذکرہ کیا ہے جو یمن وغیرہ دراز مقامات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق حال کے لئے مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور مخفی طور سے اسلام لا کر واپس گئے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری یمنی اور طفیل بن عوسجی یمنی کے خاندان میں جو اسلام پھیلایا، اس کی ابتدا قیام مکہ ہی کے زمانہ میں ہوئی تھی۔

طفیل بن عمرو کا اسلام

طفیل بن عمرو دوسری عرب کا مشہور شاعر تھا اور چونکہ عرب میں شعرا کا اثر بہت تھا یعنی وہ قبیلہ کے قبیلہ کو جدھر چاہتے جھونک دیتے تھے۔ اس لئے قریش نے کوشش کی کہ وہ کسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہ پہنچنے پائیں۔ لیکن ایک دفعہ جب اس نے اتفاقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید پڑھتے سنا تو وہ فوراً مسلمان ہو گیا اور اس کے اثر سے اسی زمانہ میں قبیلہ وہ میں بھی اسلام پھیلنے لگا۔ تاہم عام قبیلہ نے طفیل کی دعوت قبول نہ کی۔ وہ رنجیدہ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی یا رسول اللہ! دوس نے نافرمانی کی۔ ان پر بددعا کی آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ "خدا یا، دوس کو ہدایت دے اور ان کو بھیج۔" اس کے بعد سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

عمرو بن عبسہ

عمرو بن عبسہ سہمی بھی ان ہی بزرگوں میں ہیں جنہوں نے لوگوں کی زبانی یہ سن کر کہ مکہ میں ایک شخص ہے

پیدا ہوا ہے جو بہت سی باتیں بتاتا ہے، مشتاقانہ مکہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قریش کے مظالم کی بنا پر چھپے رہتے تھے۔ عمرو بن عبسہ کسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور عرض کی کہ "آپ کون ہیں؟"

آپ نے فرمایا، "میں پیغمبر ہوں۔"

انہوں نے کہا، "پیغمبر کس کو کہتے ہیں؟"

آپ نے فرمایا، "خدا نے مجھے بھیجا ہے۔"

انہوں نے پھر پوچھا، "کیا پیغام دے کر بھیجا ہے؟"

ارشاد فرمایا، "مجھے خدا نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ قرابت کا حق ادا کیا جائے،

بُت توڑے جائیں، خدا کو ایک مانا جائے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔"

عمرو نے پوچھا، اس مذہب کے کتنے پیرو ہیں؟

آپ نے فرمایا، "ایک آزاد (ابوبکرؓ) اور ایک غلام (بلالؓ)۔"

عمرو نے کہا، میں بھی آپ کی پیروی کرتا ہوں۔

ارشاد ہوا، ابھی تو یہ ممکن نہیں۔ تم دیکھتے ہو کہ میں کس سال میں ہوں اور لوگوں کا کیا حال

ہے۔ میری کامیابی کا جب حال سنو تو میرے پاس آنا۔"

چنانچہ عمرو واپس گئے اور ہجرت کے بعد جب لوگوں کی زبانی آپ کی کامیابی کا حال معلوم

ہوا تو حاضر خدمت ہوئے۔

ضماد بن ثعلبہ کا اسلام

ضماد بن ثعلبہ قبیلہ ازدشنوہ کے رئیس آپ کے زمانہ جاہلیت کے دوست تھے۔ وہ مکہ

آئے تو سنا کہ محمدؐ کو جنون ہو گیا ہے۔ وہ جھاڑ پھونک بھی کرتے تھے۔ وہ آپ کے پاس آئے

کہ لاؤ میں تمہارا علاج کر دوں۔ آپ نے فرمایا:

الحمد لله، نحمدہ و نستعينه، من يهدنا الله فلا مضل له ومن يضلله

فلا هادي له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و

اشہدان محمدؐ اعبداً ورسولہ۔

ان نقروں نے ضماو پر غیر معمولی اثر کیا۔ عرض کی دوبارہ ارشاد فرمائیے۔ آپؐ نے پھر اعادہ فرمایا۔ ضماو نے پھر قیسری بار پڑھوایا۔ اب وہ بالکل مسحور تھے۔ بولے کہ میں نے کاتبوں کی باتیں، سجاد و گروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سنے ہیں لیکن ایسا کلام میں نے نہیں سنا۔ یہ تو دریا کی تہ تک میں بھی اثر کر جائے گا۔ لائیے ہاتھ لائیے میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔ آپؐ نے اُن سے بیعت لی۔ پھر فرمایا، اپنے پورے قبیلے کی طرف سے بھی بیعت کر لو۔ چنانچہ انہوں نے پورے قبیلہ کی طرف سے بیعت کر لی۔ اور وہ اُن کی دعوت سے مسلمان ہو گئے۔ ایک دفعہ ایک لڑائی میں مسلمان سپاہیوں کا اُدھر سے گزر ہوا تو افسر نے پوچھا، کسی نے اس قبیلہ کی کوئی چیز لی ہے۔ ایک سپاہی نے کہا، ایک لوطا میرے پاس ہے۔ اُس نے حکم دیا کہ واپس کر دو۔

حضرت ابوذرؓ کا اسلام

حضرت ابوذرؓ کا واقعہ اس موقع پر خاص طور پر ذکر کے قابل ہے۔

غفار کا قبیلہ قریش کی شامی تجارت کے راستے میں آباد تھا۔ جب وہاں یہ چرچا پھیلنا تو حضرت ابوذرؓ جو بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کی تلاش میں تھے انہوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، اس کی تعلیم اور تلقین کیا ہے۔ انیس مکہ میں آئے اور واپس جا کر بیان کیا کہ وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے۔ حضرت ابوذرؓ کو اس مختصر جواب سے تسکین نہیں ہوئی۔ خود گئے۔ زادِ سفر کے لئے مشک میں پانی اور کچھ کھانے کو لے لیا۔ مکہ میں آئے تو ڈر کے مارے کسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں پوچھ سکتے تھے۔ حرم میں حضرت علیؓ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے گھر پر لا کر وہاں رکھا لیکن تین دن تک ان سے بھی کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ بالآخر خود حضرت علیؓ نے پوچھا کہ یہاں آنے کی کیا غرض ہے؟ انہوں نے ڈرتے ڈرتے بتایا لیکن پھر قول و قرار لے لیا کہ کسی پر یہ راز ظاہر نہ ہونے پائے۔ حضرت علیؓ نے اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور آپؐ نے اسلام کی تلقین کی اور فرمایا

کہ اس وقت گھر واپس جاؤ۔ پھر میں جو کچھ کہلا بھیجوں گا اس کی تفصیل کرنا۔ لیکن ان کو اسلام کا جوش تھا۔ عرض کی کہ میں تو اسلام کا اعلان کر کے رہوں گا۔ عرض حرم میں آئے اور زور سے پکارے کہ:-

اشھدان لاله الا للہ واشھدان محمد رسول اللہ۔

اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے اور ان کو ماننا شروع کیا حضرت

عباسؓ نے آکر بچایا اور لوگوں سے کہا:

"تم یہ نہیں سمجھتے کہ تمہاری تجارت کا راستہ غفار کی آبادی سے ہو کر گزرتا ہے اور یہ

اُسی قبیلہ کے آدمی ہیں۔"

اس وقت لوگوں نے چھوڑ دیا لیکن دوسرے دن حضرت ابوذرؓ نے حرم میں جا کر پھر اسی

طریقہ سے اسلام کا اعلان کیا اور نتیجہ بھی وہی ہوا جو کل ہو چکا تھا۔ آج بھی اتفاق سے حضرت

عباسؓ آگئے اور انہوں نے جان بچائی۔

حضرت ابوذرؓ مکہ سے جب واپس گئے اور اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو اُدھا قبیلہ

اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ بقیہ آدمیوں نے کہا کہ ہم اس وقت اسلام کا اظہار کریں گے جب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آجائیں۔ چنانچہ جب آپؐ مدینہ میں تشریف لائے تو باقی

آبادی بھی مسلمان ہو گئی۔

قبیلہ اسلم کا اسلام

غفار سے قریب اسلم کا قبیلہ آباد تھا اور دونوں قبیلوں میں قدیم تعلقات تھے۔ غفار کے

اثر سے انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا حالانکہ یہ دونوں قبیلے اسلام سے پہلے چوری میں مہم

تھے اور ان کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعل شنیع کا دشمن ہے،

اوّل و خیر ج کا اسلام

موسم حج میں عرب کے اکثر قبائل کا اجتماع ہو جاتا تھا۔ آپؐ اس موقع پر ایک ایک

قبیلہ کے قیام گاہ پر جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ چنانچہ مدینہ کے قبائل اوس و خزرج کی ایک معتد بہ جماعت نے اسی موقع پر اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد حبیب حضرت مصعب بن عمیر داعی اسلام بن کر مدینہ منورہ بھیجے گئے تو ان کے فیض تلقین سے چند ہی مہینوں میں دو گھرانوں کے سوا بقیہ تمام گھرانے مسلمان ہو گئے۔

قیام مدینہ میں اشاعت اسلام

ہجرت کے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس پاس کے قبائل میں جیسا کہ اوپر گزرا غفار و اسلم نے اسلام قبول کر لیا۔

بدر کے بعد بعض قریشیوں کا اسلام

کچھ ہی دنوں کے بعد بدر کا معرکہ پیش آیا جس میں قریش کو شکست ہوئی اور ستر اشخاص مسلمانوں کے ہاتھ میں قید ہوئے۔ ان قیدیوں کی رہائی کے لئے قریش نے مدینہ میں آمدورفت شروع کی۔ اس تقریب سے لوگوں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا اور اس اثر سے متعدد اشخاص مسلمان ہو گئے۔ ان میں بہت سے لوگ ایسے تھے کہ اتفاقاً ان کے کانوں میں قرآن مجید کی آواز پڑ گئی اور باوجود سخت عداوت کے ان کا دل پتھر سے موم بن گیا۔ حبیر بن مطعم بدر کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے کے لئے آئے تھے۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیتیں پڑھ رہے تھے:-

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ
الْمَخْلُقُونَ ۝ أَمْ خُلِقُوا السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ بَلْ لَا يُؤْقِنُونَ (طور-۲)

کیا یہ یونہی آپ سے آپ پیدا ہو گئے
یا ان لوگوں نے خود اپنے آپ کو پیدا
کیا یا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کو

پیدا کیا بلکہ بات یہ ہے کہ ان کو یقین نہیں ہے۔

حبیر بن مطعم نے یہ آیتیں سن لیں، تو ان کا بیان ہے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل پرواز کر گیا۔

پیشین گوئی روم کا اثر

مکہ میں روم و فارس کی جنگ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ ٹھیک فتح بدر کے موقع پر پوری اتری اور قرآن مجید کی پیشین گوئی کے مطابق سات برس کے بعد رومیوں نے فارس پر فتح کلی پائی۔ اس عظیم الشان معجزہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک خلق کثیر نے اسلام کی صداقت کا اقرار کیا۔

غرض اس طرح آپ ہی آپ لیکن نہایت اہستگی اور تدریج کے ساتھ اسلام پھیلتا جاتا تھا۔ ۶۱۰ء میں قریش، کنانہ، غطفان، اسد اور دیگر قبائل نے متحد ہو کر مدینہ پر حملہ کیا اور شکست کھائی اس معرکہ کا نام اجزاب ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اس شکست نے قریش کا عالمگیر اثر کسی قدر کم کیا اور وہ قبائل جو قبول اسلام کے لئے آمادہ تھے لیکن قریش کے ڈر سے جن کو اظہار اسلام کی ہمت نہیں ہوتی تھی انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں و خود بھیجنے شروع کئے۔ سب سے پہلی جو سفارت آئی وہ قبیلہ مزنیہ کی تھی جس میں چار سو آدمی شریک تھے۔ انہوں نے یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ اگر ارشاد ہو تو ہجرت کر کے مدینہ میں آجائیں لیکن آپ نے فرمایا: ”تم جہاں رہو مہاجر ہو۔“

قبیلہ اشجع کا اسلام

اسی زمانہ میں قبیلہ اشجع کے سفراء جن کی تعداد سو تھی مدینہ میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ سے لڑنا نہیں چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ صلح کا معاہدہ ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ اس وقت تک یہ لوگ کافر رہے۔ لیکن جب صلح ہو چکی تو انہوں نے خود بخود اسلام قبول کر لیا۔

قبیلہ جہینہ کا اسلام

جہینہ بھی ان ہی قبائل کے آس پاس آباد تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو

اسلام کی دعوت دی اور وہ فوراً ایک ہزار کی جمیعت لے کر مدینہ آئے اور مسلمان ہو گئے اور اس کے بعد وہ اکثر غزوات میں مسلمانوں کے شریکِ حال رہے۔ غفّار، اسلم، مرنیہ، اشجع اور جہینہ، یہی اطاعت اور مسابقتِ اسلام تھی جس کی بنا پر آپؐ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

صلح حدیبیہ کا اثر

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں جیسا کہ ہم حدیبیہ کے ذکر میں لکھ آئے ہیں، کفار اور مسلمان نہایت آزادی کے ساتھ آپس میں ملتے جلتے اور اس کے لئے منکروں کو خلوت و جہوت میں مسلمانوں کی تلقینات کے سننے کا موقع ملا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے پہلے باوجود غزوات اور محاربات کے جس قدر لوگ اسلام لائے تھے صرف دو برس میں یہ تعداد اس سے اضعافاً مضاعفہ بڑھ گئی۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے سال اداۓ عمرہ کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے نکلے تو صرف دیر ۷ ہزار شخص ساتھ تھے۔ اب دو برس کے بعد فتح مکہ کو چلے تو دس ہزار مسلمانوں کا لشکر جہاد ساتھ تھا۔

صلح حدیبیہ کا اثر اگرچہ تمام عرب پر محیط نہ تھا کیونکہ اس معاہدہ میں صرف قریش اور کنانہ شریک تھے۔ اس لئے جو لوگ براہِ راست قریش کے زیر اثر یا ان کے حلیف اور ہم عہد نہ تھے وہ اب بھی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرتے رہتے تھے اور ان کے دفاع کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ کچھ فوجیں بھیجی پڑتی تھیں تاہم جن موقعوں پر امن کا گمان ہوتا تھا وہاں داعیانِ اسلام بھیجے جانے لگے کہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں لیکن چونکہ حفاظتِ خود اختیاری کی غرض سے ان داعیوں کے ساتھ تھوڑی بہت جمیعت بھی ہوتی تھی اس لئے اربابِ سیران تبلیغی جماعتوں کو بھی سرایا سے تعبیر کرتے تھے۔

تمام عرب تو بیتِ کعبہ کی وجہ سے قریش کو مذہبی رہبر سمجھتا تھا۔ اس لئے وہ انتظار کر رہے تھے کہ قریش کا کیا انجام ہوتا ہے۔

فتح مکہ کا اثر

ابن ہشام نے لکھا ہے :-

”اور عرب اسلام کے باب میں صرف قریش کا انتظار کر رہے تھے اور وہ یوں کہ قریش تمام ملک کے سردار اور پیشوا اور کعبہ و حرم کے متولی اور حضرت اسماعیلؑ کی خاص اولاد اور عرب کے قائد تھے اور صرف قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے لئے جنگ برپا کی تھی۔ تو جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش نے سپردال دی اور اسلام نے مکہ کو چھایا تو عرب کو یقین ہو گیا کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ اور عداوت کی طاقت نہیں ہے تو وہ خدا کے دین میں داخل ہو گئے۔“

غرض اسلام کی سچائی اور سادگی اور عرب کی تیز فہمی اور ذہانت کے لحاظ سے اسلام کے پھیلنے میں جو دیر لگی وہ زیادہ تر قومی اور خاندانی مخالفت کی وجہ سے تھی۔ اب جب کہ باطل کا سنگِ راہ ہٹ گیا تو حق کے آگے بڑھنے میں دیر نہ تھی۔

فتح مکہ کے بعد اب دعوتِ اسلام کے لئے یہ خطرہ نہیں رہا کہ اس کے دعاۃ جہاں جاؤں بے دریغ قتل کر دیئے جائیں۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اطراف عرب میں دعاۃ بھیج دیئے کہ لوگوں کو اسلام کے فضائل و محاسن بتا کر ان کو اسلام کی ترغیب دلائیں۔ دعاۃ حسب ذیل طریقہ سے مقرر کئے گئے :-

۱۔ حفاظت خود اختیاری کی غرض سے کسی قدر فوج ساتھ کر دی جاتی تھی کہ ان کو کوئی شخص ضرر نہ پہنچانے پائے اور وہ آزادی سے تبلیغِ اسلام کر سکیں۔ حضرت خالدؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن بھیجا تو فوج بھی ساتھ کر دی لیکن تاکید کی کہ بہ جبر پیش نہ آئیں۔ چنانچہ پورے چھ مہینے تک ان کی دعوتِ اسلام پر کسی نے توجہ نہیں کی اور وہ کچھ نہ کر سکے۔ حضرت خالدؓ سپہ سالار اور فاتح تھے، داعظ اور صاحبِ ارشاد نہ تھے۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اب حضرت علیؓ کو بھیجا۔ انہوں نے قبائل کے سامنے جب اسلام کی تبلیغ کی تو دفعۃً ملک کا ملک مسلمان تھا۔

حضرت زیدؓ کو قبیلہ بنی ہذیل کے پاس بھی اسی طرح دعوت اسلام کے لئے بھیجا تھا لیکن جب انہوں نے کشت و خون کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر موافق قرار دیا اور آپؐ کو مارنے کی کوشش کی۔

نہایت میں نہایت کے فعل سے برقی ہوتا۔

پھر حضرت علیؓ کو بھیجا۔ انہوں نے ایک ایک معقول کا خود بہاد کیا یہیں تک کہ کمر کاٹ لیا۔

راشاعت اسلام کی طرف سے جو مسلح جماعت اطراف مکہ میں بھیجی جاتی تھی اس میں کبھی آپؐ ایک ایک فرد کا امتحان لیتے تھے۔ ان میں جو صاحب سب سے زیادہ مانتے قرآن ہوتے تھے ان کو اس کا امیر مقرر فرماتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے ایک بار اس قسم کی فوج روانہ کر دی جو آپؐ کو ایک ایک شخص سے قرآن پڑھوا کر سنا۔ ان لوگوں میں ایک کم سن جوان تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے۔ پوچھا، تمہیں کیا یاد ہے؟ انہوں نے کہا، مجھ کو سورہ بقرہ اور نکل فہم سورہ میں یاد ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم ہی ان سب کے امیر ہو۔

۲۔ جو مالک زیر اثر آتے تھے اور وہاں زکوٰۃ اور جزیرہ کے وصول کرنے کے لئے مال بھیجے جاتے تھے، وہ اکثر اس وجہ کے لوگ ہوتے تھے جن کا تقدس، زہد اور پاکیزگی مسلم ہوتی تھی۔ ان کے ساتھ عالم اور صاحب بھی ہوتے تھے اور اس لئے وہ تحصیل مال کے ساتھ تبلیغ اسلام کی خدمت بھی انجام دے سکتے تھے۔ ان میں سے بعضوں کے نام حسب ذیل ہیں:-

نام	مقام	کیفیت
مہاجر بن ابی امیر	صفادین	حضرت ام سلمہؓ (زندہ جو فوج) کے بھائی تھے۔
زیاد بن لبید	حضرموت	یہ ان صحابہ میں سے جو غزوہ بدر میں شریک تھے۔
خالد بن سعید	صفادین	سابقہ اولیں اور مہاجر بن ہش میں ہیں۔ سب سے پہلے انہی نے کائنات پر بسیم اللہ الرحمن الرحیم لکھا۔
عقی بن حاتم	قبیلہ دہلی (میں)	مشہور صحابی ہیں۔ حاتم صحابی ان ہی کا باپ تھا۔

علاء بن حضرمی حضرت ابو موسیٰ اشعری	بحرین زبید و عدن	ان کی دعوت اسلام سے قریباً تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ مشہور صاحب علم صحابی ہیں۔
حضرت معاذ بن جبل جریر بن عبد اللہ بکلی	جند ذوالکلاع حمیری	جریر مشہور صحابی ہیں۔ ذوالکلاع حمیری مین کے مسلمانوں کے خاندان سے تھے۔ ایک موقع پر لاکھ آدمیوں نے ان کو مسجد کیا تھا۔ جریرؓ کی دعوت پر یہ اسلام لائے تو اس کی خوشی میں چار ہزار غلام آزاد کئے۔
۳۔ بعض لوگ خاص اشاعت اسلام کی غرض سے بھیجے جاتے تھے تفحص سے اس قسم کے دعا کے نام حسب ذیل ہیں :-		

نام	مقام دعوت	نام	مقام دعوت
علی بن ابی طالب مغیرہ بن شعبہ وہب بن نخعیس معیضہ بن مسعود	قبیلہ ہمدان و جذیمہ و مذحج نجران آبناٹے فارس فدک	احنفؓ شالد بن ولید عمرو بن العاص ہباجہ بن ابی امیہ	قبیلہ سلیم اطراف مکہ عمان بطرف حارث بن عبد کلال شہزادہ یمن

۴۔ دوسرے قبائل بارگاہ نبوت میں آکر مسلمان ہو جاتے تھے اور کچھ روز یہاں قیام کر کے اپنے اپنے قبائل میں دعوت اسلام کی غرض سے واپس جاتے تھے ان اشخاص کے نام یہ ہیں :-

نام	مقام	نام	مقام
ظہیر بن عمرو دوسی عمرو بن مسعود عامر بن شہر	قبیلہ دوسی تقیف ہمدان	ضیاء بن ثعلبہ منقذ بن حبان ثمامہ بن اثمال	بنو سعد بحرین اطراف نجد

ان مبلغین اور دعا کے اثر سے اسلام ہر جگہ تیزی سے اُگے بڑھ رہا تھا۔ فتح مکہ کے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، دعا اطراف مکہ میں بھیج دیئے گئے تھے اور لوگ خوشی خوشی مسلمان ہوتے جاتے تھے۔

فتح مکہ کے تین مہینے کے بعد ذوالحجہ ۹ھ کے موسم حج میں اعلانِ برأت ہوا۔ اس کے بعد بلا استثناء حجاز نے عام طور سے اسلام قبول کر لیا۔

حجاز سے باہر نبوت کے اکیس برس میں صرف قریش اور یہود کی مزاحمت سے اسلام نہ بڑھ سکا اور خال خال مسلمان ادھر ادھر نظر آتے تھے۔ لیکن ان دیواروں کا ہٹنا تھا کہ تین برس ۸، ۹۔ ۱۰ھ میں اسلام کا اثر ایک طرف یمن، بحرین، یمامہ، عمان اور دوسری طرف عراق و شام کی حدود تک وسیع ہو گیا۔ یہ عرب کے وہ صوبے ہیں جہاں اسلام سے پہلے عربوں کی بڑی بڑی حکومتیں قائم تھیں اور اس وقت بھی وہ روم و فارس، دنیا کی دو عظیم طاقتوں کے زیر سایہ تھیں۔ تاہم اسلام بغیر تلوار کی رفاقت کے صلح و امن کے سایہ میں اپنے آواز بلند کرتا چلا گیا اور ہر گوشہ سے بلیک کی صدا میں خود بخود اُٹنے لگیں۔

یمن

ملک عرب کے تمام صوبوں میں یمن سب سے زیادہ زرخیز اور سیر حاصل ہے اور نہایت قدیم زمانہ سے تمدن و تجارت کا مرکز ہے۔ سبا اور حمیر کی عظیم الشان حکومتیں یہیں قائم ہوئی تھیں۔ ولادتِ نبویؐ سے تقریباً پچاس برس پہلے ۲۵ھ میں حبشی عیسائیوں نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ ولادتِ نبویؐ کے چند سال بعد اہل ایران یہاں کے مالک بن گئے تھے۔ ان کی طرف سے یہاں ایک گورنر ہوتا تھا جو یمن پر حکومت کرتا تھا۔

یمن میں اسلام کی تحریک کے لئے متعدد عوامی موجود تھے۔ مثلاً اختلافِ جنسیت کے محض قحطانی تھے، داعیِ اسلام اسماعیلی۔ اہل یمن کو اپنے قدیم جاہ و جلال اور تمدن و حکومت پر تازہ تھا اور تمام عرب بجا طور پر ان کی پیش روی کو تسلیم کرتا تھا اور تمام عرب میں وہی حکومت کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ ملک میں جہاں کہیں باقاعدہ حکومت تھی وہ نسلاً اسی خاندان سے

رہوتی تھی۔ چنانچہ جب یمن سے قبیلہ کندہ کا وفد آیا ہے، جو یمن کا ایک شاہی خاندان تھا، تو
 حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عرب فرماں روا سمجھ کر رئیس وفد نے پوچھا کہ
 ”یا رسول اللہ! کیا آپ اور ہم ہم خاندان نہیں ہیں؟“

آپ نے فرمایا:

”ہم نصر بن کنانہ کے خاندان سے ہیں۔ نہ اپنی ماں پر تہمت رکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے
 پ سے انکار کر سکتے ہیں۔“

یمن میں اشاعتِ اسلام کا سب سے بڑا عائق یہ ہو سکتا تھا کہ وہ پولٹیکل حیثیت سے
 برائیوں کے ماتحت تھا اور باشندے مذہباً علی العموم یہودی یا عیسائی تھے لیکن قبولِ حق
 کے لئے کوئی چیز ان میں سے مانع نہ آئی۔

یمن میں اسلام کی دعوت ہجرت سے بہت پہلے پہنچ چکی تھی۔ یمن میں دوس ایک ممتاز
 قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کا رئیس طفیل بن عمرو اتفاق سے مکہ آیا اور مسلمان ہو گیا۔ اسی زمانہ میں کندہ
 قبیلہ حج کے لئے مکہ آیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن
 انہوں نے انکار کیا۔ شہدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نجبر میں تشریف فرما تھے۔ دوس کا قبیلہ
 مسلمان ہو کر دارالاسلام میں منتقل ہو گیا۔ یمن کا ایک مشہور قبیلہ اشعر تھا۔ وہ بھی ہاجرین حبشہ کی
 معیت میں اسی زمانہ میں بلا تھریک خود بخود اسلام لایا اور آستانہ نبوت پر حاضر ہوا۔ ابو ہریرہؓ
 دوسی اور ابو موسیٰ اشعری ان ہی قبائل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر
 ہوئے تھے۔

یمن میں ہمدان سب سے بڑا کثیر التعداد اور صاحب اثر خاندان تھا۔ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم نے شہدہ کے آخر میں ان کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے حضرت خالدؓ کو بھیجا۔ خالدؓ
 چھ مہینے تک ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے لیکن ان لوگوں نے قبول نہیں کیا۔ بالآخر آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ کو بلا لیا اور حضرت علیؓ کو بھیجا۔ حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو جمع کر
 کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک پڑھ کر سنایا اور ساتھ ہی سارے کا سارا قبیلہ مسلمان
 بنا۔ حضرت علیؓ نے حبشہ، واقعہ، اطلاع مارگاہ رسالت، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے سجدہ کیا اور سر اٹھا کر دو دفعہ فرمایا اَلطَّامِرُ عَلٰی هٰمْدَانَ ۔

بعض روایتوں میں ہے کہ ہمدان نے جب اسلام کا غلغلہ سنا تو عامر بن شہر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ یہ مذہب اگر تم کو پسند آئے تو ہم سب اس کے قبول کے لئے تیار ہیں اور اگر ناپسندیدہ ٹھہرے تب بھی ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ عامر بن شہر جب دربار رسالت سے واپس آیا تو اس کا دل نور اسلام سے معمور تھا اور ساتھ ہی سارا قبیلہ بھی مسلمان تھا۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعے ہوں اور دونوں کی کوشش سے یہ کامیابی حاصل ہوئی ہو۔

یمن میں لوگ حضرت علیؑ سے مانوس ہو گئے تھے۔ ربیع الاول سال ۳ھ میں تین سو سواروں کی حفاظت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کو یمن کے قبیلہ مذحج میں تبلیغ اسلام کے لئے نامزد فرمایا اور ساتھ ہی یہ تاکید فرمادی کہ جب تک وہ حملہ آور نہ ہوں پیش دستی نہ کرنا۔ حضرت علیؑ جب مذحج کی سرزمین میں پہنچے تو مال گزاری وصول کرنے کے لئے ادھر ادھر لوگوں کو متعین کیا۔ اسی اثنا میں قبیلہ مذحج کی ایک جمیعت نظر آئی۔ حضرت علیؑ نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی لیکن ادھر سے اس احسان کا جواب تیرا اور پیٹروں کی زبان سے ملا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؑ نے بھی اپنے ساتھیوں کی صف آرائی کی۔ مذحج اپنے بیس آدمی مقتول چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب نہ کیا کہ ان کا مقصد صرف مدافعت تھا۔ اس کے بعد رؤسائے قبیلہ خود حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا اور دوسروں کی طرف سے نیا بتا اسلام کا اعلان کیا۔

یمن میں فارس کے جو رؤسا قیام پذیر ہو گئے تھے ان کو ابناؤ کہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سال ۳ھ میں وہڑ بن نخیس کو ان کے پاس دعوت اسلام کے لئے بھیجا۔ وہ نعمان بن بزدج (بزدگ) کے گھرانے کے مہمان ہوئے اور فیروز و لمی، مرکبود، وہب بن منبہ کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔ سب نے اسلام قبول کیا۔ صغاد میں سب سے پہلے جس نے قرآن مجید حفظ کیا وہ مرکبود کے صاحب زادے عطاء اور وہب بن منبہ تھے۔

عام یمن میں تبلیغ اسلام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل اور ابوموسیٰ

اشعری کو نامزد فرمایا اور دونوں صاحبِ یمن کے ایک ایک ضلع میں بھیجے گئے۔ چلتے وقت آپ نے ان لوگوں کو جو باتیں تعلیم فرمائیں وہ درحقیقت اسلامی تبلیغ کے اصول ہیں۔ آپ نے فرمایا:

”سہولت سے کام کرنا، سخت گیری نہ کرنا، لوگوں کو خوش خبری سنانا نفرت نہ دلانا، دونوں مل کر کام کرنا، تم کو ایسے لوگ ملیں گے جو پہلے سے کوئی مذہب رکھتے ہیں۔ جب ان کے یہاں پہنچنا تو پہلے ان کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا۔ جب وہ احن کو تسلیم کر لیں تو کہنا کہ خدا نے تم پر روز و شب میں پانچ وقت کی نماز بھی فرض کی ہے۔ جب یہ بھی مان لیں تو ان کو سمجھانا کہ تم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ تم میں جو امیر ہوں ان سے لے کر جو غریب ہیں ان کو دسے دی جائے گی۔ دیکھو جب وہ زکوٰۃ دینا منظور کر لیں تو چن کر اچھی اچھی چیزیں نہ لے لینا۔ مظلوموں کی بددعا سے دُرتے رہنا کہ اُس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعری نے پوچھا:

”یا نبی اللہ! ہمارے ملک یمن میں جو اور شہید کی شراب بنتی ہے۔ کیا یہ بھی حرام ہے؟“

آپ نے فرمایا:

”ہر شے جو نشہ کرے حرام ہے۔“

نجران

یمن کے پاس ہی نجران کا ضلع ہے۔ نجران عرب میں عیسائیت کا خاص مرکز تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیرہ بن شعبہ کو جو صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام لائے تھے دعوتِ اسلام کے لئے نجران بھیجا۔ عیسائیوں نے قرآن پر اعتراضات شروع کئے۔ یہ جواب نہ دے سکے اور واپس چلے آئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کا ان کو خط بھیجا جس میں تحریر تھا کہ اگر اسلام قبول نہ ہو تو اسلام کی اطاعت قبول کرو اور جزیہ دو۔ اہل نجران نے راہبوں اور مذہبی پیشواؤں کی ایک جماعت کو دریافت حال کئے مئے مدینہ بھیجا اس وفد کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

نصارائی کے علاوہ نجران میں مشرکین کی بھی کچھ آبادی تھی۔ ان میں ایک قبیلہ بنو حارث

ابن زیاد تھا جو مدین نام ایک بٹ کو پوجتا تھا اور اس لئے عبدالممدان کے نام سے مشہور تھا
 سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو وہاں دعوت اسلام کے لئے بھیجا
 حضرت خالدؓ وہاں پہنچے تو سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ حضرت خالدؓ نے یہاں ٹھوڑے دن
 کیا اور قرآن اور احکام اسلام کی تعلیم دی۔

بحرین سلسلہ

بحرین ایران کی حدود حکومت میں داخل تھا۔ عرب کے قبائل وادیوں میں آباد تھے
 میں مشہور اور بااثر خاندان عبدالقیس، بکر بن وائل اور تمیم تھے۔ ان میں سے عبدالقیس کے
 میں منقذ بن حبان تجارت کے لئے نکلے۔ راہ میں مدینہ پڑتا تھا۔ وہاں ٹھہرے۔ آنحضرت صلی
 علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے
 قبول کیا اور سورہ فاتحہ اور اقراء سیکھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک فرمان عنایت
 کیا۔ وہ سفر سے واپس گئے تو چند روز تک کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا لیکن ان کی بیوی نے
 نماز پڑھنے دیکھا تو اپنے باپ منذر بن عائد سے شکایت کی۔ انہوں نے منقذ سے دریافت
 کیا۔ بحث مباحثہ کے بعد منذر بھی مسلمان ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک
 کو سنایا۔ سب نے اسلام قبول کر لیا۔

صحیح بخاری کتاب الجمعہ میں روایت ہے کہ مسجد نبویؐ کے بعد سب سے پہلا جمعہ
 مسجد میں ادا کیا گیا وہ بحرین کی مسجد تھی جو جوثانی میں واقع ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ
 بحرین میں ابتدائی زمانہ میں اسلام کی اشاعت ہو چکی تھی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ان لوگوں نے چودہ شخصوں کی ایک سفارت آنحضرت صلی
 علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجی جس کے افسر منذر بن الحارث تھے۔ ان کا قافلہ کا شانہ نبوت
 قریب آیا تو یہ لوگ اس قدر بیتاب ہوئے کہ سواریوں سے کود پڑے اور آنحضرت صلی
 علیہ وسلم کے ہاتھ چومنے۔ لیکن منذر کو پاس ادب ملحوظ تھا۔ انہوں نے قیام گاہ پر جا
 کپڑے بدلے۔ پھر خدمت میں حاضر ہو کر دست بوسی کی۔

شہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علا حضرت جی کو تبلیغ اسلام کے لئے بحرین بھیجا۔ اس زمانہ میں یہاں ایران کی طرف سے منذر بن ساوی گورنر تھا۔ اُس نے اسلام قبول کیا اور اُس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہاں مقیم تھے مسلمان ہو گئے۔
بحرین کے علاقہ میں "ہجر" ایک مقام ہے۔ یہاں ایران کی طرف سے سیلج بخت حاکم تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نام بھی خط بھیجا تھا اور اُس نے بھی اسلام قبول کیا۔

عمان

اس شہر پر قبیلہ ازد کا قبضہ تھا اور عبید و جعفر یہاں کے رئیس تھے۔ شہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوزید انصاری کو جو حافظ قرآن تھے اور عمرو بن العاص کو دعوت اسلام کا خط دے کر بھیجا۔ دونوں رئیسوں نے اسلام قبول کیا اور وہاں کے تمام عرب اُن کی ترغیب سے اسلام لائے۔

عرب شام

شام کے اطراف میں جو عرب آباد تھے، ان میں متعدد ریاستیں تھیں۔ ان میں سے معان اور اُس کے اضلاع فروة بن عمرو کے زیر حکومت تھے لیکن خود فروة رومی سلطنت کی طرف سے گویا گورنر تھے۔ انہوں نے اسلام سے واقفیت پیدا کی تو مسلمان ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اظہار اسلام کے ساتھ ایک خچر ہدیہ کے طور پر بھیجا۔
حیاتی رومیوں کو ان کے اسلام کا حال معلوم ہوا تو اُن کو گرفتار کر کے شولی دے دی۔

شام اور عرب کے درمیان عذرا، بلی، ہذام وغیرہ قبائل آباد تھے۔ قبیلہ بلی میں حضرت عمرو بن العاص کا انتقال تھا۔ اس لئے ایک جماعت کے ساتھ ان اطراف میں بھیجے گئے جب وہ ہذام کے تالاب پر پہنچے، تو اُن کو حملہ کا خوف ہوا۔ دربار نبوت میں اطلاع کی۔
وہاں سے حضرت ابو عبیدہ کی ماتحتی میں بغرض حفاظت کچھ فوج بھیج دی گئی۔ اس کو

اہل سیر کی اصطلاح میں غزوہ ذی القعدة السلاسل کہتے ہیں۔

وفود عرب

مزنیہ ————— بنو تمیم
بنو سعد ————— اشعریین شدہ
وکیل شدہ ————— بنو حوث بن کعب شدہ
قبیلہ طے شدہ ————— عدی بن حاتم شدہ
وفد ثقیف ————— وفد نجران شدہ
بنو اسد شدہ ————— بنو فزازہ شدہ
کنزہ شدہ ————— عبدالقیس
بنو عامر شدہ ————— حمیر وغیرہ کی سفارت۔

جن لوگوں نے مبلغین اسلام کی دعوت قبول کر لینے کے بعد خود بارگاہ نبوت میں جا کر اسلام کا اعلان کرنا چاہا، اور باب سپر وفود کے عنوان سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ اس قسم کے وفود کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اصل یہ ہے کہ تمام عرب مکہ کے فیصلہ اخیر کا انتظار کر رہا تھا۔ مکہ فتح ہو چکا تو یہ انتظار جاتا رہا۔ اب ہر قبیلے نے چاہا کہ خود دارا اسلام میں جا کر کوئی فیصلہ کرے۔ اہل عرب کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اب وہ اسلام کے مقابلہ میں سرکشی نہیں کر سکتے لیکن نجیب و غیرہ کی نظیروں سے یہ بھی جانتے تھے کہ اسلام لانے پر وہ مجبور نہیں ہیں بلکہ جزیہ یا کسی اور طریقہ سے صلح کر کے ان کی سابق حالت قائم رہ سکتی ہے۔ فتح مکہ کے ساتھ ہی ہر طرف سے سفارتیں آنی شروع ہو گئیں اور بجز چند کے باقی جس قدر سفارتیں آئیں انہوں نے بارگاہ نبوت میں پہنچ کر وہ کچھ دیکھا کہ واپس آئے تو ایمان کی دولت سے مالا مال آئے۔

عرب کے سب سے طاقتور قبیلے جن کا اثر دور تک پھیلا ہوا تھا، بنو تمیم، بنو سعد، بنو حنیفہ، بنو اسد، کنذہ، سلاطین حمیرہ، ہمدان، ازوا اور طے تھے۔ ان تمام قبائل کی سفارتیں ربا نبوت میں آئیں۔ ان میں سے بعض ملکی حیثیت رکھتی تھیں یعنی جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ بحیثیت فاتح کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کر لیں لیکن اکثر اس غرض سے آئیں کہ اسلام کی حقیقت سے مطلع ہو کر اس کے حلقہ میں آجائیں۔

یہ وفود زیادہ تر فتح مکہ کے بعد ۶۱۰ء اور ۶۱۱ء میں آئے لیکن تسلسل بیان کے لئے اس سے پہلے کے چند وفود کا تذکرہ کرنا بھی موزوں ہوگا۔

مزنہ

یہ ایک بڑا قبیلہ تھا جو مضر تک پہنچ کر قریش کے خاندان سے مل جاتا تھا۔ نعمان بن مقرئ مشہور صحابی جو فتح مکہ میں قبیلہ مزنہ کے علمبردار تھے اسی قبیلہ سے تھے۔ اصفہان ان ہی نے فتح کیا تھا۔ ۵۵ھ میں اس قبیلہ کے چار سو شخص قبیلہ کے سفیر بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اسلام لائے۔

بنو تمیم

بنو تمیم کے وفد بڑی شان و شوکت سے آئے۔ قبیلہ کے تمام بڑے بڑے رؤساء اقرب بنی حابس، ذبرقان، عمرو بن الہاتم، نعیم بن یزید سب اس سفارت میں شامل تھے۔ عینہ حصن فزاری جو مدینہ کے حدود تک حملہ آور ہوا کرتا تھا وہ بھی ساتھ تھا۔ یہ لوگ اگرچہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے آئے تھے تاہم عربی فخر و غرور کا نشہ سر اب بھی باقی تھا۔ دربار نبوت یعنی مسجد نبویؐ میں پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مگر میں تشریف رکھتے تھے۔ آستانہ اقدس پر جا کر پکارے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، باہر آؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو بولے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ہم اس لئے آئے ہیں کہ تم سے مفاد خیر کریں۔ آپؐ نے اجازت دی۔ عطار دابن حاجب جو مشہور خطیب تھا اور جس نو شیرواں کے دربار سے حسن تقریر کے سلسلہ میں کمخواب کا خلعت حاصل کیا تھا اس نے اپنی قوم کے مفاد خیر پر ایک پرزور تقریر کی، جس کا خلاصہ یہ ہے:-

"خدا کا شکر ہے جس کے انطاف کی بدولت ہم صاحب تاج و تخت، خزانہ ہائے گزائے بہائے ملک اور مشرق میں تمام قوموں سے معزز تر ہیں۔ ہماری برابری آج کون کر سکتا ہے۔ ہماری ہم رنگی کا جس کو دعویٰ ہو وہ یہ خصائص اور اوصاف گناہ جو ہم نے گناہے ہیں۔"

عطار و خطیب دسے کہ بیٹھ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس کو جواب دیا:-

کا اشارہ کیا۔ انہوں نے جو تقریر کی اُس کا ماحصل یہ تھا:-

”اُس کی تعریف جس نے زمین و آسمان بنائے۔ اُس نے ہم کو بادشاہت دی اور اپنے بندوں میں سے بہترین شخص کو انتخاب کیا جو سب سے زیادہ شریف النفس، سب سے زیادہ راست گفتار، سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا۔ وہ تمام عالم کا انتخاب تھا۔ اس لئے خدا نے اُس پر کتاب نازل کی۔ اُس نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے مہاجرین اور ان کے بعد ہم (انصار) نے دعوت اسلام پر لبیک کہا۔ ہم لوگ انصارِ الہی اور وزرائے رسالت ہیں۔“

تقریریں ہو چکیں تو اشعار کی باری آئی۔ سفارت کی طرف سے تمیم کے مشہور شاعر

زبیر بن بدر نے قصیدہ پڑھا۔

نحن الکرام فلا حی یعالنا منا الملوک و فینا تنصب البیع

ہم شرفائے قوم ہیں۔ کوئی قبیلہ ہمارا ہمسر نہیں ہو سکتا۔ ہم میں تخت نشین ہیں اور

ہم کلیساؤں کے بانی ہیں۔

روایتوں میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مدینہ میں آکر خطبہ دیا تو اُس کی خوبی تقریر نے تمام حاضرین کو حیرت زدہ بنا دیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

یعنی بعض بعض تقریریں جادو ہوتا ہے۔

ان من بیان لسمعا۔

اصحابہ فی احوال الصحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر بن بدر کی تقریر پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ غرض جب زبیر بن بدر نے تقریر کر چکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار رسالت کے شاعر یعنی حسان بن ثابت کی طرف دیکھا۔ انہوں نے برحستہ کہا۔

ان الذائب من فہر و اخواتہم قد بیوسنتہ للناس یتبعوا

شرفائے قبیلہ فہر و برادران فہر نے لوگوں کو وہ راستہ بتا دیا ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہیں۔

ارکان سفارت میں اقرع بن حابس عرب کا مشہور حکم تھا۔ یعنی قومی مقدمات کا مرافعہ اس کے پاس جاتا تھا اور اس کے فیصلوں پر لوگ گردن جھکا دیتے تھے۔ وہ اسلام لانے سے

پہلے مجوسی تھا۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ جب سفارت کے ساتھ دربار رسالت میں آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:۔

ان حمدی لحن وان ذمی میں جس کی تعریف کروں وہ چمک جاتا
نشین۔ ہے اور جس کو برا کہہ دوں اُس کو داغ
لگ جاتا ہے۔

نظم و نثر کی معرکہ آرائی ہو چکی تو سفارت نے اعتراف کیا کہ دربار رسالت کے خطیب اور
شاعر دونوں ہمارے شاعر اور خطیب سے افضل ہیں۔ پھر سب نے اسلام قبول کیا۔

بنو سعد

بنو سعد نے منام بن ثعلبہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ وہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
دربار میں آئے اور جس طریقہ سے سفارت ادا کی اُس سے عرب کی اصلی سادگی اور آزاد روی کا
اندازہ ہو سکتا ہے۔ صحیح بخاری میں متعدد موقعوں پر اس کا ذکر ہے۔ کتاب العلم کی روایت
حسب ذیل ہے:۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ ہم لوگ دربار رسالت میں حاضر تھے۔ ایک شخص ناقہ پر
سوار آیا اور صحن مسجد میں آکر ناقہ سے اُترا۔ پھر حاضرین سے پوچھا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس
کا نام ہے؟ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے کہا، یہ گورے رنگ
کے جو تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ پاس آکر کہا، اے عبدالمطلب کے بیٹے! آپ نے فرمایا، میں
جواب دے چکا ہوں۔ بولا کہ میں تم سے کچھ باتیں پوچھوں گا لیکن سختی سے پوچھوں گا، اس پر ناراض
نہ ہونا۔ ارشاد ہوا کہ جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو۔ بولا کہ اپنے خدا کی قسم کھا کر کہو، کیا خدا نے
تم کو تمام دنیا کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں! پھر قسم دلا کر پوچھا کہ
کیا تم کو خدا نے پنج وقتہ نماز کا حکم دیا ہے؟ اسی طرح زکوٰۃ، روزہ، حج کی نسبت پوچھا تو
آپ برابر ہاں فرماتے جاتے تھے۔ جب سب احکام سن لئے تو کہا کہ میرا نام منام بن ثعلبہ
ہے۔ اور مجھ کو میری قوم نے بھیجا ہے۔ میں جاتا ہوں اور جو تم نے بتایا ہے میں اُس سے ایک

وہ نہ زیادہ کروں گا نہ کم۔ وہ جا چکا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "اگر یہ بھیج کہتا ہے تو اس نے فلاح پائی۔"

ضمام نے واپس جا کر اپنی قوم سے کہا کہ "لات و عزی کو ٹی چیز نہیں۔ لوگوں نے کہا، کیا کہتے ہو۔ تم کو جنوں یا جذام نہ ہو جائے۔" انہوں نے کہا، "خدا کی قسم! وہ نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر۔ میں تو خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں۔" ان کی مختصر تقریر کا یہ اثر تھا کہ ضمام نہیں ہونے پائی تھی کہ قبیلہ کا قبیلہ زن و مرد و بچے سب مسلمان تھے۔

اشعریین

یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ اشعریین کا تھا۔ ابو موسیٰ اشعرئی اسی قبیلہ سے ہیں۔ ان لوگوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سنی تو تین شخصوں نے مدینہ کی ہجرت کا قصد کیا۔ اسی قافلہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعرئی بھی تھے۔ یہ لوگ جہاز میں سوار ہو کر چلے لیکن ہوا مخالف نے جہاز کو حبش میں پہنچا دیا۔ وہاں حضرت جعفر طیار موجود تھے۔ وہ اپنے ساتھ لے کر عرب کو روانہ ہوئے۔ اس زمانہ میں خیبر فتح ہو چکا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہیں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ یہیں ان لوگوں نے شرف باریابی حاصل کیا۔ بارگاہ نبوتؐ میں پہنچے تو عرض کی، "یا رسول اللہ! ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے مذہب کے کچھ احکام سیکھیں اور ابتداء کے کائنات کے کچھ حالات پوچھیں۔"

آپؐ نے فرمایا، پہلے خدا تھا اور کچھ نہ تھا۔ اس کا تخت پانی پر تھا۔

دوس

دوس عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اسی قبیلہ سے ہیں۔ اس قبیلہ کے مشہور شاعر اور رئیس طفیل بن عمرو تھے۔ وہ ہجرت سے پہلے مکہ گئے۔ قریش نے ان کو منع کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جائیں۔ لیکن ایک دفعہ اتفاقاً یہ حرم میں گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ قرآن مجید سن کر متاثر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ مجھ کو اسلام کی حقیقت سمجھائیں۔ آپ نے اسلام کی تبلیغ کی اور قرآن کی آیتیں سنائیں۔ وہ نہایت خلوص سے اسلام لائے۔ وطن جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ لیکن ان کے قبیلہ میں زنا کا بہت رواج تھا۔ لوگ سمجھے کہ اسلام کے بعد اس آزادی سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لئے لوگوں نے تامل کیا۔ طفیلؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر یہ حقیقت بیان کی۔ آپ نے دعا فرمائی کہ

”خدا یا دوں کو ہدایت دے۔“

پھر طفیلؓ سے ارشاد فرمایا کہ جا کر نرمی اور ملاطفت سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ غرض دعائے نبویؐ کی برکت اور طفیلؓ کی ترغیب اور ہدایت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اسی خاندان جن میں حضرت ابو ہریرہؓ بھی تھے، ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے۔

بنو حرت بن کعبؓ

یہ نجران کا ایک نہایت معزز خاندان تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو ان کے پاس دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا۔ یہ لوگ نہایت خلوص کے ساتھ اسلام لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو مدینہ میں بلا بھیجا۔ چنانچہ قیس بن الحصین ویزید بن عبد المذان وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چونکہ اکثر معرکوں میں قبائل عرب پر غالب رہے تھے، آپؐ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے غلبہ کے اسباب کیا تھے۔ بولے ہم ہمیشہ منتقل ہو کر لڑتے تھے اور کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے۔ آپؐ نے قیس کو ان کا رئیس مقرر کیا۔

قبیلہ طے

یمن میں طے نہایت نامور قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کے رؤسا زید النخیل و عدی بن حاتم طائی تھے اور ان کے حدود حکومت الگ تھے۔

زید زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعر، خطیب، خوش جمال، فیاض اور بہادر تھے۔ یہ چند معزز اشخاص کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے

ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے مع اپنے ساتھیوں کے نہایت صدق دل سے اسلام قبول کیا۔ شہسواری کی وجہ سے یہ زید انجیل کے لقب سے مشہور تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لقب کو زید انجیل سے بدل دیا۔

عدي بن حاتمؓ

عدي مشہور حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلہ طے کے سردار اور مذہباً عیسائی تھے۔ سلاطینِ غرب کی طرح ان کو بھی آمدنی کا چوتھا حصہ ملتا تھا۔ جس زمانہ میں اسلامی فوجیں یمن گئیں، یہ بھاگ کر شام چلے گئے۔ ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بڑی عزت و حرمت سے رخصت کیا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس گئیں اور کہا کہ جس قدر جلد ہو سکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ وہ پیغمبر ہوں یا بادشاہ ہر حال میں ان کے پاس جانا مفید ہے۔ غرض عدي مدینہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے۔ عدي نے مسجد میں جا کر سلام کیا۔ آپ نے جواب سلام کے بعد نام پوچھا۔ پھر ان کو لے کر گھر کی طرف چلے۔ اسی اثنا میں ایک بڑھیا آگئی۔ اُس نے آپ کو روک لیا اور دیر تک آپ سے کسی کام کے متعلق باتیں کرتی رہی۔ عدي خود رٹیں تھے۔ شام میں رومیوں کا دربار دیکھا تھا۔ ان کو حیرت ہوئی کہ شہنشاہِ عرب ایک بڑھیا کے ساتھ اس مساوات سے پیش آتا ہے۔ اسی وقت ان کو خیال ہوا کہ یہ شخص بادشاہ نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے۔ چڑے کا ایک گڈا تھا۔ اس کو عدي کی طرف بڑھایا۔ اصرار کے بعد اس پر بیٹھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "کیوں عدي! تم اپنی قوم سے رباع (چوتھے) بیٹے تھے لیکن یہ تو تمہارے مذہب نصرانی میں جائز نہیں ہے۔"

پھر فرمایا کہ "خدا کے سوا کوئی اور خدا ہے؟" بولے "نہیں!" پھر پوچھا، "خدا سے کوئی بڑا ہے؟" بولے "نہیں!" آپ نے فرمایا کہ یہودیوں پر خدا کا غضب نازل ہوا ہے اور عیسائی گمراہ ہو گئے ہیں۔

غرض عديؓ نے اسلام قبول کیا اور اس قدر ثابت قدم رہے کہ رتہ کے زمانہ میں بھی

ان پر کچھ اثر نہیں پڑا۔

باپ کی سخاوت کا اثر ان پر بھی تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے سو روپے طلب کئے۔ بولے کہ تم حاتم کے بیٹے سے اس قدر حقیر رقم مانگتے ہو۔ بخدا ہرگز نہ دوں گا۔

وفد ثقیف

یاد ہو گا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف کا محاصرہ چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو صحابہ نے عرض کی تھی کہ آپ ان کے حق میں بددعا فرمائیں۔ آپ نے جن لفظوں میں دُعا فرمائی تھی یہ تھے:

اللَّهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَتَفِيفًا يَتَبَهُمُ اے خدا ثقیف کو ہدایت دے اور

ان کو میرے پاس بھیج۔

یہ دُعا کرشمہ ربانی کا ایک اعجاز تھی۔ وہ قبیلہ بنو تملوہ سے زیر نہ ہوا صداقت کے جلال نے آستانہ اسلام پر اس کی گردن جھکا دی۔

طائف دو ریشیوں کے قبضہ میں تھا جن میں ایک عروہ بن مسعود تھے جن کی نسبت کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ کلام الہی اترتا تو ان پر اترتا۔ حدیبیہ کی صلح بھی ان ہی کی سفارت سے انجام پائی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف سے واپس چلے تو خدا نے ان کو اسلام کی توفیق دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ نہیں پہنچنے پائے تھے کہ وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام لا کر واپس گئے۔ واپس جا کر انہوں نے اسلام کا اظہار کیا اور لوگوں کو اسلام کی ترغیب دی۔ لوگوں نے ان کو بہت بُرا بھلا کہا۔ صبح کو جب اپنے بالاخانہ پر اذان دی تو ہر طرف سے تیروں کا مینہ برسنا۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ مرتے وقت وصیت کی کہ محاصرہ طائف میں جو مسلمان شہید ہو چکے ہیں ان ہی کے پہلو میں دفن کئے جائیں۔

عروہ کا خون رائیگاں نہیں جاسکتا تھا۔ صخر بن عبیدہ رئیس احس یہ سن کر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں کچھ سوار لے کر چل کھڑا ہوا تھا۔ اتفاق سے اس وقت پہنچا جب آپ طائف چھوڑ کر مدینہ کی طرف مراجعت فرما چکے تھے۔ صخر نے عہد کیا کہ جب تک اہل طائف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول نہ کر لیں گے میں قلعہ کا محاصرہ نہ چھوڑوں گا۔

آخر اہل طائف نے اطاعت قبول کر لی۔ صحیحہ نے خدمت نبویؐ میں اطلاع کی تو آپؐ نے مسجد نبویؐ میں تمام لوگوں کو جمع کیا اور احسن کے لئے دس بار دُعا فرمائی۔ چند روز کے بعد اہل طائف نے باہم مشورہ کیا کہ تمام عرب اسلام لا چکا۔ اب ہم اکیلے کیا کر سکتے ہیں۔ غرض یہ رائے قرار پائی کہ چند سفیر مقرر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے جائیں۔

ان کی سفارت نے مدینہ کا رخ کیا تو مسلمانوں کو اس قدر مسترت ہوئی کہ سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہ دوڑے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر خبر کریں۔ راہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کو معلوم ہوا تو مغیرہ کو قسم دلائی کہ یہ خوش خبری مجھ کو پہنچانے دو۔

مغیرہؓ نے ان لوگوں کو تعلیم دی کہ دربار رسالت میں جانا تو اس طریقہ سے سلام عرض کرنا لیکن یہ لوگ اسی قدیم دستور کے موافق آداب بجالا گئے۔

عبد یاسیل طائف کا مشہور رئیس امیر الوفا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو (حالاً) اب تک وہ کافر تھا) مسجد نبویؐ میں اتارا (کہ مسلمانوں کی محویت اور استغراق و یکجہ کر متاثر ہو) یہ لوگ صحن مسجد میں خیمے نصب کر کے ٹھہرائے گئے۔ نماز اور خطبہ کے وقت یہ لوگ موجود رہتے تھے گو خود شریک نہیں ہوتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ خطبہ میں اپنا نام نہیں لیتے تھے۔ ان لوگوں نے آپؐ میں تذکرہ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ہم سے تو اپنی پیغمبری کا اقرار لیتے ہیں لیکن خطبہ میں خود اپنی پیغمبری کا اقرار نہیں کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ میں سب سے پہلے شہادت دیتا ہوں کہ میں فرستادہ الہی ہوں۔

جماعت سفراء میں عثمان بن ابی العاص سب سے کم عمر تھے۔ سفراد و دربار نبویؐ میں آتے تو ان کو بچہ سمجھ کر قیام گاہ میں چھوڑ آتے۔ عثمان گو کم سن تھے لیکن سب سے زیادہ تیز فہم اور مائل تحقیق تھے۔ ان کا معمول تھا کہ جب سفراد دن کو قیلوہ کرتے تو یہ چپکے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور قرآن مجید اور مسائل اسلام سیکھتے۔ یہاں تک کہ اکثر ضروری مسائل سیکھ لیتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرتے۔ نماز عشاء کے بعد ان کے پاس تشریف لے جاتے اور کھڑے کھڑے ان سے باتیں کرتے۔ زیادہ تر مکہ میں قریش کے

ہاتھ سے جواڑتیں اٹھائی تھیں ان کو بیان فرماتے۔ مدینہ میں جو لڑائیاں پیش آئیں ان کا بھی تذکرہ فرماتے۔ بالآخر ان لوگوں نے اسلام پر آمادگی ظاہر کی لیکن یہ شرطیں پیش کیں۔

۱۔ زنا ہمارے لئے جائز رکھا جائے کیونکہ ہم میں سے اکثر مجبور رہتے ہیں اور اس لئے ان کو اس سے چارہ نہیں۔

۲۔ ہماری قوم کا تمام کاروبار اور ذریعہ معاش سود ہے۔ اس لئے سود خواری ہمارے لئے رکھی جائے۔

۳۔ شراب سے نہ روکا جائے۔ ہمارے شہر میں کثرت سے انگور پیدا ہوتا ہے اور یہ ہماری بڑی تجارت ہے۔

لیکن یہ تینوں درخواستیں نامنتور ہوئیں۔ بالآخر ان لوگوں نے کہا، اچھا ہم یہ شرطیں واپس لیتے ہیں لیکن ہمارے معبود (طائف کا سب سے بڑا بت جس کا نام لات تھا) کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ توڑ دیا جائے گا۔ یہ سن کر ان کو سخت حیرت ہوئی کہ کیا کوئی شخص ان کے خدائے اعظم کو بھی ہاتھ لگا سکتا ہے؟ بولے کہ اگر ہمارے معبود کو معلوم ہو جائے کہ آپ کا یہ ارادہ ہے تو وہ تمام شہر کو تباہ کر دے۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ بولے کہ تم کس قدر جاہل ہو۔ لات صرف ایک پتھر ہے۔ ان لوگوں نے کہا، عمرؓ ہم تمہارے پاس نہیں آئے یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ہم لات کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ آپ جی چاہیں کریں لیکن ہم کو اس جرأت سے معاف رکھا جائے۔ آپ نے یہ درخواست منظور کر لی

ان لوگوں نے نماز، زکوٰۃ اور جہاد سے مستثنیٰ ہونے کی بھی درخواست کی۔ نماز سے معافی تو کسی حالت میں ممکن نہ تھی۔ وہ ہر روز پانچ دفعہ ادا کرنے کی چیز ہے لیکن زکوٰۃ سال بھر کے بعد واجب ہوتی ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے۔ ہر شخص پر واجب نہیں اور واجب بھی ہو تو اس کے خاص مواقع ہیں، روز کا کام نہیں۔ اس بنا پر اس وقت ان دونوں باتوں پر ان کو مجبور نہیں کیا گیا کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب وہ اسلام قبول کر لیں گے تو رفتہ رفتہ خود ان میں صلاحیت آجائے گی۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ جب یہ ایمان لائیں گے تو زکوٰۃ بھی دینے لگیں گے اور جہاد

بھی کریں گے۔ چنانچہ دو ہی برس بعد حجۃ الوداع کا موقع آیا تو کوئی تقیفی ایسا نہ تھا جس نے اسلام نہ قبول کر لیا ہو۔

سفارت جب واپس چلی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیانؓ اور مغیرہؓ بن شعبہؓ کو بھیجا کہ شرط کے موافق طائف کے صنم اعظم (لات) کو جا کر توڑ آئیں۔ مغیرہؓ نے طائف پہنچ کر بت کدہ کو ڈھانا چاہا تو مستورات روتی ہوئی ننگے سر گھروں سے نکل آئیں اور یہ اشعار پڑھتی جاتی تھیں۔

الابکین دفاع لوگوں پر رو کہ پست ہمتوں نے اپنے
اسلمھا الرضاع بتوں کو دشمنوں کے سپرد کر دیا اور عمرہ آرائی
لحم یحسنا المصاع نہ کر سکے۔

عربوں میں کثیرالازواجی کی عام عادت تھی۔ قبیلہ ثقیف کے ایک نامور سردار غیلان بن ہلمہ کی دس بیویاں تھیں۔ جب وہ مسلمان ہوا، احکام اسلام کے مطابق چار کے سوا تمام بیویوں سے اس کو مفارقت کرنا پڑی۔

وفد نجران ۹ھ

نجران مکہ معظمہ سے مین کی طرف سات منزل پر ایک وسیع ضلع کا نام ہے جہاں عیسائی عرب آباد تھے۔ یہاں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا جس کو وہ کعبہ کہتے تھے اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے۔ اس میں بڑے بڑے مذہبی پیشوار ہتے تھے جن کا لقب سید اور عاقب تھا۔ عرب میں عیسائیوں کا کوئی مذہبی مرکز اس کا ہمسر نہ تھا۔ یہ کعبہ تین سو کھالوں سے گنبد کی شکل کا بنایا گیا تھا۔ جو شخص اس کی حدود میں آجاتا تھا وہ مامون ہو جاتا تھا۔ اگر کعبہ کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ سالانہ تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو اس کعبہ کے محافظ اور ائمہ مذہب ساٹھ آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد میں اتارا۔ تھوڑی دیر کے بعد نماز کا وقت آیا تو ان لوگوں نے نماز پڑھنی چاہی صحابہ نے

روکا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پڑھنے دو۔ چنانچہ ان لوگوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی۔ ابو حارثہ جو لارڈ بشپ تھا نہایت محترم اور فاضل شخص تھا قیصر روم نے اس کو یہ منصب عطا کیا تھا اور اس کے لئے گرجے اور معبد بنوائے تھے۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مسائل پوچھے اور آپ نے وحی کی رو سے ان کا جواب دیا۔ ان کے زمانہ قیام میں سورہ آل عمران کی ابتدا کی اسی آیتیں انہیں۔ ان آیتوں میں ان کے سوالات کا جواب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک تم صلیب پوجتے ہو، عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو کیوں کر مسلمان ہو سکتے ہو؟ جب یہ لوگ اس پر راضی نہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے مطابق ان سے کہہ دیا کہ اچھا مباہلہ کرو یعنی ہم تم دونوں اپنے اہل و عیال کو لے کر آئیں اور دعا کریں کہ یہ شخص جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا اور امام حسن و حسین علیہما السلام کو لے کر مباہلہ کے لئے نکلے تو خود ان کی جماعت میں سے ایک شخص نے رائے دی کہ مباہلہ نہیں کرنا چاہیے۔ اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائیں گے۔ عرض ان لوگوں نے کچھ سالانہ خراج قبول کر کے صلح کر لی۔

بنواسد

یہ وہ قبیلہ ہے جو لڑائیوں میں قریش کا دست و بازو تھا۔ طلحہ بن خویلد جس نے حضرت ابو بکر رضی کے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اسی قبیلہ سے تھا۔ سہ میں یہ لوگ بھی اسلام لائے اور سفارت بھیجی لیکن اب تک ان کے دماغ میں فخر کا نشہ باقی تھا۔ سفراء دربار رسالت میں آئے تو احسان کے لہجہ میں کہا کہ آپ نے ہمارے پاس کوئی مہم نہیں بھیجی بلکہ ہم نے خود اسلام قبول کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَعْتَبُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ

یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ ہم

لَا تَمْنُوا عَلٰی اِسْلَامِ مَلِكٍ يَّبْلِغُ اِلَیَّ
 یَعْنُ عَلَیْکُمْ اَنْ هَذَا الْمَلِكُ لِلْاِیْمَانِ
 اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ (سورہ حجرات)
 اسلام لائے۔ کہہ دو کہ مجھ پر اپنے
 اسلام کا احسان نہ رکھو بلکہ خدا تم پر
 احسان رکھتا ہے کہ تم کو ایمان لانے
 کی ہدایت کی، اگر تم سچے ہو۔

بنو فزارہ

یہ نہایت سرکش اور زور آور قبیلہ تھا۔ عینیہ بن حصن اسی قبیلہ سے تھے۔ اس قبیلہ نے
 رمضان ۹۷ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے، اپنا وفد بھیجا
 اور اسلام قبول کیا۔

کندہ شاہ

یہ حصر موت ایموں کے اضلاع میں سے ایک شہر تھا۔ یہاں کنڈی خاندان کی سلطنت تھی
 اس زمانہ میں اس خاندان کے حاکم اشعث بن قیس تھے۔ یہ شہر میں اتنی سواریوں کے ساتھ بڑی
 شان و شوکت سے حیرۃ کی چادری جن کے سنباف حریر کے تھے کاندھوں پر ڈالے بارگاہ نبوی
 میں حاضر ہوئے۔ یہ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر
 فرمایا، کیا تم اسلام نہیں لایچکے ہو؟ تو لے، ہاں! آپ نے فرمایا کہ پھر یہ حریر کیسا؟ ان لوگوں نے
 فوراً چادریں پھاڑ پھاڑ کر زمین پر ڈال دیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنی بہن ام فردۃؓ سے ان کی شادی کر دی
 تھی۔ نکاح ہو چکا تو فوراً اٹھ کر اونٹوں کے بازار میں پہنچے اور جوائنٹ ر منے آیا تو اسے
 اُس کی گونچیں اڑا دیں۔ تھوڑی دیر میں بیسیوں اونٹ زمین پر پڑے گئے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی
 انہوں نے کہا میں اپنی دارالریاست میں جوتا تو اور ہی سرو سامان ہوتا۔ یہ کب کر اونٹوں کے دام
 دے دیئے اور لوگوں سے کہا، یہ آپ کی دعوت ہے۔

سلہ اشعث بن قیس (مرتب)

یہ جنگ قادسیہ و یرموک میں شریک تھے اور صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔

عبد القیس

یہ قبیلہ حبشہ کہ اوپر گزر چکا، بحرین کا باشندہ تھا۔ یہاں اسلام کا اثر بہت پہلے پہنچ چکا تھا۔ سب سے پہلے اس قبیلہ کے تیرہ آدمی مسجد میں یا اس سے آگے پیچھے زمانہ میں نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، تم کون لوگ ہو؟ عرض کی، یا رسول اللہ! ہم خاندان ربیعہ سے ہیں۔ فرمایا، موحبا لا خویا ولا نداحی۔ پھر ان لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہمارا ملک بہت دور ہے (بحرین) اور پیچ میں کفار مضر کی آبادیاں ہیں۔ شہر حرم کے سوا اور مہینوں میں نہیں آ سکتے۔ چند ایسی باتیں تلقین فرمائیے جن پر ہمیشہ عمل کریں اور اپنے اہل وطن کو بھی ان کی تعلیم دیں۔

ارشاد ہوا کہ میں تم کو چار باتوں کا حکم دیتا ہوں، خدا کو ایک جانو، نماز پڑھو، روزہ رکھو اور خمس دو۔ اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں، دُبا، خنتم، نفیر، مزفت۔
دُبا، خنتم، نفیر، مزفت یہ عرب میں چار قسم کے برتن ہوتے تھے جن میں رکھ کر شراب بنا جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ جاری تھی کہ جس قبیلہ میں جو مخصوص عیوب ہوتے تھے ان کے پند و موعظت میں ان ہی کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرماتے تھے۔ لوگوں کو تعجب تھا کہ حضورؐ نے ان ظروف کا کیوں مخصوص طور سے ذکر فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا، یا رسول اللہ! نفیر کے متعلق آپ کو کیا معلوم ہے؟ ارشاد فرمایا، لاں کھجور کی موٹی لکڑی اندر سے کھود کے تم اس میں پانی ڈالتے ہو۔ جب اُبال کم ہو جاتا ہے تو اس کو پی کر اپنے بھائیوں پر تلوار چلاتے ہو۔ اتفاق یہ کہ وفد کے ایک صاحب ایسے تھے جن پر یہی واقعہ گرا تھا۔ ان کی پیشانی پر تلوار کا داغ بھی تھا اس کو وہ شرم سے چھپائے ہوئے تھے۔
بعض روایتوں میں ہے کہ عبد القیس نے خود پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم کو کیا مینا چاہیے اس کے جواب میں آپؐ نے ان چاروں چیزوں کا ذکر فرمایا۔

جبار اور عام اشخاص ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر دارالاسلام واپس آئے۔

حمیر وغیرہ کی سفارت

حمیر میں مستقل سلطنت نہیں رہی تھی۔ سلاطین حمیر کی اولاد نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں اور برائے نام بادشاہ کہلاتے تھے۔ عربی میں ان کا لقب قیل تھا۔ یہ لوگ خود نہیں آئے لیکن قاصد بھیجے کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اسی زمانہ میں بہراء، بنو بکا وغیرہ کی سفارتیں بھی آئیں۔

تائیں حکومت الہی

استخلاف فی الارض — انتظام ملکی — حکام اور ولایت

محصلین زکوٰۃ و جزیرہ — قضاۃ — پولیس — جلاؤ — قوموں

سے معاہدے — اصناف محاصل و منارج — خراج

جاگیریں اور افتادہ زمینوں کی آبادی — مذہبی انتظامات

تعلیم — تربیت — مساجد کی تعمیر — ائمہ نماز کا تقرر

مؤذنین — افتادہ اور اسلام کے اصول و اصول

مساجد — نماز — روزہ — حج — زکوٰۃ

زکوٰۃ — حج — حج کے اصطلاحات — معاملات —

وراثت — وصیت — وقف — نکاح و طلاق —

حدود و تعزیرات — ماکولات میں حلال و حرام —

شراب کی حرمت — سود خواری کی حرمت —

خدا کا نام پڑھنا اور فی اللہ کے پانچ رالوں کے ساتھ ساتھ
 دین کے لئے آپ کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا لکچر ہے
 دین کے لئے لکھا گیا ہے۔ لکھا گیا ہے۔ لکھا گیا ہے۔ لکھا گیا ہے۔
 رالوں کے پانچ رالوں کے ساتھ ساتھ

اختلاف فی الارض

میں اختلاف ہے۔ اختلاف ہے۔ اختلاف ہے۔ اختلاف ہے۔
 بے شک ہے۔ بے شک ہے۔ بے شک ہے۔ بے شک ہے۔
 لکھا گیا ہے۔ لکھا گیا ہے۔ لکھا گیا ہے۔ لکھا گیا ہے۔

صفحات بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ اب تمام عرب میں امن و امان قائم ہے۔ سیاسی
 مشکلات کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ ملک کے ہر گوشے میں دعاۃ اسلام چلے رہے ہیں۔ قابل دور
 دراز صوبوں کے بارگاہِ نبوت کا رخ کر رہے ہیں۔ فتح مکہ اسلام کی شہنشاہی کا پہلا دہن تھا۔
 جو رمضان ۱۲۰۸ھ میں واقع ہوا۔ اسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قابل میں محصلینِ زکوٰۃ
 کا تقرر فرمایا۔ اصل خلافتِ الہی کے تمام اجزاء اور خزانے میں نہایت محتج الوداع کے قریب
 تکمیل پانے کے ہیں۔ یہی حال ہے۔ یہی حال ہے۔ یہی حال ہے۔ یہی حال ہے۔

انتظامِ ملکی

یعنی عمر شریف اسی وقت ساتھ برس کی تھی۔ اس عمر میں اس حکومت کے تمام کام خود انجام
 دیتے تھے۔ ولایت اور غماں کا تقرر، مؤذنین اور ائمہ کا تعین، محصلینِ زکوٰۃ و جزیرہ کی نامزدگی، غیر
 قوموں سے مصالحت، مسلمان قبائل میں جائیدادوں کی تقسیم، فوجوں کی آراستگی، مقدمات کا فیصلہ،
 قبائل کی خانہ جنگیوں کا انسداد، وفود کے تعین و وظائف، اجرائے فراہم، نو مسلموں کے انتظامات،
 مسائلِ شرعیہ میں افتاء، جرائم کے لئے اجرائے تعزیر، ملک کے بڑے بڑے سیاسی انتظامات،
 عہدہ داروں کی خبرگیری اور احتساب، دور کے صوبوں میں متعدد صحابہ گورنر اور والی بنا کر بھیج
 دیئے گئے تھے لیکن خود مدینہ اور اطرافِ مدینہ کے فرائض آپ خود انجام دیتے تھے۔

خلافتِ اہلئ کے ان فرائض و اعمال نے آپ کے دل و دماغ پر جو بارِ عظیم ڈالا اُس نے آپ کے نظامِ جسمانی کو چور چور کر دیا۔ عام روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ آخر زندگی میں تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ جو ضعفِ جسمانی کا اقتضا تھا لیکن یہ ضعفِ جسمانی خود کس چیز کا نتیجہ تھا اس کا جواب حضرت عائشہؓ کی زبانی سننا چاہئے جن سے بڑھ کر آپ کے اعمال زندگی کا کوئی ترجمان نہیں ہو سکتا۔

”عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا، ہاں! لیکن اس وقت جب لوگوں نے آپ کو چور چور کر دیا تھا۔“

حکام اور ولایت

فصلِ قضایا، امامتِ عدل، بسطِ امن، رفعِ نزاع کے لئے متعدد ولایت و حکام کی ضرورت تھی۔ اس غرض سے آپ نے متعدد صحابہ کو مختلف مقامات کا حاکم و والی مقرر فرمایا۔ چنانچہ ان کے ناموں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ باذان بن سامان — بہرام گور کے خاندان سے تھے اور سلاطینِ عجم میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کا والی مقرر فرمایا۔

۲۔ شہر بن ہاشم — باذان بن سامان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صنعاء کا والی مقرر فرمایا۔

۳۔ خالد بن سعید بن العام — شہر بن ہاشم کا داماد ہے گئے تو ان کے بعد آپ نے ان کو صنعاء کا عامل مقرر فرمایا۔

۴۔ مہاجر بن امیۃ المخزومی — آپ نے ان کو کندہ و صدف کا والی مقرر فرمایا تھا لیکن وہ ابھی روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ نے انتقال فرمایا۔

۵۔ زیاد بن بیدلانصاری — حضرت موت کے والی تھے۔

۶۔ ابو موسیٰ اشعری — زبید، عدن، زمعه وغیرہ کے والی تھے۔

۷۔ معاذ بن جبل — والی حبشہ

۸۔ عمرو بن حزم — والی نجران

۹۔ یزید بن ابی سفیان — والی تیسما

۱۰۔ عتاب بن اسید — والی مکہ

۱۱۔ علی بن ابی طالب — متولی اخصام میں

۱۲۔ عمرو بن العاص — والی عمان

۱۳۔ علاء بن حضرمی — والی بحرین

ان ولایہ یعنی گورنروں کا تقرر ملک کی وسعت اور ضروریات کے لحاظ سے ہوتا تھا۔

۴۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عرب کے جو حصے اسلام کے زیر اثر آئے، ان میں میں سب سے زیادہ وسیع اور متمدن تھا۔ اور مدت تک ایک باقاعدہ سلطنت کے زیر سایہ رہ چکا تھا۔ اس بنا پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پانچ حصوں میں منقسم فرمایا اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ گورنر مقرر فرمائے۔ خالد بن سعید کو صنعاء پر، مہاجر بن ابی امیہ کو کندہ پر، زیاد بن لبید کو حضرموت پر، معاذ بن جبل کو حبشہ پر، ابو موسیٰ اشعری کو زبید، زمعه، عدن اور سواہل پر۔

عموماً جب کسی مہاجر کو کہیں کا عامل مقرر فرماتے تھے تو اسی کے ساتھ ایک جماعت انصاری کا تقرر بھی فرماتے تھے۔ ملکی انتظام، فصل مقدمات اور تحصیل خراج وغیرہ کے علاوہ ان عمال کا سب سے مقدم فرض اشاعت اسلام اور سنن و فرائض کی تعلیم تھی۔ اس لحاظ سے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے یہ لوگ حاکم ملک اور والی صوبہ ہونے کے ساتھ مبلغ دین اور معلم اخلاق کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ چنانچہ جب یہ لوگ روانہ ہوتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان فرائض کی تعیین فرمادیتے تھے۔ معاذ بن جبل کو روانہ فرمایا تو یہ وصیت کی۔ ”تم اہل کتاب کے پاس جاؤ گے۔ پہلے ان کو کلمہ توحید کی دعوت دو۔ اگر وہ اس کو قبول کریں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے رات اور دن میں ان پر پانچ نمازیں

فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس کو بھی جان لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے ان پر صفت فرمائی ہے جو ان کے امراء سے لے کر ان کے غریب پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر وہ اس کو بھی تسلیم کر لیں تو ان کے بہترین مال سے ان کو بخشا جائے اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس میں اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔ ان فرائض کے ادا کرنے کے لئے سب سے زیادہ ضرورت تھی علم، وسعت نظر اور اجتہاد کی تھی۔ اس بنا پر آپ ان لوگوں کے تبحر علمی اور طرز عمل کا امتحان لیتے تھے، چنانچہ جب حضرت معاذ کو روانہ فرمایا تو پہلے ان کی اجتہادی قابلیت کے متعلق امتحان فرمایا ان پر بھی اس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ کسی چیز سے مقدمات کا فیصلہ نہ کرے، انہوں نے کہا، تو ان مجھ سے اس لئے فرمایا اگر اس میں وہ فیصلہ تم کو نہ ملے، انہوں نے کہا، احادیث سے پھر کر کے فرمایا اگر احادیث میں بھی اس کے متعلق مدانت نہ ملے تو، انہوں نے کہا، میں ابی راہ سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر آپ نے فرمایا، اس خط کا شکر ہے کہ رسول نے رسول کے رسول کو ایسی چیز کی توفیق دی جس کو خود اس کا رسول محبوب رکھتا ہے۔ لیکن اہل عرب کے دلوں کو مستحضر کرنے کے لئے ان تمام چیزوں سے زیادہ دینی و ملی عظمت نرملی اور خوش خوئی کی ضرورت تھی جن کی ابمیزش سیاست اور حکومت کے اقتدار کے ساتھ تقریباً ناممکن ہو جاتی ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نوز کو بار بار اس کی طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب معاذ بن جبل کو ایک صحابی کے ساتھ یمن کی گودری پر روانہ فرمایا تو پہلے دلوں کو عام طور سے وصیت فرمائی کہ تم اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں شہید نہ کرو، لوگوں کو لشارت دینا اور ان کو وحشت نہ دینا، نہ کرنا۔ یا تم اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا۔ اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو معاذ بن جبل جب رکات میں پاؤں والے جگہ تو ان سے خاص طور پر یہ الفاظ فرمائے کہ تم اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں شہید نہ کرو، لوگوں کو لشارت دینا اور ان کو وحشت نہ دینا، نہ کرنا۔ یا تم اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا۔

”لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ برتاؤ کرنا“

یا لای یقیناً یلکون

اگرچہ اصول صحیح ہے کہ کوئی حکومت کتنی ہی رحم و لطف سے ہو لیکن ابتدا میں جب وہ کسی ملک کو اپنے قبضہ اقتدار میں لاتی ہے تو ہرکس لوگوں کے مطیع کرنے کے لئے اس کو محسوس ہوتا ہے کہ اس کی پڑتی ہیں تو عرب سب سے زیادہ اس کا مستحق تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مہربان تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ریگستان عرب کا ایک ذرہ بھی دلاۃ کے مظالم کے شگ گراں سے بے خبر رہا۔ یہاں تک کہ اگرچہ زمانہ میں جب صحابہ کرام کی حکومت کے مظالم کو دیکھتے تھے تو ان کو سخت عذاب ہوتا تھا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقینات کے ذریعہ سے ان کو بڑھ چکے تھے۔ ایک بار ہشام بن حکیم بن حزام نے دیکھا کہ شام کے کچھ مطبی و صوبہ میں کھڑے تھے کہ انہوں نے لوگوں سے اس کی فوج لے لی۔ لوگوں نے کہا کہ جزیہ وصول کرنے کے لئے ان لوگوں کے ساتھ یہ سختی کی جا رہی ہے۔ انہوں نے یہ سن کر کہا کہ

”میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدا ان لوگوں کو عذاب دے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں“

یا لای یقیناً یلکون

یا لای یقیناً یلکون

ب عبادہ

محصلین زکوٰۃ و جزیہ

عرب کا خلوص اور خوش ایمان اگرچہ خود ان کو صدقہ و زکوٰۃ کے ادا کرنے پر آمادہ کر دیا تھا۔ چنانچہ اسلام لانے کے ساتھ ہی ہر قبیلہ اپنی قوم کا صدقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خود پیش کرتا اور آپ کی دعا سے ہر کت اندوز ہوتا تھا۔ لیکن ایک وسیع ملک اور ایک وسیع حکومت کے لئے یہ طریقہ کافی نہ تھا اس لئے دلاۃ کے علاوہ حکم محرم شہر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ و زکوٰۃ کے وصول کرنے کے لئے ہر قبیلہ کے لئے ایک محصلین مقرر فرمائے جو قبائل کا دورہ کر کے لوگوں سے زکوٰۃ اور خراج وصول کر کے آپ کی خدمت مبارک میں پیش کرتے تھے۔ عموماً خود رؤسائے قبائل اپنے اپنے قبیلوں کے محصل ہوتے تھے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً ان کا تقرر وقتی ہوتا تھا۔

بہر حال آپ نے اس فرض کی انجام دہی کے لئے حسب ذیل اشخاص کو مختلف قبائل اور

شہر وں میں متعین فرمایا۔

نام	مقام تقرر	نام	مقام تقرر
عدی بن حاتم	طے و بنی اسد	ابو جہیم بن حذیفہ	بنو لیث
صفوان بن صفوان	بنی عمرو	ایک بنی	بنو ہذیم
مالک بن نویرہ	بنو حنظلہ	عمرفاروق	شہر مدینہ
بریدہ بن حصیب الاسلمی	غفار واسلم	عبیدہ بن جراح	شہر بخران
عباد بن بشر الاشہلی	سلیم و مزنیہ	عبداللہ بن رواحہ	شہر خمیر
رافع بن مکیت جہنی	جہینہ	زیاد بن بعید	حضرت موت
زبرقان بن بدر	بنو سعد	ابو موسیٰ اشعری	صوبہ یمن
قیس بن عاصم	بنو سعد	خالد	صوبہ یمن
عمر بن العاص	بنو فزارہ	ابان بن سعید	بحرین
ضحاک بن سفیان کلابی	بنو کلاب	عمر بن سعید بن العاص	تیمار
بسر بن سفیان الکعبی	بنو کعب	عینیہ بن حصن فزاری	بنو تمیم
عبداللہ بن اللیتہ	بنو ذبیان	محمد بن جزا لاسدی	تحصیل خمس

ان محصلین کے تقرر میں آپ حسب ذیل امور کی پابندی فرماتے تھے۔

۱۔ ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں یہ تصریح بتایا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے۔ چھانٹ کر مال لینے کی یا حتیٰ سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی۔ عام حکم تھا کہ ایاک و کواکم و اولہم۔ یہ مال نہایت شدت کے ساتھ اس فرمان پر عمل کرتے تھے اور اس سے سرمو تجاوز جائز نہیں رکھتے تھے۔ بعض لوگوں نے بخوشی حتیٰ سے زیادہ دینا چاہا لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔ سوید بن غفلہ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محصل آیا۔ میں جا کر اس کے پاس بیٹھا تو اس نے پہلے جانوروں کے ان اقسام کو بیان کیا جن کے لینے کی فرمان میں اجازت نہ تھی۔ چنانچہ اسی وقت ایک شخص ایک نہایت عمدہ کوٹن دار اونٹنی لے کر حاضر ہوا اور اس کی خدمت میں پیش کیا لیکن اس نے انکار کر دیا۔

اسی طرح جب ایک شخص نے ایک محصل کو بچے والی بکری دی تو اس نے کہا کہ ہم کو اس کے لینے کی ممانعت کی گئی ہے۔

۲۔ عرب کے مال و دولت کی کل کائنات بکریوں کے ریوڑ اور اونٹوں کے گلے تک محدود تھی جو جنگلوں میں، بیابانوں میں، پہاڑوں کے دامنوں میں چرتے رہتے تھے۔ لیکن بجائے اس کے کہ دنیوی حکومتوں کی طرح جاہلانہ احکام کے ساتھ لوگ خود زکوٰۃ کے جانور لاکر محصلین کے سامنے پیش کرتے، محصلوں کو خود ان دروں میں جا کر مال زکوٰۃ وصول کرنا پڑتا تھا۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں پہاڑ کے ایک درہ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ دو شخص اونٹ پر سوار ہو کر آئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہیں۔ یہاں تمہاری بکریوں کا صدقہ وصول کرنے کے لئے آئے ہیں۔ میں نے ایک بچہ والی شیردار بکری پیش کی لیکن انہوں نے کہا کہ ہم کو اس کے لینے کا حکم نہیں۔ میں نے ایک دوسرا بچہ دیا تو انہوں نے اس کو اپنے اونٹ پر لا دیا اور چلتے ہوئے۔

۳۔ اگرچہ صحابہ اپنے تقدس اور پاک باطنی کی بنا پر ہر قسم کے ناجائز مال لینے سے خود استراز کرتے تھے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہاں کی زراعت کی نصف پیداوار حسب معاہدہ تقسیم کرا کے لائیں، تو انہوں نے ان کو رشوت دینی چاہی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ”اے خدا کے دشمنو! کیا مجھے حرام مال کھلانا چاہتے ہو؟“

لیکن بایں ہمہ زہد و تقدس جب محصل اپنے دورہ سے واپس آتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کا محاسبہ فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک بار آپ نے ابن ابیہتیبہ کو صدقہ وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ جب وہ واپس آئے اور آپ نے ان کا محاسبہ کیا تو انہوں نے کہا، یہ آپ کا مال ہے اور یہ ہدیہ مجھے ملا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم کو گھر بیٹھے بیٹھے ہدیہ کیوں نہیں ملا۔ اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو ایک عام خطبہ دیا اور تمام لوگوں کو اس قسم کے مال لینے سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی۔

۴۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان پر صدقہ اور زکوٰۃ کا مال حرام کر دیا

مذہب کی حفاظت کی تمام ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ اور اس کے مقابلہ میں جزیہ کی ایک خفیہ رقم یعنی ہر مستطیع، عاقل، بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ) ان پر مقرر کی۔ اس رقم کا نقد روپیہ صورت میں ادا ہونا ضروری نہ تھا۔ بلکہ عموماً جہاں جس چیز کی پیداوار ہوتی تھی یا جو چیز بنتی تھی وہی چیز جزیہ قرار پاتی۔

غیر قوموں میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں خیبر، فدک، دار القریٰ اور تیما کے یہودیوں سے مصالحت فرمائی۔ اس وقت تک آیت جزیہ کا نزول نہیں ہوا تھا۔ اس بنا پر باہمی رضامندی سے جو شرائط قرار پا گئے تھے وہ آیت جزیہ کے نزول کے بعد بھی قائم رہے۔ اصل شرط یہ تھی کہ وہ رعایا کی حیثیت سے کام کریں گے اور پیداوار کا نصف حصہ خود دیں گے اور نصف مالکوں کو ادا کریں گے۔

۹۔ کو جزیہ کی آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد تمام معاہدے اسی کی رو سے قرار پائے۔ نجران کے عیسائیوں نے مدینہ میں آکر مصالحت کی درخواست کی جس کو آپ نے منفق فرمایا یا شرائط صلح یہ تھے کہ وہ مسلمانوں کو سالانہ دو ہزار کپڑے دیں گے اور ان کو دو قسط میں یعنی آدھا ماہ صفر اور آدھا ماہ رجب میں ادا کریں گے۔ اگر یمن میں کبھی بغاوت یا شور ہوگی تو وہ عاریتاً تیس زبیں، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور تیس تیس عدد ہر قسم کے ہتھیار دیں گے اور مسلمان ان کی واپسی کے ضمانت ہوں گے۔ اس کے معاوضہ میں جب تک وہ سودا، بین دین یا بغاوت نہ کریں گے، نہ ان کے گرجے ڈھاٹے جائیں گے نہ ان کے پادری نکالے جائیں گے نہ ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ کیا جائے گا۔

حدود شام میں بہت سے عیسائی اور یہودی گاؤں میں آباد تھے۔ رجب ۹ھ میں غزوہ تبوک کے موقع پر دو منہ الجندل، ایلہ، مقنا، جرباد، اذرح، تبالہ اور جرش کے جو عیسائی اور یہودی زمیندار اسلام نہیں لائے، بلکہ جزیہ دینا قبول کیا ان میں سے ہر بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ مقرر ہوا۔ اور مسلمان جب ادھر سے گزریں تو ان کی ضیافت بھی ان پر لازمی قرار دی گئی۔

یمن کے جن یہودیوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان پر بھی جزیہ کی یہی مقدار مقرر کی گئی۔

کو ایک آسانی یہ بھی دی گئی کہ اگر نقد نہ ادا کر سکیں تو اسی کے برابر معافری کپڑے دیا کریں۔ بحری کے جوبیوں سے بھی جزیہ کی اسی شرح مقدار پر مصالحت کی گئی۔

اصناف محاصل و مخارج

مختلف اغراض و مصالح کی بنا پر اسلام میں آمدنی کے صرف پانچ ذرائع تھے۔ غنیمت، فی، زکوٰۃ، جزیہ، خراج۔ اول و دوم کے سوا بقیہ ذرائع آمدنی سالانہ تھے۔ غنیمت کا مال صرف فتوحات کے موقع پر آتا تھا۔ عرب میں قاعدہ تھا کہ رئیس فوج غنیمت کا چوتھا حصہ خود لیتا تھا جس کو اصطلاح میں مربع کہتے تھے اور بقیہ جو جس کے ہاتھ لگ جاتا تھا۔ تقسیم کا کوئی نظام نہ تھا۔ غزوہ بدر کے بعد خدا نے غنیمت کو خود اپنی ملک قرار دیا جس میں خمس یعنی پانچواں حصہ خدا اور رسولؐ کے نام سے حکومت الہی کے مصالح و اغراض کے لئے مخصوص فرمایا۔

ایک دو استثنائی واقعات کے سوا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت مخصوص کیا بحریں کو یا مکہ کے نو مسلمانوں کو عنایت فرمایا ہمیشہ آپ کا یہ طرز عمل رہا کہ خمس کے بعد ایک ایک حصہ سپاہیوں پر برابر برابر تقسیم فرمادیتے تھے۔ سواروں کو تین حصے اور پیادہ ایک حصہ بعض روایتوں میں ہے کہ سواروں کو صرف دو حصے ملتے تھے۔ خمس کا بھی عموماً بہت کم حصہ ذاتی مصرف میں آتا تھا۔ زیادہ تر اہل قرابت، یتیموں اور مسکینوں پر صرف کر دیا جاتا۔

زکوٰۃ صرف مسلمانوں پر فرض تھی اور وہ چارہ دوں سے وصول ہوتی تھی۔ نقد روپیہ، بھل اور پیداوار، مویشی (بجز گھوڑا) اسباب تجارت، دوسو درہم چاندی، بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی۔ پیداوار سے جو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اس کے لئے ضروری تھا کہ اس کی مقدار (۳۰ صاع بہ تحقیق امام ترمذی) سے زیادہ نہ ہو۔

سونے اور چاندی کا چالیسواں حصہ وصول کیا جاتا تھا۔ مویشیوں کا نرخ زکوٰۃ بھی مختلف جنس کی مختلف تعداد پر مقرر تھا۔ جو حدیث اور فقہ کی تمام کتابوں میں مفصل مذکور ہے۔ اراضی کی تقسیم کی گئی۔ ایک وہ جس کی سیرابی صرف بارش یا بہتے پانی سے ہوتی ہے۔ اس قسم کی اراضی

ایک رجسٹر پر لوگوں کے نام لکھے ہوتے تھے۔ اسی ترتیب سے نام پکارے جاتے تھے۔ جو لوگ صاحب اہل و عیال ہوتے تھے ان کے دو حصے اور مجرد لوگوں کو ایک حصہ ملتا تھا۔

جاگیریں اور افتادہ زمینوں کی آبادی

ملک عرب کا اکثر حصہ ریگستانی، پتھر بلا، شور اور بنجر تھا۔ جو سرسبز قطعات تھے ان پر بیرونی قومیں قابض تھیں۔ بقیہ افتادہ زمینیں تھیں۔ مدینہ اور طائف میں البستہ کاشتکاری ہوتی تھی۔ بقیہ عام عرب تجارت یا لوٹ مار پر زندگی بسر کرتے تھے۔ عربوں کی غیر مامون زندگی کا راز یہی تھا کہ وہ مستقل پیشہ ورنہ تھے۔ اس بنا پر قیام امن کے لئے بھی ضروری تھا کہ زمین کا نئے سرے سے بندوبست کیا جائے۔ حجاز میں غیر قوموں کے انخلا کے سبب سے یوں بھی بہت سی زمینیں خالی ہو گئی تھیں جن کا انتظام ضروری تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر صحابہ کو اس کی ترغیب دی:

”جس شخص نے افتادہ زمینوں کو آباد کیا وہ اس کی ملک ہے جس شخص نے کسی زمین کو گھیر لیا وہ اس کی ملک ہے۔“

ترغیب عام کے ساتھ خاص خاص انتظامات بھی فرمائے۔ بنو نضیر اور قرظہ کے نخلستان اور کھیت خاص بارگاہ نبوت کی ملک قرار پائے اور آپ نے اپنی طرف سے ان کو ہاجرین اور بعض انصار میں تقسیم فرما دیا۔ خیبر کی زمین کچھ خالصہ رہی اور بقیہ ان ہاجرین اور انصار میں تقسیم فرمادی جو حدیبیہ میں شریک تھے لیکن عملاً یہودیوں کے ساتھ ان کا بندوبست نہ رہا۔ پیداوار کا نصف حصہ وہ خود لیتے تھے اور نصف مالکوں کو ادا کرتے تھے اور جو زمینیں آباد تھیں ان کو بعض شرائط پر اصل مالک کے ہاتھ میں رہنے دیا۔

یہ جاگیریں اس فیاضی اور وسعت کے ساتھ دی جاتی تھیں کہ ہر شخص حسب استطاعت ان کا انتخاب اور ان کے رقبہ کی تحدید کر سکتا تھا۔ ایک بار آپ نے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ جہاں تک ان کا گھوڑا دوڑ سکے وہ زمین ان کی جاگیر میں داخل ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے گھوڑا دوڑایا۔ جب گھوڑا ایک خاص حد تک پہنچ کر ٹرک گیا تو انہوں نے اپنا گھوڑا پھینکا اور وہ جس نقطہ پر گرا

وہی ان کی جاگیر کا رقبہ قرار پایا۔ عرب کی خشک زمیں میں سب سے زیادہ ضرورت چشمہ ہائے آب کی تھی۔ چنانچہ ایک بار جب آپؐ نے حکم دیا:

”جو شخص ایسے چشمہ پر قبضہ کرے جس پر کسی مسلمان نے قبضہ نہیں کیا ہے تو وہ اُس کا ہے۔“

تو تمام لوگوں نے دوڑ دوڑ کر اپنے اپنے چشموں کے حدود مقرر کر لئے۔ یہ تمام فیاضیاں صرف ان ہی چیزوں کے ساتھ مخصوص تھیں جن کا تعلق پہلک کے ساتھ نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن جو چیزیں رفاہ عام کے کام میں آسکتی تھیں ان کو آپؐ نے اسی قدیم حالت پر چھوڑ دیا۔ عرب کا قدیم دستور تھا کہ اپنے مویشیوں کے لئے چراگاہیں متعین کر لیتے تھے جن کو چھی کہتے تھے۔ عرب میں پیلو کا درخت اونٹوں کی عام غذا تھی اور اس کے متعلق کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔

عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ مویشیوں کے چرانے کے لئے رُسا اور ارباب اقتدار اپنے لئے چراگاہ مخصوص کر لیتے تھے اور وہاں کسی دوسرے کو نہیں آنے دیتے تھے۔ چونکہ اس سے عام لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ اس لئے اُس طریقہ کو بھی روک دیا۔

اسی طرح عرب میں ایک مقام وہنا ہے جس کے ایک طرف بکر بن وائل کا قبیلہ تھا اور دوسری طرف بنو تمیم رہتے تھے۔ حریش بن حسان نے بکر بن وائل کے لئے اس زمین کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمان لکھنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے اس وقت ایک تمیمیہ موجود تھی۔ آپؐ نے اُس کی طرف دیکھا۔ اُس نے عرض کی،

”یا رسول اللہ! وہ اونٹوں اور بکریوں کی چراگاہ ہے اور اسی کے پاس بنو تمیم کی عورتیں

اور بچے بھی رہتے ہیں۔“

آپؐ نے فرمایا:

”بے چاری سچ کہتی ہے۔ فرمان نہ لکھو۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

ایک چشمہ اور ایک چراگاہ سب کو کافی ہو سکتا ہے۔“

مذہبی انتظامات

ملک میں امن قائم رکھنے کی غرض سے جو بعض ضروری انتظامات سرانجام پائے تھے ان سے زیادہ ضروری مسلمانوں کے مذہبی امور کے انتظامات کا مسئلہ تھا۔ یہودیوں میں مذہبی فرائض کے ادا کرنے کے لئے ایک مخصوص خاندان مقرر تھا۔ اس کے علاوہ کسی اور کو ان کی خدمات کی بجائے اور یہی کا حق حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ عیسائیوں میں گو خاندان کی تخصیص نہ تھی لیکن ان میں ایک خاص طبقہ پیدا ہو گیا تھا جس نے ان خدمات کو اپنا حق قرار دے لیا تھا۔ ہندوؤں میں غیر برہمن کسی مذہبی خدمت کا مستحق نہیں۔ دنیا کی دوسری قوموں کا بھی یہی حال تھا لیکن جو شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں قائم کی اس میں مخصوص اشخاص، مخصوص خاندان اور مخصوص طبقہ کی حاجت نہ تھی بلکہ ہر شخص جو اسلام کا کلمہ گو تھا اس رتبہ کا مستحق ہو سکتا تھا۔

تعلیم و تربیت

تعلیم و ارشاد کے مختلف طریقے تھے۔ ایک یہ کہ دس بیس دن یا مہینہ دو مہینہ رہ کر غنائ اور فقہ کے ضروری مسائل سیکھ لیتے تھے اور اپنے قبائل میں واپس جاتے تھے اور ان کو تعلیم دیتے تھے۔ مثلاً مالک بن الحویرث جب سفارت لے کر آئے تو بیس دن قیام کیا اور ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کی۔ جب چلنے لگے تو آپ نے فرمایا،

”اپنے خاندان میں واپس جاؤ۔ ان میں رہ کر ان کو ادا امر شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو۔“

دوسرا مستقل طریقہ درس کا تھا یعنی لوگ مستقل طریقہ سے مدینہ میں رہتے تھے اور عقائد شریعت اور اخلاق کی تعلیم پاتے تھے۔ ان کے لئے صفحہ کا خاص درسگاہ تھا اور اس میں زیادہ تر وہ لوگ قیام کرتے تھے جو تمام دنیاوی تعلقات سے آزاد ہو کر شب روز زہد و عبادت اور زیادہ تر خدمتِ علم میں مصروف رہتے تھے۔ اس وقت کی اصطلاح میں ان طالبانِ حق کو قُرّاء کہتے تھے۔

اصحاب صفہ اگرچہ اس قدر مفلس اور نادار تھے کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہیں ہوتا تھا جس کو گردن سے باندھ کر گھٹنوں تک چھوڑ دیتے تھے کہ سپا اور تہمد دونوں کا کام دیتا تھا تاہم یہ لوگ پاؤں توڑ کر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ جنگل میں جا کر لکڑیاں چن لاتے تھے اور ان کو بیچ کر اوصا خیرات کرتے تھے اور اوصا انخوان طریقت میں تقسیم ہوتا تھا۔ اس بنا پر تعلیم اور درس کا وقت رات کو مقرر کیا گیا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درسگاہ کے معلمین میں حضرت عبادہ بن الصامت بھی تھے جو مشہور صاحب علم تھے۔

عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا۔ لیکن اسلام آیا تو تحریر و کتابت کا فن بھی گویا ساتھ لے کر آیا۔ سب سے بڑی ضرورت قرآن مجید کے ضبط و تدوین کی تھی۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع ہی سے کتابت کی ترویج کی طرف توجہ فرمائی۔ جنگ بدر کے ذکر میں گزر چکا ہے کہ اسیران جنگ میں سے جو لوگ فدیہ نہیں ادا کر سکے ان کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ مدینہ میں رہ کر لوگوں کو لکھنا سکھا دیں۔ اصحاب صفہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس میں لکھنا بھی داخل تھا۔ چنانچہ حضرت عبادہ قرآن مجید کے ساتھ لکھنے کی بھی تعلیم دیتے تھے۔

مساجد کی تعمیر

خود مدینہ کے اندر بہت سے قبائل آباد تھے۔ ہر قبیلہ کا الگ الگ محلہ تھا اور ہر محلہ میں ایک ایک مسجد تھی۔ ابو داؤد نے کتاب المراسیل میں بسند لکھا ہے کہ صرف مدینہ کے اندر آپ کے زمانہ میں نو مسجدیں تھیں جہاں الگ الگ جماعتیں ہوتی تھیں۔ روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ اشاعت اسلام کے ساتھ مدینہ سے باہر عرب کے گوشہ گوشہ میں مسجدیں بنتی جاتی تھیں جہاں دن میں پانچ بار خدا کا نام پکارا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات میں معمول کر لیا تھا کہ رات بھر انتظار فرماتے تھے۔ صبح کو جہاں سے اذان کی آواز آتی وہاں حملہ نہ فرماتے چنانچہ ایک سفر جہاد میں آپ کے کانوں میں ایک طرف سے اللہ اکبر کی آواز آئی تو آپ نے فرمایا:

”یہ تو فطری شہادت ہے۔“

اس کے بعد آپ نے اشہد ان لا الہ الا اللہ کی آواز سنی تو فرمایا:

”آگ سے نجات ہوگا۔“

صحابہؓ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو معلوم ہوا کہ بکریوں کے چرواہے کی آواز ہے۔ تمام مجاہدین اسلام کو بھی یہی حکم تھا۔ چنانچہ ایک بار آپؐ نے ایک سریہ کو روانہ کیا تو یہ وصیت فرمائی:

”اگر کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہاں کسی شخص کو قتل نہ کرو۔“

اگرچہ اس وقت کی عام غربت اور سادگی کی وجہ سے جو مسجدیں تعمیر ہوتی تھیں وہ ایک زمانہ ممتد تک قائم نہیں رہ سکتی تھیں اس لئے ان باقیات صالحات کا بہت بڑا حصہ صفحہ ہستی سے مٹ گیا اور ان کے ساتھ ان کا نام اور ان کی تاریخ بھی مٹ گئی تاہم جو مسجدیں مدتوں قائم رہیں ان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا کوئی گوشہ ان مذہبی یادگاروں سے خالی نہ تھا۔

عرب کے عام قبائل سے بحرن کا ایک قبیلہ عبد النقیس اسلام لا چکا تھا۔ اس قبیلہ نے ایک مسجد تعمیر کی تھی۔ چنانچہ اسلام میں مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلے جمعہ کی نماز اسی مسجد میں ادا کی گئی۔ اہل طائف جب اسلام لائے تو آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ خاص اس جگہ مسجد تعمیر کرائیں جہاں ان کا بت نصب تھا۔ حضرت طلحہؓ بن علی سے روایت ہے کہ جب ہماری قوم کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کی کہ ہمارے ملک میں ایک گرجا ہے تو آپؐ نے اپنے وضو کا پانی عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ گرجے کو توڑ ڈالو اور وہاں یہ پانی چھڑک کر مسجد بناؤ۔ چنانچہ جب وہ لوگ واپس آئے تو حسب ارشاد مسجد تعمیر کر لی۔

قبائل کی ضروریات کے علاوہ مسجدوں کی تعمیر کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راہ میں جہاں کہیں نماز پڑھتے تھے وہاں صحابہؓ تبرکاً مسجد تعمیر کر لیتے تھے حافظ ابن حجر نے ان کے حسب ذیل نام گناٹے ہیں۔ مسجد قبا، مسجد الفصیح، مسجد بنی قریظہ، مشربہ ام ابراہیم، مسجد بنی ظفر یا مسجد بعلہ، مسجد بنی معاویہ، مسجد فتح، مسجد قبلتین۔ حافظ ابن حجر نے یہ بھی لکھا ہے کہ مدینہ اور اطراف مدینہ میں جو مسجدیں منقش پتھروں سے تعمیر ہوئی ہیں

ان سب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی ہے کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جب ان مساجد کی تجدید کی تھی تو اہل مدینہ سے اس کی تحقیق کر لی تھی۔

آئمہ نماز کا تقرر

مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ مختلف قبائل کے لئے الگ الگ امام مقرر کر دیئے جائیں۔ امامت کے انتخاب کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند امام مقرر فرما دیئے تھے۔

”ابو مسعود انصاری سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہو۔ اگر اس میں سب برابر ہوں تو جو سنت سے سب سے زیادہ واقف ہو۔ اگر اس میں بھی مساوات ہو تو جس نے پہلے ہجرت کی تھی اور اس میں بھی سب برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو۔“

جب کوئی ایسا قبیلہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتا تو آپ پوچھتے کہ تم میں سب سے زیادہ حافظِ قرآن کون ہے؟ اگر کوئی ایسا شخص ہوتا تو لوگ اس کا نام لیتے اور آپ اس کو اس عہدہ پر خود ممتاز فرماتے۔ چنانچہ اہل طائف کے امام عثمان بن ابی العاص اسی طرح مقرر ہوئے تھے۔ اور سب مساوی الخلیفیت ہوتے تو ارشاد ہوتا تم میں جو بڑا ہو وہ جماعت کی امامت کرے۔ مالک بن حویرث جب اپنی قوم کی طرف سے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایا۔

مدینہ میں، مدینہ سے باہر اطراف میں، عرب کے مختلف صوبوں میں جہاں جہاں مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں ظاہر ہے کہ وہاں ہر جگہ الگ الگ امام مقرر ہوئے ہوں گے۔ جن قبائل میں حال مقرر ہوتے تھے وہی ان کے امام بھی ہوتے تھے۔ بڑے بڑے مقامات پر یہ عہدے الگ الگ ہوتے تھے۔ حمان میں حضرت عمرو بن العاص عامل تھے اور ابو زید انصاری امام لیکن افسوس ہے کہ احادیث و سیر کی کتابوں میں نام بنام ان کی مستقل تفصیل مذکور نہیں ہے

ضمنی واقعات میں جہاں تک سراغ تک سکا ہے وہ حسب ذیل ہے :-

کیفیت

ہجرت نبویؐ سے پہلے انصار کی امارت کرتے تھے۔

مقام تقرر

مدینہ منورہ

نام

امام مصعب بن عمیرؓ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہاجرین کے امام تھے۔

۲۔ سالم مولیٰؓ ابی حذیفہ مدینہ منورہ

جب آپؐ مدینہ سے باہر غزوات میں تشریف فرما ہوتے تو اکثر صحابہ بھی ہمراہ ہوتے لیکن چونکہ یہ انہماکوں سے معذور تھے اس لئے مدینہ ہی میں

۳۔ ابن ام مکتومؓ مدینہ منورہ

رہتے تھے۔ اس سبب سے اس موقع پر ان ہی کو آپؐ امام مقرر فرما جاتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم تشریف آوری پر مسجد نبویؐ میں امام ہوتے تھے۔ اپنے قبیلہ کے امام تھے۔

۴۔ ابوبکر صدیقؓ مدینہ منورہ

۵۔ عثمان بن مالکؓ بنو سالم

۶۔ معاذ بن جبلؓ بنو سلمہ

۷۔ ایک انصاریؓ مسجد قبا

۸۔ عمرو بن سلمہؓ بنو جرم

۹۔ اسید بن حصیرؓ

۱۰۔ انس بن مالکؓ یا کوئی بنو نجار

۱۱۔ دوسرے صحابی

۱۲۔ مالک بن حویرثؓ

۱۳۔ عتاب بن اسیدؓ مکہ معظمہ

۱۴۔ عثمان بن ابی العاصؓ طائف

ایضاً

ایضاً

ایضاً

ایضاً

ایضاً

ایضاً

ایضاً

ایضاً

ایضاً

ایضاً

ایضاً

۱۵۔ ابو زید انصاری عمان اپنے قبیلہ کے امام تھے۔

مؤذنین

عام طور پر اذان کے لئے کوئی خاص شخص منتخب نہیں کیا جاتا تھا تاہم چند مثالوں سے قیاس ہوتا ہے کہ بڑی بڑی مسجدوں میں یہ عہدہ الگ آپ نے قائم فرمایا تھا۔

بلال بن رباح	مدینہ منورہ	مؤذن مسجد نبوی
عمرو بن ام مکتوم قرشی	ایضاً	ایضاً
سعد القرط	حوالی مدینہ	مؤذن مسجد قبا
ابو محذورہ جمہی قرشی	مکہ مکرمہ	مؤذن مسجد حرام

عقائد اور اسلام کے اصول اولین

یہ تمام انتظامات اور نظم و نسق اسلام کا حقیقی نصب العین نہ تھا بلکہ یہ اس لئے تھا کہ ملک میں امن و امان پیدا ہو اور ایک منظم اور باقاعدہ حکومت کا وجود ہو تاکہ مسلمان بے روک ٹوک اور بلا مزاحمت اپنے مذہبی فرائض انجام دے سکیں۔ ہجرت سے آٹھ برس تک کا زمانہ تمام تر مخالفتوں کی شورشوں اور ہنگاموں کی بدافعت اور ملک میں امن و امان قائم کرنے میں گزرا۔ اسی لئے آٹھ برس کی وسیع مدت میں فرائض اسلام سے جو چیز ہر جگہ اور ہر موقع پر نمایاں نظر آتی ہے وہ صرف جہاد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غزوات کی مصروفیت اور ملک میں بد امنی کی وجہ سے اکثر فرائض دیر میں فرض ہوئے اور جو پہلے فرض ہو چکے تھے ان کی تکمیل بھی بتدریج اسی زمانہ میں ہوتی رہی۔ سب سے بڑا نکتہ احکام کے تدریجی نزول میں یہ تھا کہ ان سے مقصود محض عربوں کو ان کا تبا دینا نہیں تھا بلکہ عملاً ان کی زندگی کو ان پر کار بند بنا دینا تھا۔ اس لئے نہایت آہستہ آہستہ بتدریج ترتیب کے ساتھ ان کو آگے بڑھایا گیا۔ اسی نکتہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہایت خوبی سے بیان فرمایا ہے کہ

”پہلے عذاب و ثواب کی آئینیں نازل ہوئیں۔ جب دلوں میں استعداد اور رقت پیدا ہو

گئی تو احکام نازل ہوئے اور نہ اگر پہلے ہی کون یہ حکم ہوتا کہ شراب نہ پیو تو کون
مانتا۔

مکہ معظمہ کے قیام تک روزہ سرے سے فرض نہیں ہوا۔ مدینہ منورہ میں روزے فرض
ہوئے لیکن زکوٰۃ کی فرضیت سات آٹھ سال کے بعد ہوئی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ رات و دن کی
معرکہ آرائیوں سے مالی حالت اس حد تک پہنچنے کہاں پائی تھی کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا موقع آئے
فتح مکہ سے پہلے مسلمان اس سرزمین مقدس پر قدم نہیں رکھ سکتے تھے اس لئے اس وقت تک حج
بھی فرض نہ ہوا۔ نماز روزانہ کا فرض ہے اور یہ فرض اسلام کے وجود کے ساتھ آیا لیکن اس کی تکمیل
بند زنج ہجرت کے چھ سات برس کے بعد ہوئی۔ شہدے تک نماز میں بات چیت کرنا جائز نہ
تھا اور کوئی باہر کا آدمی سلام کرتا تو نمازی عین نماز میں جواب دیتے تھے۔

اسلام کے فرائض اولین عقائد ہیں یعنی توحید، رسالت، ملائکہ، قیامت، حشر و نشر وغیرہ
پر ایمان لانا۔ مکہ معظمہ کے قیام کے زمانہ میں جس قدر آیتیں نازل ہوئیں وہ بیشتر عقائد سے متعلق
تھیں۔ شرک اور بت پرستی کی بُرائی، خدا کی عظمت و جلال کا اظہار، قیامت کا ہولناک سماں اور
جنت و دوزخ کا پُر اثر بیان، رسالت کے خواص اور اس کی ضرورت کے دلائل۔ مکہ میں تیرہ برس
تک یہی مطالب ادا ہوتے رہے۔

غرض عقائد کے تمام اجزاء اگرچہ آغاز اسلام ہی میں لوگوں کو سنائے جا چکے تھے لیکن کئی
آیتوں کے استقصاء سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک کا بیان الگ الگ ہوتا تھا۔ عقائد کا مسلسل بیان
سورہ بقرہ اور سورہ نساء میں ہے اور یہ دونوں سورہیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔ سورہ نساء کی آیت
یہ ہے جس میں بالتفصیل بتایا گیا ہے کہ جو لوگ مسلمان ہو چکے ہیں ان کے کیا عقائد ہونے
چاہئیں۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ	اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو ایمان
وَرَسُولِهِ	لاؤ، خدا پر اس کے رسول پر اور اس
عَلَى رَسُولِهِ	کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری
فَمَنْ تَبَلَ مَوْعِنًا	اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے اتاری

وَلَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ ظُلُمَاتٍ إِلَى نُورٍ

اور جو شخص خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا، اُس کے پیغمبروں

کا اور روز آخرت کا انکار کرے گا وہ سخت گمراہ ہوا۔

احادیث کتاب الایمان میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جن میں لوگوں نے آپ سے اسلام اور ایمان کے معنی دریافت کئے ہیں اور آپ نے سائل کی یا وقت کی مناسبت سے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ ایک دفعہ آپ صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ اس اثنا میں ایک شخص نے اکر سوال کیا: ایمان کیا چیز ہے؟

آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ خدا پر، فرشتوں پر، خدا کی ملاقات پر، اُس کے پیغمبروں اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر یقین ہو۔

اُس نے پوچھا: اور اسلام کیا ہے؟

فرمایا: اسلام یہ ہے کہ صرف خدا کو پوجو، کسی کو اُس کا شریک نہ بناؤ۔ نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو۔

اُس نے پھر دریافت کیا کہ احسان کس کو کہتے ہیں؟

ارشاد ہوا کہ خدا کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اُس کو دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگر تم اُس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

یہ اصول اسلام کا تقریباً کامل نقشہ ہے۔ غالباً یہ سوال و جواب فتح مکہ یعنی ۶ ص ۷ پہلے کا واقعہ ہے کیونکہ اس میں حج کا ذکر نہیں ہے۔ تاہم اس قدر اطمینان حاصل ہو چکا تھا کہ تکمیل عبادت کے لئے خضوع و خشوع کی قید بھی اضافہ کی جاسکی۔ اصول اسلام کا آخری اعلان یہ ہے:-

”اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے۔ اس بات کی گواہی کہ خدا کے سوا کوئی اور خدا نہیں۔ محمد اُس کے پیغمبر ہیں۔ نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا۔ رفتہ رفتہ ایمان اور اسلام کے اصول کلیہ کی جب تکمیل ہو چکی تو اُس کے جزئیات اور دیگر لوازم کی بھی تعلیم دی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں جن میں ایک شاخ

جیا ہے۔ ایک دفعہ فرمایا: "بہترین اسلام یہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے۔" ایک اور صاحب کے جواب میں فرمایا کہ "بہترین اسلام یہ ہے کہ محتاجوں کو کھانا کھلا دے اور کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو مگر اس کو سلام کرو۔" یہ بھی فرمایا کہ "اس وقت تک تم مومن نہیں جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔" غرض اسلام کے تمام اصول و فروع کی تعلیم اسی طرح بتدریج تکمیل کو پہنچتی گئی اور آخر ۹ رذوالحجہ ۱۰ رجب ۱۰ جمعہ کے روز وہ ساعت آئی جب خدا نے فرمایا:

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ
اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي -
آج ہم نے تمہارا مذہب مکمل کر دیا۔
اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

عبادات

توحید و رسالت کے علاوہ بقیہ چار چیزیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ عبادت میں داخل ہیں۔ ان میں سب سے اول شے نماز ہے۔ نماز کی صحت کے لئے متعدد شرطیں ہیں۔ سب سے اول اور ضروری شرط طہارت ہے۔

طہارت کے معنی یہ ہیں کہ جسم اور لباس ظاہری اور معنوی ہر قسم کی نجاستوں سے پاک ہو۔ طہارت کو اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے کرو کہ دوسری ہی دفعہ کی وحی سے جب احکام اور فرائض کا آغاز ہوا تو توحید کے بعد دوسرا حکم طہارت ہی کا دیا گیا۔ نماز سے پہلے وضو کرنا فرض ہے۔ اس فرضیت کا ثبوت ابتدائے اسلام سے ثابت ہوتا ہے۔ تاریخ و سیر اور بعض روایات حدیث میں ہے کہ وضو کا طریقہ آغاز وحی ہی میں حضرت جبریلؑ نے آپؐ کو سکھایا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداً لوگ نہایت جلدی جلدی وضو کر لیتے تھے۔ کچھ حصہ بھگتا تھا کچھ نہیں بھگتا تھا۔ سہو میں یا اس کے بعد کے کسی سفر میں آپؐ مکہ سے واپس آرہے تھے، کچھ لوگ جھپٹ کر تالاب کے پاس پہنچے اور جلدی جلدی ہاتھ منہ دھو لیا۔ ایڑیاں کچھ بھگیں کچھ خشک رہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

"ان ایڑیوں پر دوزخ کی ٹھکانہ ہے، وضو کو کامل کرو۔"

اس وقت سے "اسباغ وضو" یعنی سکون اور طہانیت کے ساتھ وضو کے تمام فرائض ادا کرنا لازم قرار دیا گیا۔ اسباغ وضو کے فضائل آپ نے بیان فرمائے۔ ابتداءً وضو ٹوٹے یا ٹوٹے ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرتے تھے۔ لیکن آخر عام مسلمانوں پر جبر ہونے کے خیال سے ہر وقت ضروری نہ رہا اور اس کا اعلان آپ نے عملاً فتح مکہ کے وقت فرمایا۔

وضو کے لئے پانی کی ضرورت ہے لیکن ہر وقت سفر میں اس کا ملنا مشکل ہے۔ نیز بیمار کی حالت میں پانی کا استعمال کبھی مضر ہے۔ اس لئے شہدہ میں تیمم کی آیت نازل ہوئی "اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آئے یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو اور پانی میسر نہ آئے تو طہا ہر مٹی سے کر اس سے تیمم یعنی منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کر لو۔ اللہ تم پر کسی طرح تنگی کرنا نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک و صاف کر دے اور اپنا احسان تم پر پورا کر دے تاکہ تم شکر گزار بنو۔ (مائدہ)

اس آیت کا نشان نزول یہ ہے کہ غزوہ بنی مصلطن (۳۷ھ) سے آپ واپس آ رہے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ مدینہ کے قریب جب قافلہ پہنچا تو اتفاقاً ام المومنین کا مار کہیں گر گیا۔ سارا قافلہ وہیں اتر پڑا۔ نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا۔ تمام صحابہ پریشان خاطر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ اتنے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مسلمانوں کو اس سے بڑی خوشی ہوئی۔ اسید بن حضیر ایک صحابی نے کہا:

"اے آل ابی بکر! تم لوگوں کے لئے سرایہ برکت ہو۔"

نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ فرض ہوئی لیکن چونکہ تین برس تک دعوت اسلام محض رہی اور کفار کے ڈر سے علانیہ نماز پڑھنا ممکن نہ تھا، اس لئے صرف رات کو دیر تک نماز پڑھتے رہنے کا حکم تھا۔ دن میں کوئی نماز فرض نہیں ہوئی۔ اس کے بعد صبح و شام کی دو دور کعتیں اور فرض ہوئیں۔ رات کو دیر تک نماز پڑھنے کا جو حکم تھا ایک سال تک قائم رہا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ کا اور اکثر صحابہ کا ایک سال تک اسی پر عمل رہا۔ نماز پڑھنے پڑھنے ان کے پاؤں سوچ جاتے تھے۔ ایک سال کے بعد فرضیت منسوخ ہو گئی اور

حکم ہوا:-

میرا پروردگار جانتا ہے کہ دو تنہائی رات سے کم اور اُدھی رات اور تنہائی رات تک نماز پڑھا کرتا ہے اور کچھ لوگ اور تیرے ساتھ۔ خدا ہی رات اور دن کا اندازہ کرتا ہے۔ اُس نے جان لیا کہ تم اس کو گن نہیں سکتے۔ تم پر اُس نے مہربانی کی۔ اب جتنا ہو سکے اتنا ہی قرآن نماز میں پڑھو۔ اُس نے جان لیا کہ تم میں بیمار بھی ہوں گے۔ مسافر بھی ہوں گے جو خدا کی روزی ڈھونڈنے کو سفر کریں گے۔ لوگ خدا کی راہ میں سفر جہاد کریں گے۔ پس اب جتنا ہو سکے اتنا ہی پڑھو۔

رات کی اس نفل نماز کا نام تہجد ہے۔ نماز نفل کے تہجد ہو جانے کے بعد فجر، مغرب اور عشاء تین وقت کی نمازیں فرض ہوئیں۔ معراج میں جو نبوت کے پانچویں سال ہوئی پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوئیں۔ لیکن رکعتیں دو ہی رہیں۔ مدینہ منورہ میں اگر جب نسبتاً کسی قدر اطمینان ہوا تو اس فرض نے وسعت حاصل کی اور دو کے بجائے چار رکعتیں فرض ہو گئیں۔ پہلے لوگ نماز میں آنکھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ دیکھ کرتے تھے۔ بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”یہ کیسے لوگ ہیں کہ نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ کرتے ہیں۔“ ایک مدت تک یہ حالت تھی کہ نماز پڑھنے میں کوئی کام یاد آ جاتا تو کسی سے کہہ دیتے یا کوئی سلام کرتا تو نماز ہی میں جواب دیتے۔ پاس پاس کے اُدھی نماز میں باہم باتیں کیا کرتے۔ جب مہاجرین حبش شہ میں واپس آ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے۔ معمول کے موافق لوگوں نے سلام کیا لیکن جواب نہیں ملا۔ نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خائے اب حکم دیا ہے کہ نماز میں باتیں نہ کرو۔ اس وقت سے بات چیت کرنا یا سلام کا جواب دینا بالکل منع ہو گیا۔

تشہد کا جو طریقہ اب ہے پہلے نہ تھا۔ مختلف اشخاص کے نام لے کر کہتے تھے السلام علی فلاں وفلاں۔ بالآخر التحیات کے خاص الفاظ سکھائے گئے جو اب نماز میں معمول بن گیا۔ قرآن مجید میں آیت اتری۔ قَدْ اَنلَمُ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ سَفْوَتِہِمْ

نہایت سکون۔ یعنی فلاح پانے والے مسلمان وہ مسلمان ہیں جو خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔
 اس بنا پر نماز میں ادھر ادھر دیکھنا یا کوئی حرکت خضوع و خشوع کے خلاف کرنا منع ہو گیا۔ نماز
 کے تمام ارکان کا نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنا لازمی قرار پایا۔ یہاں تک کہ ایک شخص
 نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز ادا کی اور تمام ارکان کھڑکھڑا کر اچھی طرح نہیں ادا
 کئے تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ تم نے نماز نہیں پڑھی جا کر پھر پڑھو۔ اُس نے دوبارہ اسی
 طرح ادا کی۔ آپ نے فرمایا کہ نماز نہیں ہوئی۔ تیسری دفعہ اُس نے پوچھا کہ کیوں کر پڑھوں آپ
 نے رکوع، سجدہ، قیام سب کی نسبت ہدایت کی کہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کئے جائیں
 عرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور تعلیم سے یہ حالت ہوئی کہ ایک انصاری نماز
 کی حالت میں تین دفعہ تیر کا زخم کھاتے ہیں لیکن نماز نہیں توڑتے کہ جو سورہ انہوں نے شروع کیا تھا
 اس کی لذت معنوی اس درد زخم سے زیادہ تھی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عمر فاروق نماز میں زخم
 کھا کر گرتے اور تڑپتے ہیں۔ یہ قیامت خیز منظر سب کے سامنے ہے لیکن ایک شخص مڑ کر نہیں
 دیکھتا۔ کیونکہ خشیتِ الہی اور محویت کا عالم جو دلوں پر طاری ہے، وہ اور کسی طرف متوجہ ہونے
 نہیں دیتا۔

نماز جمعہ اور عیدین

مکہ میں چار شخصوں کا ایک جا ہو کر نماز ادا کرنا ناممکن تھا۔ اس لئے جمعہ کی نماز فرض نہ تھی
 کیونکہ جمعہ کی پہلی شرط جماعت ہے۔ لیکن مدینہ منورہ میں انصار کی ایک بڑی جماعت اسلام لا
 چکی تھی اور کوئی شخص ادا سے نماز میں خلل انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم کی تشریف آوری سے قبل جو مسلمان مدینہ آچکے تھے اسذبحی زرارہ کی تحریک سے بنی
 بیاضہ کے محلہ میں انہوں نے جمعہ کی سب سے پہلی نماز ادا کی۔ مصعب بن عمیر امام تھے اور
 کل چالیس مسلمان نمازی تھے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے
 تو پہلے قبا میں قیام فرمایا۔ یہاں سے روانگی کے لئے آپ نے قصداً جمعہ کا دن متعین فرمایا۔ بنی
 سالم کے محلہ میں پہنچے تو نماز کا وقت آگیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے

نماز جمعہ یہیں ادا فرمائی۔ یہ اواخر ربیع الاول سال ۱۱ھ کا واقعہ ہے۔ مدینہ سے باہر عرب کے دوسرے حصوں میں مسلمانوں کی ایک جا تعداد سب سے زیادہ جواثی میں تھی جو بحریں میں واقعہ تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ مسجد نبویؐ کے بعد سب سے پہلے نماز جمعہ یہیں قائم ہوئی۔

عید کی نماز بھی مدینہ ہی میں اکر قائم ہوئی۔ لیکن جس سال آپ تشریف لائے اس سال عید کی نماز نہیں ہوئی بلکہ ۱۲ھ میں مسنون ہوئی جس کی وجہ یہ ہے کہ عید کی نماز روزہ رمضان کے تابع ہے اور رمضان کے روزے دوسرے سال فرض ہوئے۔

صلوۃ خوف

صلوۃ الخوف کا حکم غزوہ ذات الرقاع ۳ھ میں نازل ہوا۔ اسی غزوہ کا نام بعض راویوں نے غزوہ نجد بتایا ہے۔ جنگ میں یہ حکم ہے کہ تمام فوج کے ڈکڑے کر دیئے جائیں۔ پہلے ایک جماعت ہتھیاروں سے مسلح ہو کر امام کے پیچھے کھڑی ہو اور نماز قصر ادا کرے۔ پھر بترتیب یہ آگے بڑھے اور دوسری جماعت جو دشمن کے مقابلہ میں تھی وہ پیچھے بیٹھے اور وہ بھی قصر نماز ادا کرے امام اپنی جگہ پر قیام کرے۔

روزہ

اسلام سے پہلے قریش عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے۔ اس دن خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس دن روزہ رکھتے تھے اور عجب نہیں کہ آپ کی تبعیت میں دوسرے صحابہ بھی روزہ رکھتے ہوں۔ ۱۱ھ نبوی میں یعنی ہجرت سے آٹھ برس پہلے حضرت جعفرؓ نے حبش کے نجاشی کے سامنے اسلام پر جو تقریر کی تھی اس میں روزہ کا ذکر بھی موجود ہے۔ وہ غالباً اسی دن کا روزہ ہوگا۔ اس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے لوگوں سے وجہ پوچھی لوگوں نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰؑ نے اسی روز فرعون کے ہاتھ سے نجات پائی تھی۔

آپؐ نے فرمایا: تو ہم کو موسیٰؑ کی تقلید کا زیادہ حق ہے۔ چنانچہ آپؐ نے یہاں بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی رکھنے کا حکم دیا۔ پھر سلسلہ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ مستحب ہو گیا یعنی جس کا جی چاہتا تھا رکھتا تھا اور جو نہیں چاہتا تھا نہیں رکھتا تھا۔ لیکن آپؐ نے بہ نفس نفیس اس دن کا روزہ برابر رکھا۔ سلسلہ میں لوگوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہود تو اس دن کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ فرمایا، اُن کا روزہ سال ایک کے بجائے نو کو بھی روزہ رکھوں گا لیکن انہیں افسوس کہ آپؐ نے اسی سال وفات پائی۔

اہل عرب روزہ کے بہت کم خوگر تھے۔ اول اول روزہ اُن پر شاق ہوا۔ اس لئے نہایت تدریج کے ساتھ روزہ کی تکمیل کی گئی۔ اول اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو سال میں تین روزے رکھنے کا حکم دیا۔ پھر روزے کی فرضیت نازل ہوئی تو یہ اختیار رہا کہ جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے روزہ کے بدلے ایک غریب کو کھانا کھلا دے۔ رفتہ رفتہ جب لوگ روزے کے خوگر ہو چلے تو یہ آیت اتری۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
فَلْيَصُمْهُ
جو رمضان کا مہینہ پائے وہ ضرور
روزہ رکھے۔

اب بالیقین روزہ فرض ہو گیا اور فدیہ کی اجازت باقی رہی البتہ جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو اس کے لئے یہ حکم ہوا کہ اس وقت روزہ توڑ دے اور ان کے بدلے کسی اور وقت قضا کر دے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے گرد بھیر گئی ہوئی ہے اور اس پر لوگوں نے سایہ کر رکھا ہے۔ سبب پوچھا، معلوم ہوا کہ گرجی میں اس شخص نے روزہ رکھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ: ”سفر میں روزہ رکھنا کچھ ثواب کی بات نہیں۔“

بعض لوگوں نے صوم وصال رکھنا چاہا یعنی رات دن روزہ رکھیں۔ پہچ میں افطار نہ کریں آپؐ نے اس سے منع فرمایا۔

راتوں کو صبح صادق تک کھانے پینے اور تمام اشغال کی اجازت تھی۔ سحری کھانے کی فضیلت بیان کی اور یہ بھی فرمایا کہ صبح کے قریب کھائی جائے تاکہ دن بھر قوت باقی رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
 "جو شخص روزہ میں جھوٹ فریب نہیں چھوڑتا، خدا کو اس کی فاقہ کشی کی کوئی حاجت
 نہیں ہے۔"

زکوٰۃ

خیرات اور زکوٰۃ کی ترغیب اور تحریم اسلام میں ابتدا ہی سے معمول بہ تھی۔ مگر میں جو سورتیں
 اتریں ان میں زکوٰۃ کا لفظ تصریحاً مذکور ہے اور خیرات نہ دینے والوں پر عتاب ہے۔ بدینہ
 منورہ میں زیادہ تاکید آئیں نازل ہوئیں۔ ۱۰ھ میں عید کے دن صدقہ فطر دینا واجب قرار
 پایا۔ ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں عام مسلمان اور خصوصاً مہاجرین سخت فقر و فاقہ میں مبتلا تھے
 حدیثوں میں صحابہ کے فقر و تنگ دستی کے جو واقعات کثرت کے ساتھ مذکور ہیں اسی زمانہ کے
 ہیں۔ اس بنا پر یہ حکم ہوا کہ جس شخص کے پاس ضروری مصارف سے جو کچھ بچے سب کو خیرات
 کر دینا چاہئے ورنہ عذاب ہوگا۔ اب صدقہ و خیرات کی طرف یہ عام رغبت پیدا ہوئی کہ جو لوگ
 نادار تھے وہ صرف اس لئے بازار میں جا کر مزدوری کرتے اور کندھوں پر بوجھ لاد کر لوگوں کے
 پاس پہنچاتے تھے کہ مزدوری ملے تو خیرات کریں۔ بایں ہمہ ۱۰ھ تک زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی۔
 فتح مکہ کے بعد اس کی فرضیت ہوئی تو اس کے مصارف بیان کئے گئے اور آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم نے تمام ممالک مقبوضہ میں زکوٰۃ کے وصول کرنے کے لئے محرم ۹ھ میں مصلحین مقرر
 کئے۔

حج

دنیا میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا پرستی کے لئے عبادت گاہ
 عام بنایا اور تمام دنیا کو وہاں آکر عبادت کرنے کی دعوت دی۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعوت
 عام پر دنیا نے لبیک کہا اور ہر سال عرب کے دور دراز اطراف سے لوگ حج کو آتے تھے لیکن
 ایک طرف تو یہ افسوسناک انقلاب ہوا کہ جو گھر خالص توحید کے لئے تعمیر ہوا تھا وہ تین سو سال

بتوں کا تماشا گاہ بن گیا۔ دوسری طرف اس گھر کی تولیت کا سب سے زیادہ جس کو حق تھا وہ یہاں سے نکلنے پر مجبور ہوا اور پورے اٹھ برس تک ادھر اٹکھ اٹکھا کر دیکھ بھی نہ سکا۔

بالآخر ظہور حق کا وقت آیا، مکہ فتح ہوا اور جانشین ابراہیمؑ اور ان کے مبلغین کو موقع ملا کہ شعائر ابراہیمی کو پھر زندہ کیا جائے۔ چنانچہ ۹ھ میں حج فرض ہوا تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال یہ فرض ادا نہیں کیا کہ عرب بنگے ہو کر طواف کعبہ کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بے حیائی کا منتظر اٹکھ سے دیکھنا گوارا نہیں فرما سکتے تھے۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ ایام حج میں روانہ کئے گئے کہ کعبہ میں جا کر منادی کر دیں کہ آئندہ سے کوئی شخص عریاں ہو کر کعبہ کا طواف نہ کرنے پائے گا۔

ایک اور وجہ یہ تھی کہ نسبی کے قاعدہ سے حج کا مہینہ ہٹتے ہٹتے ذیقعد میں آ گیا تھا چنانچہ ۹ھ کا حج اسی مہینہ میں ادا ہوا لیکن حج کا اصلی مہینہ ذوالحجہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال کا انتظار فرمایا اور اس وقت حج ادا کیا جب وہ اپنے اصلی مرکز پر آ گیا۔

حج کے اصلاحات

حج کی رسم اگرچہ کفار نے قائم رکھی تھی لیکن اس کی صورت بدل دی تھی۔ سب سے مقدم یہ کہ حج اور تمام عبادات کا مقصد خدا کا ذکر اور توجہ الی اللہ ہے لیکن اہل عرب جب حج میں جمع ہوتے تھے تو خدا کے بجائے اپنے باپ دادا کے منافع اور کارنامے بیان کرتے تھے اس بنا پر یہ آیت اتری۔

”پھر جب حج کے ارکان پورے کر لو تو خدا کا ذکر کرو جس طرح اپنے باپ دادا

کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔“ (سورہ بقرہ)

خاص اہل مدینہ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ منات جو بت تھا اس کا طواف کرتے تھے اور اس بنا پر جب کعبہ کا حج کرتے تھے تب بھی صفا و مردہ کا طواف نہیں کرتے تھے۔ سالانہ حج کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگاریں قائم رکھی جائیں اور صفا و مردہ کا طواف اسی عہد کی یادگار ہے۔ اسی بنا پر یہ آیت اتری۔

”صفا اور مردہ خدا کی یادگاریں ہیں اس لئے جو شخص حج یا عمرہ کرے تو اس کو ان دو مقاموں کا بھی طواف کرنا چاہئے“ (بقرہ)

ایک طریقہ یہ جاری ہو گیا تھا کہ اکثر لوگ (آج کل کی طرح) جن کے پاس زادِ سفر نہیں ہوتا تھا یوں ہی چل کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل ہیں۔ ان لوگوں کو اکثر راہ میں گداگری اور دوستوں کی دست گیری کا محتاج ہونا پڑتا تھا۔ اس بنا پر یہ آیت نازل ہوئی۔

”اور گھر سے زادِ سفر لے کر چلو کیونکہ اچھا زادِ سفر تقویٰ ہے“

احرام حج میں سر کے بالوں کا منڈوانا یا ترشوانا منع ہے لیکن اس میں اہل جاہلیت نے بہت سختی کر دی تھی۔ یہاں تک کہ بعض صاحبوں کے بالوں میں اس قدر جوئیں پڑ گئیں کہ مینائی جاتے رہنے کا خوف ہو گیا تاہم وہ بال نہ ترشوا سکے۔ اسلام میں چونکہ سب سے مقدم یہ امر پیش نظر ہے کہ اس کی عبادات اور احکام تکلیف مالا یطاق نہ بن جائیں۔ اس لئے حکم ہوا۔

”تو جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ عارضہ ہو تو وہ (اگر بال منڈائے) تو فدیہ ادا کر دے یعنی یا روزہ یا خیرات یا قربانی“

قربانی جو کرتے تھے اس کا خون لے کر کعبہ کے در و دیوار پر ملتے تھے اور اس کو ثواب سمجھتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

”خدا کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہاری پرہیزگاری اس تک پہنچتی ہے۔“

رسوم حج میں بڑی چیز جو قریش نے اصول اسلام کے خلاف قائم کر دی تھی یہ تھی کہ وہ عرفات جو حج کا اصلی عبادت گاہ عام تھا نہیں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہل حرم ہیں۔ ہم حدودِ حرم سے نہیں جا سکتے۔ یہ ہمارے خاندان کی توہین ہے۔ اس لئے وہ صرف مزدلفہ تک جا کر ٹھہر جاتے تھے۔ باقی تمام عرب عرفات میں جمع ہوتے تھے اور وہاں سے چل کر مزدلفہ اور منیٰ میں آتے تھے۔ چونکہ اسلام کا اصول اصلی مساوات عامہ ہے اور عبادات میں سب یکساں ہیں اس لئے حکم آیا کہ

”پھر جب عرفات سے لوٹو تو مشعرِ حرام (مزدلفہ) کے پاس خدا کا ذکر کرو جس طریقہ

سے اُس نے تم کو ہدایت کی ہے۔ اور اس سے پہلے بے شک تم گمراہ تھے۔ پھر وہیں سے چلو جہاں سے اور لوگ چلتے ہیں اور خدا سے معافی مانگو وہ غفور اور رحیم ہے۔

قربانی کے جانور کو چونکہ سمجھتے تھے کہ خدا پر چڑھا دیا گیا ہے اس لئے اس پر سوار نہیں ہوتے تھے اور پیدل چلنے کی تکلیف گوارا کرتے تھے۔ یہ رسم اسلام کے زمانہ تک قائم رہی۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو سفر حج میں دیکھا کہ قربانی کے اونٹ کے ساتھ ہیں لیکن خود پیدل جا رہے ہیں۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ "سوار ہو لو۔" بولے "یہ قربانی کے اونٹ ہیں۔" آپ نے دوبارہ فرمایا۔ انہوں نے دوبارہ وہی عذر کیا۔ آپ نے زور کے ساتھ حکم دیا کہ "بیٹھ لو۔"

ایک قسم کا حج ایجا کر لیا تھا جس کو حج مصمت کہتے تھے یعنی جو شخص حج کرتا تھا وہ آغاز حج سے اخیر تک منہ سے بولتا کچھ نہ تھا۔ اسلام نے اس تکلیف کو مالا یطاق سے منع کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ نے انیس کی ایک عورت کو جس کا نام زینب تھا دیکھا کہ کسی سے بات چیت نہیں کرتی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حج مصمت کی نیت کی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس سے کہا کہ یہ جائز نہیں ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت کی بات ہے۔

سب سے بڑی بے حیائی کی بات یہ تھی کہ قریش (جس کے سوا عام عرب مرد و زن کعبہ کا برہنہ طواف کرتے تھے۔ حدود و حرم میں آکر تمام لوگ اپنے اپنے کپڑے اتار ڈالتے تھے اور عاریتاً کسی قریشی سے کپڑے مانگ لیتے تھے۔ اگر نہ ملتے تو ننگے کعبہ کے گرد گھومتے تھے۔ عورتیں بھی اسی طرح ننگی طواف کرتی تھیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"اے آدم کے بیٹو! مسجدوں میں کپڑے پہن لیا کرو۔"

اس بنا پر سیدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ صدیق کو بھیجا۔ انہوں نے عین موسم حج میں اعلان کیا کہ آئندہ کوئی برہنہ حج نہ کرنے پائے۔

معاملات۔ وراثت

مسلمان جب ابتداً مدینہ آئے تو اس وقت یہ حالت تھی کہ باپ مسلمان ہے تو بیٹا کافر۔

ہے۔ ایک بھائی کا فرسے تو دوسرا بھائی مسلمان ہے۔ اس حالت میں اقربا اور اعزہ کی وراثت کا قانون کیونکر نافذ ہو سکتا تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے ہاجرین اور انصار میں مواخاۃ (برادری) قائم کر دی۔ جس کی رو سے یہ قاعدہ مقرر ہو گیا کہ کوئی انصار مرتا تو اس کی وراثت ہاجرین کو ملتی۔ عرب میں پہلے بھی دستور تھا کہ دو آدمی آپس میں عہد کر لیتے کہ ہم دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ ان میں سے جب کوئی مرتا تو دوسرا وارث ہوتا۔ لیکن سلسلہ میں قرآن کی اس آیت نے اس قاعدہ کو منسوخ کر دیا۔

”قربا مت مندا یک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں۔“ (انفال)

اس کی رو سے مواخات کی بنا پر وراثت موقوف ہو گئی اور خاندان اور ذوی الارحام میں وراثت محدود ہو گئی۔

آیت تورات کے نزول سے پہلے قرآن نے وصیت کا قاعدہ جاری کیا تھا یعنی مرنے والا اپنے مال و جائیداد کی نسبت یہ وصیت کر جاتا کہ اس میں سے اتنا اس کو دیا جائے اور اتنا اس کو ملے۔ مرنے کے بعد اسی طریقہ سے اس کی جائیداد تقسیم کر دی جاتی۔ مرنے سے پہلے ہر مسلمان پر اس وصیت کا مکمل کر جانا فرض تھا۔ جو لوگ حالت مسافرت میں مر جاتے ان کے لئے گواہی اور شہادت کا قانون قرآن میں مقرر کیا گیا۔ گواہی کو چھپانا یا بدل دینا قانوناً جرم تھا۔

غزوہ بدر کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں کافی ترقی ہوتی گئی۔ خاندان کے خاندان مسلمان ہو گئے۔ اس لئے وراثت کے مخصوص قانون کی ضرورت ہوئی۔ پھر وصیت کے قاعدہ میں بڑی وقت یہ تھی کہ ناگہانی موت کے موقع پر تقسیم جائیداد کا کوئی اصول جاری کرنا ممکن نہ تھا مثلاً جہاد میں سینکڑوں مسلمان شریک ہوئے۔ اب کس کو معلوم ہے کہ کس کو شہادت ہوگی۔ اس حالت میں وصیت نہ کر جانے سے رشتہ داروں میں جس کا قابو چل جاتا وہ جائیداد پر قبضہ کر لیتا۔ چنانچہ غزوہ احد میں یہی موقع پیش آیا۔ سعد بن الربیع جو بہت دولت مند صحابی تھے اس جنگ میں شہید ہوئے۔ ان کی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں کہ سعد آپ کی خدمت میں شہید ہوئے۔ انہوں نے دو لڑکیاں چھوڑی ہیں لیکن سعد کے بھائی نے سعد کی ساری جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”خدا فیصلہ کرے گا۔“

پھر غالباً سجدہ میں آیت نازل ہوئی جس میں وراثت کے تمام احکام مذکور ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ کے بھائی کو بلا کر فرمایا کہ سعدؓ کے متروکہ میں سے دو تہائی ان کی بیٹیوں اور آٹھواں حصہ ان کی بیوی کو دو۔ اس کے بعد جو بیچ رہے وہ تمہارا حق ہے۔

اہل عرب عورتوں کو وراثت سے محروم رکھتے تھے کہ وراثت اس کا حق ہے جو تلوار چلائے دنیا کی اور اکثر قوموں میں بھی یہی دستور تھا۔ یہ پہلا دن ہے کہ اس صنفِ ضعیف کی داورسی کی گئی۔

وصیت

احکام وراثت کے بعد بھی وصیت کی اجازت باقی رہی لیکن چونکہ اس سے مستحقین وراثت کی سخت تلفی کا اندیشہ تھا اس لئے وصیت کی تجدید کی ضرورت تھی۔ سجدہ میں حضرت سعدؓ (ع) کے والد بیمار ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عبادت کو گئے۔ انہوں نے عرض کی کہ میں مر رہا ہوں اور میرے صرف ایک ہی لڑکی ہے۔ چاہتا ہوں کہ دو تہائی مال خیرات کر دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی۔ انہوں نے کہا تو نصف۔ آپؐ نے اس کو بھی قبول نہیں کیا۔ انہوں نے کہا ایک تہائی۔ آپؐ نے فرمایا:

”یہ بھی بہت ہے۔ وارثوں کو غنی چھوڑ کر مرنا اس سے اچھا ہے کہ وہ بھیک مانگتے پھریں۔“

تاہم یہ مقدار آپؐ نے جائز رکھی۔ اس وقت سے وصیت ایک ثلث سے زیادہ ممنوع

ہو گئی۔

وقف

وقف شریعت کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اسلام نے اس مسئلہ کو جس حد تک صاف کیا

اس کا دوسرے مذاہب کے قوانین میں شائبہ تک موجود نہیں۔ اسی بنا پر شاہ ولی اللہ صاحبؒ

نے حجۃ اللہ البالغہ میں دعویٰ کیا ہے کہ اسلام طریقہ وقف کا موجد ہے۔ اسلام میں وقف کی

تاریخ نہایت قدیم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے پہلے ہی سال مدینہ میں مسجد

نبوی کی بنیاد جس زمین پر رکھی تھی وہ دو تہیوں کی ملکیت تھی۔ آپؐ نے قیمت دینی چاہی لیکن انہوں نے کہا:

”نہیں! ہم خدا کی قسم قیمت نہیں گے۔ ہم اس کی قیمت خدا سے لیں گے۔“

یہ اسلام کا پہلا وقف تھا اور نہایت سادہ صورت میں تھا۔ چنانچہ امام بخاریؒ اس حدیث کو وقف مشاع (مشترکہ جائداد کا وقف) کے ثبوت میں لائے ہیں۔ اس کے بعد سگھ یا سگھہ میں جب یہ آیت نازل ہوئی:-

”تم نیکی اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک خدا کی راہ میں وہ نہ دے دو جو تم کو سب سے محبوب ہے۔“

تو ابو طلحہ صحابیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کی ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میرا مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور اس کا ثواب دراجر خدا سے چاہتا ہوں۔ آپؐ جس مصرف میں چاہیں اس کو رکھیں۔“ چنانچہ آپؐ کے مشورہ سے انہوں نے اس کا منافع اپنے اعزہ پر وقف کیا۔

اب تک وقف کے لئے جو الفاظ استعمال ہوتے تھے وہ صرف یہ تھے کہ وہ ذاتی تصرف سے نکال کر خدا کی ملکیت میں دیا گیا۔ لیکن سگھہ میں غزوہ خیبر کے بعد اس کی حقیقت بالکل واضح کر دی گئی۔ خیبر میں حضرت عمرؓ کو ایک زمین ملی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کو وقف کرنا چاہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا: ”اگر چاہو اصل جائداد باقی رکھو اور منافع صدقہ کرو۔“ چنانچہ ان شرائط کے ساتھ وہ جائداد وقف ہوئی، اصل جائداد نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے اور نہ وراثت میں بانٹنی جائے۔“

نکاح و طلاق

اسلام سے پہلے عرب میں کئی قسم کے نکاح کے طریقے جاری تھے۔ جن میں سے ایک

۱۔ ایک زمین کا نام ہے جو مدینہ میں واقع تھی۔

کے سوا سب زنا سے مشابہ تھے۔ سب سے پہلے اسلام نے ان کو ناجائز ٹھہرایا۔ متعہ (معدولت نکاح) جو زمانہ جاہلیت سے چلا آتا تھا بار بار حرام اور حلال ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ستر غزوہ خیبر میں قطعاً حرام ہو گیا۔ اگرچہ اس پر بھی اس کی ضرورت پیش آئی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں منبر پر کہا کہ:

”میں متعہ کو حرام کرتا ہوں یعنی متعہ کی حرمت جو اچھی طرح اب بھی ملک میں شائع نہ ہو سکی میں آج اس کا اعلان کرتا ہوں۔“

نکاح اور طلاق کے دیگر احکام مثلاً محرمات شرعی کا بیان، منہ بولے بیٹے کی بیوی کا حرام نہ ہونا، کثرت ازدواج کی تحدید، تعدا و طلاق کی تعین، زمانہ عدت کا بیان، مہر کا ضروری ہونا، ظہار یعنی ایک طریقہ طلاق جس میں اپنی بیوی کو محرمات سے تشبیہ دیتے تھے اور لعان یعنی شوہر کا اپنی بیوی کی عصمت پر شبہ کرنا اور باہم اپنی سچائی اور دوسرے کی دروغ گوئی کا دعویٰ کرنا۔ یہ تمام احکام قرآن مجید میں مذکور ہیں اور ان کے نزول کا زمانہ ۳ھ اور ۴ھ ہے۔

حدود و تعزیرات

حدود و تعزیرات کے اکثر قوانین ہجرت کے چند برس بعد نازل ہوئے لیکن انسان کی جان کی حرمت کا حکم مکہ ہی میں اتر چکا تھا۔ عرب میں اسلام سے پہلے بھی قتل و قصاص کے کچھ قوانین موجود تھے۔ یہود جو اس ملک میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ تورات کے حدود و تعزیرات کا مجموعہ ان کے پاس بھی موجود تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرب میں چونکہ منظم حاکمانہ طاقت اور اخلاقی روح نہ تھی اس لئے وہ ان احکام کا نفاذ نہیں کر سکتے تھے۔ عرب میں ایک شخص کا قتل صد ہا قبائل کی خانہ جنگی کا سلسلہ چھیڑ دیتا تھا۔ اس لئے غزوہ بدر کے بعد جب اسلام کے بازوؤں میں حاکمانہ زور آچلا تھا قصاص کا حکم نازل ہوا۔ یہودیوں میں خون بہا دیتا، کا قانون نہ تھا لیکن عرب میں یہ قانون تھا اور اسلام نے چند اصلاحات کے ساتھ اس کو باقی رکھا۔

اب تک قتل عداوت اور قتل شبہ (یعنی غلطی سے قتل) میں کوئی تفریق نہ تھی۔ ۳ھ میں ایک مسلمان غلطی سے ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا اور ایک مسلمان انصاری کے ہاتھ سے ایک قریشی

قتل ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے بھائی کو خوں بہا دے کر راضی کر لیا۔ اس کے بعد وہ منافقانہ اسلام لایا اور غداری سے انصاری کو قتل کر کے قریش میں جا کر مل گیا۔ ان واقعات کی بنا پر قتلِ شبہ کے متعلق متعدد احکام نازل ہوئے۔ حفاظتِ جان کا اعلان فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔ جب آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”زمانہ جاہلیت کے تمام خوں میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔“ اس کے بعد قتلِ خطا مشابہ بہ قتلِ عمد کے خوں بہا کی تحدید فرمائی۔ قتلِ خطا کا خوں بہا اہلِ قریہ کے لئے ۴۰ دینار مقرر کیا۔

۳۰۰ تک رہزنوں کے لئے کوئی حد مقرر نہ تھی۔ ۳۰۰ میں عکل و عرنیہ کے قبیلہ کے کچھ لوگ مدینہ آکر مسلمان ہوئے۔ یہاں کی آب و ہوا ان کو یا اس نہ آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر سے باہر چراگاہ میں ان کو قیام کی اجازت دی۔ ایک موقع پر مسلمان چرواہوں کو طرح طرح سے عذاب دے کر بڑی بے رحمی سے مار ڈالا اور مویشی لوٹ کر لے گئے۔ وہ گرفتار ہو کر آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو اسی طرح عذاب کے ساتھ قتل کا حکم دیا۔ گو یہ برابر کا انتقام تھا تاہم اس میں کسی قدر بے رحمی تھی۔ اس لئے خدائے تعالیٰ کی طرف سے عقاب ہوا اور ڈاکوؤں کے لئے علیحدہ احکام نازل ہوئے۔

جان کے بعد مال کا درجہ ہے۔ اسلام سے پہلے عرب میں چوروں کے لئے قطعِ يد کی سزا جاری تھی۔ اسلام نے بھی اس کو باقی رکھا۔ ۳۰۰ میں فتح مکہ کے موقع پر قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے اس جرم کا ارتکاب کیا۔ چونکہ وہ ایک شریف خاندان سے تھی۔ اس لئے مسلمانوں میں بڑا اضطراب پیدا ہوا۔ حضرت اسامہ بن زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت چہیتے تھے۔ ان سے سفارش کرائی گئی۔ آپ بہت برہم ہوئے اور لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ:

”تم سے پہلے لوگوں کی ہلاکت کا یہی سبب ہوا کہ وہ نچلے طبقہ کے لوگوں پر تو احکام جاری کرتے لیکن اوپر کے درجہ کے لوگ جب جرم کا ارتکاب کرتے تو ان سے درگزر کرتے۔ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ لیتا۔“

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں نے بے چون و چرا اس حکم کی تعمیل کی۔

عربوں میں زنا کی کوئی سزا مقرر نہ تھی۔ یہودیوں نے تورات کی رو سے زانی کی سزا رجم (یعنی سنگسار کرنا) مقرر کی تھی۔ لیکن اخلاقی کمزوری کی بنا پر اس حکم کو جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ اطراف مدینہ میں جو یہود آباد تھے، رجم کے بجائے انہوں نے یہ سزا مقرر کی تھی کہ مجرم کے منہ میں کالک لگا کر کوچہ و بازار میں اس کی تشہیر کرتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے ایک مجرم کا مقدمہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ غالباً یہ سلسلہ کے اندر کا واقعہ ہے۔ آپ نے استفسار فرمایا کہ تمہاری شریعت میں اس مجرم کی کیا سزا ہے۔ انہوں نے اپنا رواج بتایا۔ آپ نے توراۃ منگوا کر ان سے پڑھوایا۔ انہوں نے رجم کی آیت پر انگلی رکھ کر چھپا دی۔ آخر ایک مسلمان یہودی نے نکال کر وہ آیت سنائی۔ آپ نے فرمایا:

”خداوند! یہ تیرا حکم ہے جس کو ان لوگوں نے مردہ کر دیا ہے۔ میں سب سے پہلا شخص ہوں جو تیرے اس حکم کو زندہ کروں گا۔“

چنانچہ آپ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کیا گیا۔

سورہ میں سورہ نور نازل ہوئی جس میں زنا کی سزا سودرے قرار دی گئی۔ احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بن بیاہے کے لئے سودرے اور بیاہوں کے لئے رجم کا حکم ہے۔ چنانچہ سورہ میں ایک مسلمان نے اس مجرم کا ارتکاب کیا اور گو لوگوں کو اس کا علم نہ تھا لیکن دنیا کی سزا کو آخرت کے عذاب پر اس نے ترجیح دی اور مجمع عام میں آکر بارگاہ نبوت میں عرض پرداز ہوا کہ یا رسول اللہ! میں گنہگار ہوں۔ مجھے پاک کیجئے۔ آپ نے تحقیق فرمائی اور اس کے رجم کا حکم دیا۔

ماکولات میں حلال و حرام

عرب میں کھانے پینے میں کسی چیز کا پرہیز نہ تھا اور نہ کوئی شے حلال یا حرام تھی۔ مردار اور حشرات الارض تک کھاتے تھے۔ البتہ بعض بعض جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے ان کا ذبح کرنا گناہ سمجھتے تھے۔ بعض جانوروں میں یہ تدرمانتے تھے کہ مرد کھا سکتے ہیں، عورتیں نہیں۔ اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو مرد و عورت دونوں کھا سکتے تھے اور زندہ ہوں تو صرف مرد

کھائیں۔ اسی قسم کے اور بعض ہت پرستانہ رسوم تھے۔ سورہ انعام میں جو مکہ میں نازل ہوئی تھی، ان رسوم کا یہ تفصیل ذکر ہے۔ اسلام کے اکثر احکام کو مدینہ میں اتارے لیکن ماکولات کی حلت و حرمت کے احکام مکہ ہی میں اتارنے شروع ہو چکے تھے۔

سورہ انعام اور سورہ نحل میں چار چیزیں مردار، خون، سوراخوں پر چڑھا دے حرام بیان کی گئیں۔ مدینہ طیبہ میں آکر پہلے سورہ بقرہ میں تیسری بار یہ محرمات اربعہ بیان کئے گئے۔ مسلمانوں کی مالی حالت جیسے جیسے درست ہوتی جاتی تھی حلال و حرام کی تفریق بڑھتی جاتی تھی۔ لوگ عموماً مردار اسی کو سمجھتے تھے جو بیمار ہو کر اپنی موت سے مر جائے۔ اس لئے اگر اور کسی سبب سے جانور مر جاتا تو اس کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ ہجرت کے چار پانچ سال کے بعد سورہ مائدہ میں مردار (میتہ) کی تفصیل بیان کی گئی۔ یعنی یہ کہ زیادہ گلا گھٹنے سے مرا ہوا گردن ٹوٹنے سے مرا ہوا اوپر سے گر کر مرا ہوا یا کسی جانور کا سینگ لگ کر مر گیا ہو یا کسی جانور نے اس کو پھاڑ ڈالا ہو۔ صرف وہ جانور حلال ہے جس کو تم نے ذبح کیا۔

شہد میں جب مسلمانوں کو خیمبر کی فتوحات اور جاگیریں ملنے لگیں، تو جانوروں میں بھی حلال و حرام کی تفریق کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ آج سے گدھا، درندہ جانور اور پنچہ دار پرند حرام ہیں۔ شہد میں فتح مکہ کے بعد طے کے قبیلہ نے جو عیسائی تھا اسلام قبول کیا اور شام کے بعض عیسائی مسلمان ہوئے۔ یہ لوگ شکاری کتے پالتے تھے اور ان سے شکار کرتے تھے۔ اسلام لانے پر ان کو معلوم ہوا کہ مردہ جانور حرام ہیں۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا حال عرض کیا۔ اس پر یہ آیت اتاری۔

”تجو سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا۔ کہہ دے کہ تمام مستحری

چیزیں۔“

اس کے بعد یہ تفصیل ہے کہ شکاری جانور اگر سدھے ہوئے ہوں اور خدا کا نام لے کر چھوڑے جائیں تو ان کا شکار کیا ہوا کھانا حلال ہے۔

شراب کی حرمت

عرب کو شراب سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہ تھی۔ تمام ملک اس مرض میں مبتلا تھا۔ عرب

کی شاعری کا موضوع اعظم شراب ہے مصلحت کے لحاظ سے اسلام کے تمام احکام بتدریج آئے ہیں۔ اس لئے شراب بھی بتدریج حرام کی گئی۔

مدینہ میں شراب خوری کا رواج کس قدر زیادہ تھا۔ بڑے بڑے شرفاء علانیہ شراب پیتے تھے۔ عرب میں ایسے بھی نیک لوگ تھے جنہوں نے شراب پینی چھوڑ دی تھی اور اس کو خلاف اتفاق سمجھتے تھے۔ ابھی تک اسلام نے اس کے متعلق کوئی اپنا فیصلہ نہ سنایا تھا۔ لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ شراب کے متعلق کیا حکم ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا:

”اے خدا شراب کے بارے میں ہمارے لئے شافی بیان کر دے۔“

اس پر یہ آیت اتری:-

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ
قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ
لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا
(لقمرہ ۲۲)

لوگ تم سے شراب اور جوئے کی بات دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں۔ لیکن فائدہ سے گناہ بڑھ کر ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی لوگ شراب پیتے رہے۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی دعوت کی جس میں شراب بھی تھی۔ کھانے کے بعد مغرب کا وقت آگیا اور حضرت علیؓ نے نماز پڑھائی لیکن نشہ کے خمار میں کچھ کا کچھ پڑھ گئے۔ حضرت عمرؓ نے پھر دُعا کی کہ خدا یا شراب کے بارے میں صاف صاف بیان کر دے۔ اس پر یہ آیت اتری:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ
حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ۔ (نساء)

نشہ کی حالت میں تم نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ جو تم کہو اس کو بھی سمجھ سکو۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب نماز کا وقت آتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ کوئی مخمور نماز میں شامل نہ ہونے پائے لیکن چونکہ حکم نہ تھا اس لئے نماز کے سوا باقی اوقات میں لوگ بے تکلف پیتے پلاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پھر وہی دُعا کی۔ اسی زمانہ میں کچھ لوگ شراب پی کر اس قدر بدست ہوئے کہ آپس میں مار پیسہ تک نوبت پہنچ گئی۔ اس پر یہ آیت اتری:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ
وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ
رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ
فاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ إِنَّمَا
يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ
وَالْمَيْسِرِ وَيُفْسِدَ كُمُ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ
وَعَنِ الْقُلُوبَةِ فَمَنْ أُنْتَبِهَتْكُمْ
مِنْهُ فَارْتَدَّوْا

مسلمانو! بے شبہ شراب اور جوار اوریت
اور قمار کے تیرنا پاک ہیں، اور شیطان کے
کام ہیں تو تم اس سے باز آؤ کہ تم کو
فلاح حاصل ہو۔ شیطان تو صرف یہ
چاہتا ہے کہ تم لوگوں میں شراب اور
جوئے کے ذریعہ سے دشمنی اور بغض
ڈال دے اور تم کو خدا کی یاد سے اور
نماز سے روک دے۔ تو بولو تم باز
آتے ہو!

(ماخذ)

ان آیتوں کے نزول کے بعد شراب قطعاً حرام ہو گئی۔ اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے مدینہ کے گلی کوچوں میں منادی کرا دی کہ آج سے شراب حرام ہے لیکن باہیں ہمہ شراب کی تجارت
اور خرید و فروخت جاری تھی۔ شہر میں یہ بھی حرام ہو گئی۔ آپ نے مسجد نبوی میں لوگوں کو جمع کر
کے اسی وقت اعلان کیا۔ اس کے بعد اسی سال فتح مکہ کے زمانہ میں آپ نے علی الاعلان ان
چیزوں کی تجارت کی ممانعت فرمائی جن کا کھانا یا رکھنا ناجائز ہے۔ آپ نے فرمایا:-
”خدا اور اس کے رسول نے شراب، مردہ، سوڑا اور بتوں کی خرید و فروخت حرام
کر دی۔“

سود خواری کی حرمت

سود خواری بھی ان اخلاق ذمہ میں سے ہے جو اہل عرب کے رگ و ریشہ میں سرایت
کر گئے تھے۔ اسی لئے نہایت تدریج کے ساتھ اس کی حرمت کے احکام بھی اتارے۔ قریش
عموماً تجارت پیشہ تھے۔ ان میں جو امیر اور دولت مند سوداگر تھے وہ غریبوں اور کاشتکاروں کو
بھاری شرح سود پر روپیہ قرض دیتے اور جب تک قرض وصول نہ ہو جاتا۔ اصل سرمایہ کو ہر سال
بڑھاتے جاتے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباسؓ (اسلام سے پہلے) بہت

بڑے سودی کاروبار کے مالک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو یہودی تاجروں کے سبب سے یہاں مختلف قسم کے سود کا رواج دیکھا۔ سب سے پہلے آپ نے چاندی اور سونے کے ادھار خرید و فروخت کو سود قرار دیا۔ پھر دو گنے اور چو گنے سود لینے کی ممانعت آئی۔ اس کے بعد آپ نے ہم جنس اشیاء کا باہم گھٹ بڑھ کے مبادلہ منع فرمایا۔ پھر میں غزوہ خیبر کے موقع پر مسلمانوں نے یہودی سوداگروں سے لین دین شروع کیا۔ اس وقت آپ نے اعلان فرمایا کہ سونے کو اشرفی کے بجا ڈگھٹا بڑھا کر بیچنا بھی سود ہے۔ سود کی حرمت کے متعلق تفصیل احکام شہد میں نازل ہوئے۔

لوگوں کو یہ اعتراض تھا کہ سود بھی ایک قسم کی تجارت ہے۔ جب تجارت جائز ہے تو سود کیوں حرام ہے۔ آخر پھوڑے ہی وقفہ کے بعد غالباً شہد میں یہ آیت نازل ہوئی:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا
مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ
فَإِن تَعْلَمُوا أَنَا ذُنُوبٌ جَبَرٌ
مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُنْتَهَمُ
فَلَكُمْ دُونُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلُمُونَ
وَلَا تُظْلَمُونَ (البقرہ)

مسلمانو! خدا سے ڈرو اور سود جو باقی
رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر تم
سچے مومن ہو۔ اگر یہ نہ کرو تو خدا اور
رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ
اگر باز آ جاؤ تو تم کو اپنے اس امال
کا حق ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ
تم پر کوئی ظلم کرے۔

آیت جب اتاری تو آپ نے مسجد میں تمام مسلمانوں کو جمع کر کے یہ حکم سنایا۔ شہد
ان سے جو معاہدات صلح ہوئے ان میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ سود نہ لیں گے۔ ذوالحجہ
شہد میں حجۃ الوداع کے موقع پر اس آیت کے نزول سے پہلے تمام ملک عرب میں جس قدر سودی
معاملات تھے، آپ نے سب کو کالعدم قرار دیا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:-

"سود کی حرمت کا حکم اسلام کے سلسلہ احکام کی سب سے آخری کڑی ہے۔"

سالِ اخیر

حجۃ الوداع - اختتامِ فرضِ نبوت

ذوالحجہ ۱۲۸۲ھ مطابق فروردی ۱۳۴۲ھ

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ
 يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ اَنْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ
 رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنََّّهُ كَانَ تَوَّابًا —
 جب خدا کی مدد آگئی اور مکہ فتح ہو چکا اور تو نے
 دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں فوج کی فوج داخل
 ہو رہے ہیں تو خدا کی حمد کی تسبیح پڑھ اور استغفار
 کر۔ خدا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ نصرت اور فتح کے مقابلہ میں شکر کی ہدایت ہونی چاہیے تھی۔ تسبیح اور استغفار کو فتح سے کیا مناسبت ہے؟ اسی بنا پر ایک صحبت میں حضرت عمرؓ نے صحابہ سے اس آیت کے معنی پوچھے۔ لوگوں نے مختلف معنی بتائے۔ حضرت عمرؓ نے عبد اللہ بن عباس کی طرف دیکھا۔ وہ کم سن تھے اور جواب دیتے جھجکتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی ڈھارس بندھائی تو انہوں نے کہا: ”یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و فوات کا اعلان ہے۔ استغفار موت کے لئے مخصوص ہے۔“

اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد آپؐ کو معلوم ہو گیا تھا کہ رحلت کا زمانہ قریب آگیا۔ اس لئے اب ضرورت تھی کہ تمام دنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام اصول اساسی کا مجمع عام میں اعلان کر دیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے زمانہ سے اب تک فریضہ حج ادا نہیں فرمایا تھا۔ ایک مدت تک تو قریش سد راہ رہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد موقع ملا لیکن مصالح اس کے مقتضی تھے کہ یہ فرض سب سے آخر میں ادا کیا جائے۔ بہر حال ذیقعد میں اعلان ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ خبر دفعۃً پھیل گئی اور شرف مہر کابی کے لئے تمام عرب امنڈ آیا۔ سینچر کے دن ذیقعد کی ۲۶ تاریخ کو آپؐ نے غسل فرمایا اور چادر اور تہجد باندھی۔ نماز ظہر کے بعد مدینہ سے باہر نکلے اور تمام ازواج مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے جو مدینہ کی میقات ہے۔ یہاں پہنچ کر شب بھرا قامت فرمائی۔ دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے ہاتھ سے آپؐ کے جسم مبارک میں عطر ملا۔ اس

کے بعد آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر قصوداً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا نام تھا۔
پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہے:-

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ
لَا شَيْءَ لَكَ لَبَّيْكَ۔ اِنِّ الْحَمْدُ
وَالنِّعْمَةُ لَكَ وَالْمُلْكُ لَكَ لَا شَيْءَ
لَكَ۔
اے خدا! ہم تیرے سامنے حاضر ہیں۔
اے خدا تیرا کوئی شریک نہیں۔ ہم حاضر
ہیں تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے
اور سلطنت میں کوئی تیرا شریک نہیں۔

حضرت جابرؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو
اُگے پیچھے، دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی تھی اُدیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم جب لبیک فرماتے تھے تو ہر طرف سے اسی صدائے غلغلہ انگیز کی آواز بازگشت آتی تھی
اور تمام دشت و جبل گونج اٹھتے تھے۔

فتح مکہ میں آپؐ نے جن منازل میں نماز ادا کی تھی وہاں برکت کے خیال سے لوگوں نے
مسجدیں بنالی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مساجد میں نماز ادا کرتے جاتے تھے۔ صرف
پہنچ کر غسل فرمایا۔ دوسرے دن، ثلوار کے روز، ذوالحجہ کی چار تاریخ صبح کے وقت مکہ معظمہ
میں داخل ہوئے۔ مدینہ سے مکہ تک کا یہ سفر نو دن میں طے ہوا۔ خاندان ہاشم کے لڑکوں نے آمد
آمد کی خبر سنی تو خوشی سے باہر نکل آئے۔ آپؐ نے فریادِ محبت سے اونٹ پر کسی کو اُگے اور
کسی کو پیچھے بٹھا لیا۔ کعبہ نظر پڑا تو فرمایا کہ "اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے"۔
پھر کعبہ کا طواف کیا۔ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیمؑ میں دو گانہ ادا کیا اور یہ آیت پڑھی:-
وَ اتَّخِذْ دَامِنَ مَقَامِ اِبْرٰهٖمَ
مُصَلًّی۔
اور مقام ابراہیمؑ کو سجدہ گاہ بناؤ۔

صفا پر پہنچے تو یہ آیت پڑھی:-
اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَابِ
اللہ۔
صفا اور مروہ خدا کی نشانیاں ہیں۔

یہاں سے کعبہ نظر آیا تو یہ الفاظ فرمائے:-

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ
لَهُ الْمُلْكُ وَالْحَمْدُ يَحْيَى وَيَمُوتُ
وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا إِلَهَ إِلَّا
اللَّهُ وَحْدَهُ الْأَنْحُرُ وَعَدَهُ نَصْرُ عَبْدِهِ
وَحُزْمُ الْأَحْزَابِ وَحْدَهُ -

خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا
کوئی شریک نہیں۔ اس کے لئے سلطنت
اور ملک اور حمد ہے۔ وہ مارتا اور جلتا
ہے اور وہ تمام چیزوں پر قادر ہے
کوئی خدا نہیں مگر وہ اکیلا خدا۔ اس نے

اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام قبائل کو شکست دی۔
صفا سے اتر کر مروہ پر تشریف لائے۔ یہاں بھی دعا و تہلیل کی۔ اہل عرب ایام حج میں
عمرہ ناجائز سمجھتے تھے۔ صفا و مروہ کے طواف و سعی سے فارغ ہو کر آپ نے ان لوگوں کو
جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے عمرہ تمام کر کے احرام اتارنے کا حکم دیا۔ بعض صحابہ
نے گزشتہ رسوم مالوفہ کی بنا پر اس حکم کی بجا آوری میں معذرت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا:

”اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہ ہوتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔“
حضرت علیؓ حجة الوداع سے کچھ پہلے میں بھیجے گئے تھے۔ اسی وقت وہ یمنی حاجیوں
کا قافلہ لے کر مکہ میں وارد ہوئے۔ چونکہ ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لئے انہوں
نے احرام نہیں اتارا۔ جمعرات کے روز اٹھویں تاریخ کو آپ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ
منیٰ میں قیام فرمایا۔ دوسرے دن نویں ذوالحجہ کو جمعہ کے روز صبح کی نماز پڑھ کر منیٰ سے
روانہ ہوئے۔

قریش کا معمول تھا کہ جب مکہ سے حج کے لئے نکلتے تھے تو عرفات کے بجائے
مزدلفہ میں قیام کرتے تھے جو حرم کے حدود میں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ قریش نے اگر حرم
کے سوا کسی اور مقام میں مناسک حج ادا کئے تو ان کی شان یکتائی میں فرق آجائے گا۔ لیکن
اسلام کو جو مساوات قائم کرنی تھی اس کے لحاظ سے یہ تخصیص روا نہیں رکھی جاسکتی تھی۔ اس
لئے خدا نے حکم دیا: ثُمَّ ارْتَضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ۔ آپ بھی عام مسلمانوں کے
ساتھ عرفات میں آئے اور یہ اعلان کرا دیا:۔

”اپنے مقدس مقامات میں ٹھہرے رہو کہ تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی وراثت ہو۔“
یعنی عرفہ میں حاجیوں کا قیام حضرت ابراہیمؑ کی یادگار ہے۔ اور ان ہی نے اس مقام کو
اس غرض خاص کے لئے منتخب کیا ہے۔ عرفات میں ایک مقام نمرہ ہے وہاں آپؐ نے ایک
کمل کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ دوپہر ڈھل گئی تو ناقہ (قصواء) پر سوار ہو کر میدان میں آئے اور
ناقہ کے اوپر ہی سے خطبہ پڑھا۔ آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جہاد و جلال کے ساتھ منور
ہوا اور جاہلیت کے تمام یہودہ مراسم کو مٹا دیا۔ اس لئے آپؐ نے فرمایا:۔

الاکل شیئ من امر الجاہلیۃ ماں جاہلیت کے تمام دستور میرے

تحت قدمی موضوع۔ دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔

تکمیل انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگ راہ امتیاز مراتب تھا جو دنیا کی قوموں
نے، تمام مذاہب نے، تمام ممالک نے مختلف صورتوں میں قائم رکھا تھا۔ سلاطین سایہ یزدانی
تھے جن کے آگے کسی کو چون و چرا کی مجال نہ تھی۔ ائمہ مذہب کے ساتھ کوئی شخص مسائل مذہبی
میں گفتگو کا مجاز نہ تھا۔ شرفارزوں سے ایک بالاتر مخلوق تھی۔ غلام آقا کے ہمسر نہیں ہو
سکتے تھے۔ آج یہ تمام تفرقہ، یہ تمام امتیازات، یہ تمام حد بندیاں دفعتاً ٹوٹ گئیں۔

ایہا الناس! لا ان ربکم واحد وان اباکم واحد۔ الا فضل لعربی

علیٰ محمدی ولا لعربی علیٰ عربی ولا حمہ علیٰ اسود ولا اسود علیٰ

احمر الا بالتقویٰ۔ من کل مسلم اخو المسلم وان المسلمین اخوة

ادقاءکم اذقاءکم اطعموہم مصاتا کلون واکسوہم مما تلبون

لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں

عربی کو عجی پیر، عجی کو عربی پیر، سرخ کو سیاہ پیر اور سیاہ کو سرخ پیر کوئی فضیلت نہیں

مگر تقویٰ کے سبب سے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان باہم

بھائی بھائی ہیں۔ تمہارے غلام، تمہارے غلام، جو خود کھاؤ ان کو کھلاؤ۔ جو

خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔

عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوتا تو اس کا انتقام لینا خاندانی

فرض ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ سینکڑوں برس گزر جانے پر بھی یہ فرض باقی رہتا تھا اور اسی بنا پر
 رٹائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا اور عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی
 تھی۔ آج یہ سب سے قدیم رسم، عرب کا سب سے مقدم فخر، خاندان کا پُر فخر مشغلہ، برباد کر
 دیا جاتا ہے اور اس کے لئے نبوت کا منادی سب سے پہلے اپنا نمونہ آپ پیش کرتا ہے۔۔
 ودماء الجاهلیۃ موضوعۃ وان اول دم اضع من وماننا دم
 ابن ربیعہ ابن الحارث۔

جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون)، باطل کر دیئے گئے اور سب سے
 پہلے میں اپنے خاندان کا خون، ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں
 تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا۔ جس سے عرب کا ریشہ ریشہ جکڑا
 ہوا تھا۔ اور ہمیشہ کے لئے وہ اپنے قرض خواہوں کے غلام بن گئے تھے۔ آج وہ دن ہے کہ
 اس جال کا تار تار الگ ہوتا ہے۔ اس فرض کی تکمیل کے لئے بھی معلّم حق سب سے پہلے اپنے
 خاندان کو پیش کرتا ہے۔

وربوی الجاهلیۃ موضوع واول ربا اضع ربانا ربا عباس بن
 عبد المطلب۔

جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان
 کا سود عباس بن عبد المطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔
 آج تک عورتیں ایک جائداد منقولہ تھیں جو قمار بازیوں میں واؤں پر چڑھا دی جا سکتی تھیں
 آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہ مظلوم، یہ صنف لطیف، یہ جوہر نازک قدر وانی کا تاج پہنتا ہے۔
 فاتقوا للہ فی النساء۔ ان لکم علی نساءکم حقاً ولہن علیکم حقاً۔

لہ ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔
 ربیعہ کا ایسا نامی بیٹا قبیلہ بنو سعد میں پرورش پا رہا تھا کہ ہذیل نے اس کو قتل کر ڈالا
 اس کے خون کا انتقام لینا میراث کے طور پر ایک فرض خاندانی چلا آتا تھا۔

عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔
عرب میں جان و مال کی کچھ قیمت نہ تھی۔ جو شخص چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا اور جس کا مال
چاہتا تھا چھین لیتا تھا۔ آج امن و سلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے۔
ان دما نکم و اموالکم علیکم حرام کرمۃ یومکم ہذا فی بلدکم
ہذا الی یوم تلقون ربکم۔

تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ
میں اور اس شہر میں حرام ہے۔

اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے لیکن ان کی بنیاد خود صاحب
شریعت کے تحریری اصول پر نہ تھی۔ ان کو خدا کی طرف سے جو ہدایتیں ملی تھیں بندوں کی ہوس
پرستیوں نے ان کی حقیقت گم کر دی تھی۔ ابدی مذہب کا پیغمبر اپنی زندگی کے بعد ہدایات
ربانی کا مجموعہ خود اپنے ہاتھ سے اپنی امت کو سپرد کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے۔

وانی قد ترکت فیکم ما لن تفلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب
اللہ۔

میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں۔ اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو
گے۔ وہ چیز کیا ہے؟ — کتاب اللہ!

اس کے بعد آپ نے چند اصولی احکام کا اعلان فرمایا۔

• ان اللہ عزوجل قد اطلق کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث۔
خدا نے ہر حق دار کو دار روئے وراثت، اس کا حق دے دیا۔ اب کسی کو وارث
کے حق میں وصیت جائز نہیں۔

• الولد للفراش وللعاهر الحجر وحسابہم علی اللہ۔

لڑکا اُس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو۔ زنا کار کے لئے پتھر ہے اور ان کا حساب
خدا کے ذمہ ہے۔

• من ادعی الی غیرابیہ وانتمی الی غیرموالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ۔

جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے مولیٰ کے سوا کسی اور طرف اپنی نسبت کرے اس پر خدا کی لعنت ہے۔

• **الاولیٰ یحل لامؤۃ ان تعطی من مال زوجہا شیئاً الا باذنہ الذین مقفی والعاریۃ مودۃ والمنحۃ مودودۃ والزعیم غارم۔**
 ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں۔ قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کی جائے، عطیہ لوٹایا جائے۔ غلام تباوان کا ذمہ دار ہے۔

یہ فرما کر آپ نے مجمع عام کی طرف خطاب کیا:
انتہم مسئولون عنی فما انتہم قائلون۔
 تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا۔ تم کیا جواب دو گے؟

صحابہ نے عرض کی:
 ”ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔“
 آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا:
”اللہما شہد۔۔۔ اے خدا تو گواہ رہنا۔“

عین اس وقت جب آپ یہ فرض نبوت ادا کر رہے تھے، یہ آیت اتری:-
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے مذہب اسلام کو انتخاب کر لیا۔

نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز منظر یہ تھا کہ شہنشاہ عالم جس وقت لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں فرمانِ ربانی کا اعلان کر رہا تھا اس کے تخت شاہنشاہی کا مسند و بالیں (کجاوہ اور عرق گیر) ایک روپیہ سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔

خطبہ سے فارغ ہو کر آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا اور ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔ پھر ناقہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے اور وہاں کھڑے ہو کر دیر تک قبلہ رو و نما میں مصروف رہے۔ جب آفتاب ڈوبنے لگا تو آپؐ نے وہاں سے چلنے کی تیاری کی۔ حضرت اسامہؓ ابن زیدؓ کو اونٹ پر پیچھے بٹھایا۔ آپؐ ناقہ کی زمام کھینچے ہوئے تھے، یہاں تک کہ اس کی گردن کجاوے میں آکر لگتی تھی۔ لوگوں کے ہجوم سے ایک اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا۔ لوگوں کو درست راست سے اور بخاری میں ہے کہ کوڑھ سے آپؐ اشارہ کرتے جاتے تھے کہ — اہستہ اہستہ! اور زبان مبارک سے ارشاد فرما رہے تھے:

”لوگو! سکون کے ساتھ۔ لوگو! سکون کے ساتھ۔“

اٹھائے راہ میں ایک جگہ اتر کر طہارت کی۔ اسامہؓ نے کہا:

”یا رسول اللہ! نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے۔“

فرمایا:

”نماز کا موقع آگے آتا ہے۔“

مختصری دیر کے بعد تمام قافلہ کے ساتھ مزدلفہ پہنچے۔ یہاں پہلے مغرب کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد لوگوں نے اپنے اپنے پڑاؤ پر جا کر سوار یوں کو بٹھایا۔ ابھی سامان کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً ہی نماز عشاء کی تکبیر ہوئی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ لیٹ گئے اور صبح تک آرام فرمایا۔ بیچ میں روزانہ دستور کے خلاف عبادت شبانہ کے لئے بیدار نہ ہوئے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ یہی ایک شب ہے جس میں آپؐ نے نماز تہجد ادا نہیں فرمائی۔ صبح سویرے اٹھ کر باجماعت فجر کی نماز پڑھی۔ قریش مزدلفہ سے اس وقت کوچ کرتے تھے جب آفتاب پورا نکل آتا تھا اور اس پاس کی چوٹیوں پر دھوپ چمکنے لگتی تھی۔ اس وقت باواز بلند کہتے تھے:

”کوہ ثبیر دھوپ سے چمک جا۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کے ابطال کے لئے سورج نکلنے سے پہلے یہاں سے کوچ کیا۔ یہ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ اور منیچر کا دن تھا۔

فضل بن عباسؓ آپؐ کے برادرِ عم زاد ناقہ پر ساتھ سوار تھے۔ اہل حاجت داپنے بائیں

حج کے مسائل دریافت کرنے کے لئے آرہے تھے۔ آپ جواب دیتے تھے اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم دیتے جاتے تھے۔ وادی محسر کے راستہ سے آپ حجرۃ کے پاس آئے۔ ابن عباسؓ سے جو اس وقت کم سن تھے فرمایا:

”مجھے کنکریاں چن کر دو“

آپ نے کنکریاں پھینکیں اور لوگوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

ایاکم والغلو فی الدین فانما اھلک
مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو کیونکہ
تلبکم الغلو فی الدین۔
تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئیں۔

اسی اثنا میں آپ یہ بھی فرماتے تھے:

”حج کے مسائل سیکھ لو۔ میں نہیں جانتا شاید کہ اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔“

یہاں سے فارغ ہو کر منیٰ کے میدان میں تشریف لائے۔ واپسے بائیں، آگے پیچھے تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا۔ مہاجرین قبلہ کے واپسے، انصار بائیں اور پیچ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ پر سوار تھے۔ حضرت بلالؓ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی۔ حضرت اسامہؓ بن زیدؓ پیچھے پیچھے کپڑا تان کر سایہ کئے ہوئے تھے۔ آپ نے نظر اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فرائض نبوت کے ۲۳ سالہ نتائج نگاہوں کے سامنے تھے۔ زمین آسمان تک قبول و اعتراف حق کا نور و روشنائی تھا۔ دیوانِ قضا میں انبیائے سابقین کے فرائض تبلیغ کے کارناموں پر ختم رسالت کی مہر ثبت ہو رہی تھی اور دنیا اپنی تخلیق کے لاکھوں برس کے بعد دین فطرت کی تکمیل کا مشرودہ کائنات کے ذرہ ذرہ کی زبان سے سن رہی تھی۔ عین اسی عالم میں زبان حق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام و دھن میں زمزمہ پرواز ہوئی۔ اب ایک نئی شریعت، ایک نئے نظام اور ایک نئے عالم کا آغاز تھا۔ اس بنا پر ارشاد فرمایا:

”ابتدا میں جب خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا زمانہ پھر پھر کے آج پھر اسی نقطہ پر آگیا۔“

ابراہیم خلیل کے طریق عبادت (حج) کا موسم اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا۔ اس کا سبب

یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی قسم کی خون ریزی جائز نہیں تھی۔ اس لئے عربوں کے خون آشام جذبات حیلہ جنگ کے لئے اس کو کبھی گھٹا کبھی بڑھا دیتے تھے۔ آج وہ دن آیا کہ اس اجتماع عظیم کے شہر حرم کی تعین کر دی جائے۔ آپ نے فرمایا:-

”سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں۔ تین تو متواتر مہینے ہیں۔ ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ جو جہاد کی ثانی اور شعبان کے پہلے ہیں۔“

دنیا میں عدل و انصاف اور جو ردِ ستم کا محور صرف تین چیزیں ہیں۔ جان، مال اور آبرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل کے خطبہ میں گو ان کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے لیکن عرب کے صدیوں کے زنگ دور کرنے کے لئے مکرر تاکید کی ضرورت تھی۔ آج آپ نے اس کے لئے عجیب بلیغ انداز اختیار فرمایا۔ لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا:

”کچھ معلوم ہے آج کون سا دن ہے؟“

لوگوں نے عرض کیا کہ ”خدا اور اس کے رسولؐ کو زیادہ علم ہے۔“

آپ دیر تک خاموش رہے۔ لوگ سمجھے کہ شاید آپ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ دیر تک سکوت کے بعد فرمایا، ”کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟“

لوگوں نے کہا، ”ہاں بے شک ہے۔“

پھر ارشاد ہوا، ”یہ کون سا مہینہ ہے؟“

لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا۔ آپ نے پھر دیر تک سکوت کیا اور فرمایا، ”کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟“

لوگوں نے کہا، ”ہاں بے شک ہے۔“

پھر پوچھا، ”یہ کون سا شہر ہے؟“

لوگوں نے بدستور جواب دیا۔ آپ نے اسی طرح دیر تک سکوت کے بعد فرمایا، ”کیا یہ بلدہ الحرام نہیں ہے؟“

لوگوں نے کہا، ”ہاں بے شک ہے۔“

جب سامعین کے دل میں یہ خیال پوری طرح جاگزیں ہو چکا کہ آج کا دن بھی، ہمیشہ بھی اور خود شہر بھی محترم ہے یعنی اس دن اس مقام میں جنگ اور خونریزی جائز نہیں، تب فرمایا: "تو تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تاقیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن، اس ہمیشہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔"

قوموں کی بربادی ہمیشہ آپس کے جنگ و جدال اور باہمی خوں ریزیوں کا نتیجہ رہی ہے۔ وہ پیغمبر جو ایک لازوال قومیت کا بانی بن کر آیا تھا اُس نے اپنے پیروؤں سے باواز بند کہا:۔
 "ماں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔"
 ظلم و ستم کا عالمگیر پہلو یہ تھا کہ اگر خاندان میں سے کسی ایک شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اس خاندان کا ہر شخص اس جرم کا قانونی مجرم سمجھا جاتا تھا۔ اور اکثر اصلی مجرم کے روپوش یا فرار ہو جانے کی صورت میں بادشاہ کا اس خاندان میں سے جس پر قابو چلنا تھا اس کو سزا دیتا تھا۔ باپ کے جرم میں بیٹے کو سولی دی جاتی تھی اور بیٹے کے جرم کا خمیازہ باپ کو اٹھانا پڑتا تھا۔ یہ سخت ظالمانہ قانون تھا جو مدت سے دنیا پر حکمران تھا۔ اگرچہ قرآن مجید نے لَا تَزِرُ وَرُدَّتَا وَذُرَّاءُھِیَا کے وسیع قانون کی رو سے اس ظلم کی ہمیشہ کے لئے بیخ کنی کر دی تھی۔ لیکن اس وقت جب دنیا کا آخری پیغمبر ایک نیا نظام سیاست ترتیب دے رہا تھا اس اصول کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا:

"ماں مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے۔ ماں باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب وہ باپ نہیں۔"

عرب کی بدامنی اور نظام ملک کی بے ترتیبی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ہر شخص اپنی خداوندی کا آپ مدعی تھا اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری کو اپنے لئے ننگ اور عار سمجھتا تھا۔ ارشاد ہوا:۔

"اگر کوئی حبشی بنی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق بے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔"

ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ اس وقت اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا اور خانہ کعبہ ہمیشہ کے لئے ملت ابراہیم کا مرکز بن چکا تھا اور فتنہ پروازانہ قویں پامال ہو چکی تھیں۔ اس بنا پر آپ نے ارشاد فرمایا:

”ہاں شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ اب تمہارے اس شہر میں اس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی لیکن البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کر دے اور وہ اس پر خوش ہوگا۔“

سب سے آخر میں آپ نے اسلام کے فرض اولین یاد دلائے:-

”اپنے پروردگار کو پوجو، پانچوں وقت کی نماز پڑھو، جہینہ کا روزہ رکھا کرو اور میرے احکام کی اطاعت کرو۔ خدا کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

یہ فرما کر آپ نے مجمع کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ”کیوں، میں نے پیغام خداوندی سنا دیا؟“ سب بول اٹھے، ”ہاں!“ فرمایا، ”اے خدا تو گواہ رہنا۔“ پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، ”جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان کو سنا دیں جو موجود نہیں ہیں۔“ خطبہ کے اختتام پر آپ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا۔

اس کے بعد آپ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ”قربانی کے لئے منیٰ کی کچھ تخصیص نہیں ہے بلکہ منیٰ اور مکہ کی ایک ایک گلی میں قربانی ہو سکتی ہے۔“ آپ کے ساتھ قربانی کے سوا دنٹ تھے۔ کچھ تو آپ نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کئے اور باقی حضرت علیؓ کے سپرد کر دیئے کہ وہ ذبح کریں اور حکم دیا کہ گوشت پوست جو کچھ ہو سب نیرت کر دیا جائے یہاں تک کہ قصاب کی مزدوری بھی اس سے ادا نہ کی جائے الگ سے دی جائے۔

قربانی سے فارغ ہو کر آپ نے معمر بن عبد اللہ کو بلوایا اور سر کے بال منڈوائے اور فرط محبت سے کچھ بال خود اپنے دست مبارک سے ابو طلحہؓ انصاری اور ان کی بیوی ام سلیم اور بعض ان لوگوں کو جو پاس بیٹھے تھے عنایت فرمائے اور باقی ابو طلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں کو ایک ایک دودھ کر کے تقسیم کر دیئے۔ اس کے بعد آپ مکہ معظمہ تشریف لائے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اس سے فارغ ہو کر چاہ زمزم کے پاس آئے۔

سچاہ زمزم سے حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت خاندان عبدالمطلب سے متعلق تھی۔ اس وقت اسی خاندان کے لوگ پانی نکال نکال کر لوگوں کو پلا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

”یا بنی عبدالمطلب! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ کو ایسا کرتے دیکھ کر اور لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پانی پیئیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پیتا۔“

حضرت عباسؓ نے ڈول میں پانی نکال کر پیش کیا۔ آپ نے قبلہ رخ کھڑے کھڑے پانی پیا۔ پھر یہاں سے منیٰ واپس تشریف لے گئے اور وہیں نمازِ ظہر ادا فرمائی۔

بقیہ آیام التشریق یعنی ۱۲ روز الحج تک آپ نے مستقل اقامت منیٰ ہی میں فرمائی۔ ہر روز زوال کے بعد رمی جمار کی غرض سے تشریف لے جاتے اور پھر واپس آ جاتے۔ ابو داؤد و باب الخطبہ منیٰ میں ایک حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۲ روز الحج کو بھی منیٰ میں ایک خطبہ دیا تھا جس کے الفاظ مختصراً وہی ہیں جو پہلے خطبوں میں گزر چکے۔ ۱۲ روز الحج کو سہ شنبہ کے دن زوال کے بعد آپ نے یہاں سے نکل کر وادی محصب میں قیام کیا اور شب کو اسی مقام پر آرام فرمایا۔ پچھلے پہر اٹھ کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور خانہ کعبہ کا آخری طواف کر کے وہیں صبح کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد قافلہ اسی وقت اپنے اپنے مقام کو روانہ ہو گیا۔ اور آپ نے ہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ راہ میں ایک مقام خم پڑا جو جہنہ سے تین میل پر ہے۔ یہاں ایک تالاب ہے۔ عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اور اس لئے اس مقام کا نام عام روایتوں میں غدیر خم آتا ہے۔ آپ نے یہاں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا۔

”حمد و ثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی بشر ہوں۔ ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلا آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔ اور دوسری چیز میرے اہل بیت۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔“

آخری جملہ کو آپ نے تین دفعہ مکرر فرمایا۔ یہ صحیح مسلم مناقب حضرت علیؑ کی روایت ہے۔
نسائی، مسند امام احمد، ترمذی، طبرانی، طبری، حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں، جن میں
حضرت علیؑ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے:-
"جس کو میں محبوب ہوں علیؑ بھی اُس کو محبوب ہونا چاہئے۔ الہی جو علیؑ سے محبت
رکھے اُس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علیؑ سے عداوت رکھے اُس سے تو بھی
عداوت رکھ۔"

احادیث میں خاص یہ تصریح نہیں کہ ان الفاظ کے کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی۔ بخاری میں
ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت علیؑ یمن بھیجے گئے تھے جہاں سے واپس آکر وہ حج میں شامل ہوئے
تھے۔ یمن میں انہوں نے اپنے اختیار سے ایک ایسا واقعہ کیا تھا جس کو ان کے بعض ہمراہیوں نے
پسند نہیں کیا۔ ان میں سے ایک صاحب نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ آپ
نے فرمایا، "تو اُس سے زیادہ کا حق تھا۔" عجب نہیں کہ اسی قسم کے شکوک رفع کرنے کے لئے
اس موقع پر آپ نے یہ الفاظ فرمائے۔

مدینہ کے قریب پہنچ کر ذوالحلیفہ میں شب بسر کی۔ صبح کے وقت ایک طرف سے آفتاب
نکلا اور دوسری طرف کو کعبہ نبوی مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ سوا مدینہ پر نظر پڑی تو یہ الفاظ فرمائے:
"خدا بزرگ و برتر ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ بس
اُسی کی سلطنت ہے۔ اسی کے لئے مدح و ستائش ہے۔ وہ ہر بات پر قادر
ہے۔ لوٹ رہے ہیں تو بہ کرتے ہوئے، فرماں بردارانہ، زمین پر پیشانی رکھ
کر، اپنے پروردگار کی مدح و ستائش میں مصروف ہو کر۔ خدا نے اپنا وعدہ سچا کیا
اپنے بندہ کی نصرت کی اور تمام قبائل کو تنہا شکست دی۔"

وفات

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (زمزم)

ربیع الاول ۱۳۶۲ھ مطابق مئی ۱۹۴۲ء

_____ تجہیز و تکفین
 _____ علیہ اقدس
 _____ گفتگو اور خندہ و عیش
 _____ باکس

روح قدسی کو عالم جسمانی میں اسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ تکمیل شریعت اور تزکیہ نفوس کا عظیم الشان کام درجہ کمال تک پہنچ جائے۔ حجۃ الوداع میں یہ فرض اہم ادا ہو چکا۔ توحیدِ کامل اور مکارم اخلاق کے اصول عملاً قائم کر کے عرفات کے مجمع عام میں اعلان کر دیا گیا کہ

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ اَج کے دن میں نے تمہارے دین کو

وَاَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں پوری کر دیں

سورہ فتح کا نزول خاص خاص صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب وفات کی اطلاع دے چکا تھا اور آپ حکم ربانی فَبَشِّرْ بِمُحَمَّدٍ رَکِّکَ وَاسْتَغْفِرُکَ (فتح) کے مطابق زیادہ تر اوقات تسبیح و تہلیل میں بسر فرماتے تھے۔ آپ عموماً ہر سال رمضان المبارک میں دس دن اعتکاف میں بیٹھتے تھے لیکن رمضان سالہ میں بیس دن اعتکاف میں بیٹھتے۔ سال میں ایک دفعہ ماہ رمضان میں آپ پورا قرآن ناموس اکبر کی زبانی سنتے تھے لیکن وفات کے سال دو دفعہ یہ شرف حاصل ہوا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر مناسک حج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ ”مجھے امید نہیں کہ آئندہ سال تم سے مل سکوں“ غدیر خم کے خطبوں میں بھی اسی قسم کے الفاظ ادا ہوئے۔

غزوہ اُحد کے بیان میں گزر چکا ہے کہ شہداء اُحد کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی گئی تھی۔ تمام غزوات میں صرف غزوہ اُحد ہی ایک ایسا غزوہ ہے جس میں مسلمانوں نے سب سے زیادہ یکجہی کے ساتھ جان دی۔ اس لئے اُن کی یاد آپ کے دل میں اس وقت بھی موجود تھی۔ حجۃ الوداع

کے موقع پر تمام مسلمانوں کو اپنے فیض و پدار سے مشرف فرمایا اور ان کو حسرت کے ساتھ وداع کیا۔ شہدائے احد جو بَلِّ هُمْ أَحْيَاء کے مژدہ بانقرا سے فیض یاب تھے اٹھ برس کے بعد آخری دفعہ آپ نے ان کو بھی اپنی زیارت سے مشرف کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور ان کے لئے دُعا فرمائی اور اس رقت انگیز طریقہ سے ان کو وداع کیا کہ جس طرح ایک مرنے والا اپنے زندہ اعزاء کو وداع کرتا ہے۔ اس کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

”میں تم سے پہلے حوض پر جا رہا ہوں۔ اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلا سے جحفہ تک۔ مجھ کو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے۔ مجھے خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کرو گے لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں نہ مبتلا ہو جاؤ اور اس کے لئے آپس میں کشت و خون نہ کرو۔ تو پھر اسی طرح ہلاک ہو جاؤ جس طرح تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔“

راوی کا بیان ہے کہ یہ آخری دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا۔

غزوات میں گزر چکا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ کو حدود شام کے عربوں نے شہید کر ڈالا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اس کا قصاص لینا چاہتے تھے۔ آغازِ علالت سے ایک روز پہلے آپ نے اسامہ بن زید کو مامور کیا کہ وہ فوج لے کر جاؤں اور ان شریروں سے اپنے باپ کا انتقام لیں۔

۱۸ یا ۱۹ صفر ۱ھ میں آدھی رات کو آپ جنت البقیع میں، جو عام مسلمانوں کا قبرستان تھا تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو مزاج ناساز ہوا۔ یہ حضرت میمونہ کی باری کا دن تھا اور روز چہار شنبہ تھا۔ پانچ دن تک آپ اس حالت میں بھی اندرِ عدل و کرم باری باری ایک ایک بیوی کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ دو شنبہ کے دن مرض میں شدت ہوئی، تو ازواجِ مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہ کے گھر قیام فرمائیں۔ خلقِ عظیم کی بنا پر اجازت بھی صاف اور علانیہ نہیں طلب کی۔ بلکہ چچا کہ کل میں کس کے گھر رہوں گا۔ دوسرا دن ۲۰ شنبہ

حضرت عائشہ کے گھر قیام فرمانے کا تھا۔ ازواج مطہرات نے مرضی اقدس مسجد کرمہ عرض کی کہ آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں۔ ضعف اس قدر ہو گیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں بازو تھام کر مشکل حضرت عائشہؓ کے حجرے میں لائے۔

آمدورفت کی قوت جب تک رہی آپؐ مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے۔ سب سے آخری نماز جو آپؐ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی۔ سر میں درد تھا اس لئے سر میں رومال باندھ کر آپؐ تشریف لائے اور نماز ادا کی جس میں سورہ وَالْمُؤْسِلَاتِ عُرْفًا قُرأت فرمائی۔ عشاء کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ "نماز ہو چکی؟"

لوگوں نے عرض کی کہ
"سب کو حضورؐ کا انتظار ہے۔"

مگن میں پانی بھرا کر غسل فرمایا۔ پھر اٹھنا چاہا کہ غش آگیا۔ افاقہ کے بعد پھر فرمایا کہ "نماز ہو چکی؟"

لوگوں نے پھر وہی پہلا جواب دیا۔ آپؐ نے پھر غسل فرمایا اور پھر اٹھنا چاہا تو غش آگیا۔ افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا اور لوگوں نے وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ جسم مبارک پر پانی ڈالا۔ پھر اٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر غشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا کہ "ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔"

حضرت عائشہؓ نے معذرت کی کہ
"یا رسول اللہ! ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب ہیں۔ آپؐ کی جگہ ان سے کھڑا نہ ہوا جائے گا۔"
آپؐ نے پھر یہی حکم دیا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔ چنانچہ کئی دن تک حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔

وفات سے چار دن پہلے جمعرات کو آپؐ نے فرمایا کہ
"دوات کاغذ لاؤ۔ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔"
بعض صحابہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرس کی شدت ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے، جو ہمارے لئے کافی ہے۔“

اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہوا۔ بعض کہتے تھے کہ تعمیل ارشاد کی جائے بعض کچھ اور کہتے تھے۔ اختلاف اور شور وغل زیادہ ہوا تو بعض نے کہا، ”اھجر استفہمو“ خود آپ سے دریافت کر لو۔ لوگ جب پوچھنے لگے، تو آپ نے فرمایا:

”مجھے چھوڑ دو۔ میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ اس کے بعد آپ نے تین وصیتیں فرمائیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ کوئی مشرک عرب میں نہ رہنے پائے۔ دوسری یہ کہ سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپ کے زمانہ میں دستور تھا۔ تیسری وصیت راوی کو یاد نہیں رہی۔

اسی دن ظہر کی نماز کے وقت آپ کی طبیعت کچھ سکون پذیر ہوئی۔ آپ نے حکم دیا کہ پانی کی سات مشکیں آپ پر ڈالی جائیں۔ غسل فرما چکے تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ منہام کر مسجد میں لائے۔ جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹے۔ آپ نے اشارہ سے روکا۔ اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھا لی یعنی آپ کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ کر اور لوگ ارکان ادا کرتے جاتے تھے۔

نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جو آپ کی زندگی کا سب سے آخری خطبہ تھا۔ آپ نے فرمایا:

”خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس د آخرت میں، جو کچھ ہے اس کو قبول کرے لیکن اُس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں۔“

یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔ لوگوں نے اُن کی طرف تعجب سے دیکھا کہ آپ تو ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ یہ رونے کی کون سی بات ہے، لیکن رازِ دیرِ نبوت سمجھ چکا تھا کہ وہ بندہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ نے اپنے تفسیر کا سلسلہ آگے بڑھایا اور فرمایا:

”سب سے زیادہ میں جس کی دوست اور صحبت کا ممنون ہوں وہ ابو بکرؓ ہیں۔ اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی اُمت میں سے اپنا دوست بنا سکتا تو ابو بکرؓ کو بناتا لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے۔ مسجد کے رخ کوئی دیوچہ ابو بکرؓ کے دیوچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے۔ ہاں تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنایا ہے۔ دیکھو تم ایسا نہ کرنا۔ میں منع کر جاتا ہوں۔“

زمانہ علالت میں انصار آپؐ کی عنایات اور مہربانیوں کو یاد کر کے روتے تھے۔ ایک دفعہ اسی حالت میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عباسؓ کا گزر ہوا۔ انہوں نے انصار کو روتے دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ انہوں نے بیان کیا کہ

”حضورؐ کی صحبتیں یاد آتی ہیں۔“

ان میں سے ایک صاحب نے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آج اس کی تلافی کا موقع تھا۔ اس لئے اس کے بعد آپؐ نے انصار کی نسبت لوگوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا:-

”یا ایہا الناس! میں انصار کے معاملہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں۔ عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک۔ وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے۔ اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا ہے۔ وہ میرے جسم میں بمنزلہ معدہ کے ہیں۔ جو تمہارے نفع اور نقصان کا متولی ہو (یعنی جو خلیفہ ہو) اس کو چاہئے کہ ان میں جو نیکو کار ہوں ان کو قبول کرے اور جن سے خطا ہوئی ہو ان کو معاف کرے۔“

اوپر گزر چکا ہے کہ رومیوں کی طرف سے جس فوج کا بھیجنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز کیا تھا اس کی سرکاری اسامہ بن زیدؓ کو تفویض فرمائی تھی۔ اس پر لوگوں نے (ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ وہ منافقین تھے) شکایت کی کہ بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوجوانوں کو مینصب کیوں عطا ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کی نسبت ارشاد فرمایا:-

”اب اسامہ کی سرکاری پرتم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ (زیدؓ) کی سرکاری

پر بھی تم معترض تھے۔ خدا کی قسم! وہ اس منصب کا مستحق تھا اور مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اُس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔“

اسلام اور دیگر مذاہب میں ایک نہایت دقیق فرق یہ ہے کہ اسلام شریعت کے تمام احکام کا واضع اور حاکم براہ راست خدائے پاک کو قرار دیتا ہے۔ پیغمبر کا صرف اسی قدر فرض ہے کہ احکام الہی کو۔۔۔ اپنے قول و عمل کے ذریعہ سے بندوں تک پہنچا دے۔ چونکہ دوسرے مذاہب میں یہ غلط فہمی شرک و کفر تک منجر ہو چکی تھی اور اس کے نتائج پیش نظر تھے۔ اس لئے ارشاد فرمایا:۔

”حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے۔ میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔“

انسان کی جزا و سزا کی بنیاد خود اس کے ذاتی عمل پر ہے۔ آپ نے فرمایا:۔
”ایسے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہؓ اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہؓ! خدا کے ہاں کے لئے کچھ کر لو۔ میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔“

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ حجرہ عائشہؓ میں واپس تشریف لائے۔

آپ کو حضرت فاطمہؓ زہراؓ سے بے حد محبت تھی۔ اثنائے علالت میں ان کو بلا بھیجا۔ تشریف لائیں تو ان سے کچھ کان میں باتیں کیں۔ وہ رونے لگیں۔ پھر بلا کر کچھ کان میں کہا تو وہ نہیں پڑیں۔ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو کہا:

”پہلی دفعہ آپ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا۔ جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تمہی مجھ سے آکر ملو گی تو ہنسنے لگی۔“

یہود اور نصاریٰ نے انبیاء کے مزارات اور یادگاروں کی تعظیم میں جو افراط کی تھی وہ بت پرستی کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ اسلام کا فرض اولین بت پرستی کے رگ و ریشہ کا استیصال کرنا تھا اس لئے حالت مرگ میں جو چیز سب سے زیادہ آپ کے پیش نظر تھی یہی تھی۔ اتفاق سے بعض ازدواج مطہرات نے جو جہنہ ہو آئی تھیں اسی حالت میں وہاں کے عیسائی معبدوں کا اور

اُن کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا :-

”ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتبتا ہے تو اُس کے مقبرے کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں اور اس کا بُت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں۔ قیامت کے روز اللہ عزوجل

کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔“

عین کرب کی شدت میں جب کہ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے تھے اور کبھی گرمی سے گھبرا کر الٹ دیتے تھے حضرت عائشہؓ نے زبان مبارک سے یہ الفاظ سُنے :-

”یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو۔ یہ نہیں دیکھتے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔“

اسی کرب اور بے چینی میں یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں۔

دریافت فرمایا کہ

”عائشہ وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ اُن کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔“

وفات سے ایک دن پہلے انوار کو لوگوں نے دوا پلائی چاہی۔ چونکہ گوارا نہ تھی آپؐ نے انکار فرمایا۔ اسی حالت میں غشی طاری ہو گئی۔ لوگوں نے منہ کھول کر دوا پلا دی۔ اتفاق کے بعد آپؐ کو احساس ہوا تو فرمایا کہ سب کو دوا پلائی جائے۔ معلوم ہوا جن لوگوں نے زبردستی پلائی تھی، ان میں حضرت عباسؓ شامل نہ تھے۔ اس لئے وہ اس حکم سے مستثنیٰ رہے۔ محدثین اس واقعہ کو لکھ کر لکھتے ہیں کہ یہ بشریت کا افتقار تھا۔ یعنی جس طرح بیماروں میں نازک مزاجی آجاتی ہے آپؐ نے بھی اسی طرح یہ حکم دیا تھا۔ لیکن ہمارے نزدیک تو یہ تنک مزاجی نہیں بلکہ لطف طبع تھا۔

مرض میں اشتداد اور تحفیف ہوتی رہتی تھی۔ جس دن وفات ہوئی یعنی دو شنبہ کے روز بظاہر طبیعت کو سکون تھا۔ حجرہ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا۔ آپؐ نے صبح کے وقت پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ فجر کی نماز میں مشغول تھے۔ دیکھ کر مسترت سے سنس پڑے۔ لوگوں نے آہٹ پا کر خیال کیا کہ آپؐ باہر آنا چاہتے ہیں۔ فرط مسترت سے تمام لوگ بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نمازیں ٹوٹ جائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو امام تھے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں۔ آپؐ نے اشارہ

سے روکا اور حجرہ شریف میں داخل ہو کر پردے ڈال دیئے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ اس قدر ضعف تھا کہ آپ پردے بھی اچھی طرح نہ ڈال سکے۔ یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ نے جمالِ اقدس کی زیارت کی۔ حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ آپ کا چہرہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ مصحف کا کوئی ورق ہے یعنی پسید ہو گیا تھا۔

دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا آپ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی اور پھر افاقہ ہو جاتا تھا حضرت فاطمہ زہرا یہ دیکھ کر بولیں:

”واکوب اباہ“ (ہائے میرے باپ کی بے چینی)
آپ نے فرمایا:

”تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا۔“

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیات کو ترجیح دیں، اس حالت میں اکثر آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہتے۔

مَعَ الْكَافِرِينَ اَلْعَمَلُ عَلَيْهِمْ۔
ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام کیا۔

اور کبھی فرماتے:-

اَللّٰهُمَّ نِي الْحَرِيْقِ الْاَعْلٰی۔
خداوند بڑے رقیق ہیں۔

وہ سمجھ گئی کہ اب صرف رفاقتِ امہی مطلوب ہے۔

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکرؓ کے صا جزادے عبدالرحمن خدمتِ اقدس میں آئے۔

آپؐ حضرت عائشہؓ کے سینہ پر سرٹیک کر بیٹے تھے۔ عبدالرحمن کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ مسواک کی

طرف نظر جما کر دیکھا۔ حضرت عائشہؓ سمجھیں کہ آپؐ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ عبدالرحمن سے مسواک

لے کر دانتوں سے نرم کی اور خدمتِ اقدس میں پیش کی۔ آپؐ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک

کی۔ اب وفات کا وقت قریب آ رہا تھا۔ سر پہ تھی۔ سینہ میں سانس کی گھر گھرا ہٹ محسوس ہوتی

تھی۔ اتنے میں لب مبارک ہلے تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے۔

الصلوة وما ملكتم ايما نكلم۔ نماز اور غلام —

پاس پانی کی لگن تھی۔ اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرہ پر ملتے۔ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے اور کبھی ہٹا دیتے تھے۔ اتنے میں ہاتھ اٹھا کر انگلی سے اشارہ کیا اور تین دفعہ فرمایا: بل الرفیق الاعلیٰ۔ اب اور کوئی نہیں بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے۔ یہی کہتے کہتے ہاتھ ٹک آئے۔ آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں اور روح پاک عالم قدس میں پہنچ گئی۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى الْمَوَاحِبِ صَلَوةً كَثِيرًا كَثِيرًا۔

تجہیز و تکفین

تجہیز و تکفین کا کام۔ در سون سہ شنبہ دوئم ربیع الاول کو شروع ہوا۔ اس تاخیر کے

متعدد اسباب تھے۔

۱۔ عقیدت مندوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ حضورؐ نے اس دنیا کو الوداع کہا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے تلوار کھینچ لی کہ جو کہے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس کا سر اڑا دوں گا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے تمام صحابہؓ کے سامنے خطبہ دیا کہ حضورؐ کا اس جہان سے تشریف لے جانا یقینی تھا اور قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور اس ناگزیر واقعہ کا یقین آیا۔

۲۔ اس کے بعد اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ غروب آفتاب سے پہلے تجہیز و تکفین سے

فراغت ہو سکے۔

۳۔ قبر کنی کا کام غسل و کفن کے بعد شروع ہوا اس لئے دیر تک انتظار کرنا پڑا۔

۴۔ جس حجرہ میں آپؐ نے وفات پائی تھی وہیں لوگ علی الترتیب تھوڑے تھوڑے کر

کے جاتے اور نماز جنازہ ادا کرتے تھے۔ اس لئے بھی بڑا دیر لگی اور سہ شنبہ کا دن گزر کر رات

کو فراغت ملی۔

تجہیز و تکفین کی خدمت خاص اعزہ اور اقارب نے انجام دی۔ فضل بن عباسؓ اور اسامہ بن زیدؓ نے پردہ کیا اور حضرت علیؓ نے غسل دیا۔ حضرت عباسؓ بھی موقع پر موجود تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ ان ہی نے پردہ بھی کیا تھا۔ چونکہ اس شرف میں ہر شخص شریک ہونا چاہتا تھا اس لئے حضرت علیؓ نے اندر سے کواڑ بند کر لئے تھے۔ انصار نے دروازہ پر آواز دی کہ "خدا کے لئے ہمارے حقوق کا بھی خیال رکھئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں ہمارا بھی حصہ ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے جیسا کہ واقعہ کا بیان ہے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی کا حق نہیں ہے۔ اس لئے اگر سب کو اجازت دے دی گئی تو کام رہ جائے گا۔"

لیکن انصار کے اصرار پر حضرت علیؓ نے اوس بن خولی انصاری کو جو اصحاب بدر میں تھے اندہ بلا لیا۔ وہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے۔ حضرت علیؓ نے جسم مبارک کو سینہ سے لگا رکھا تھا۔ حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے قثم اور فضل جسم مبارک کی کمرٹی بدلتے تھے اور اسامہ بن زیدؓ اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔

کفن کے لئے پہلے جو کپڑا انتخاب کیا گیا تھا وہ حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبداللہ کی یمن کی بنی ہوئی ایک چادر تھی لیکن بعد کو اتار لی گئی اور تین سوتی سفید کپڑے جو سحول کے بنے ہوئے تھے کفن میں دیئے گئے۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔

غسل و کفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپؐ کو دفن کہاں کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے

کہا: "جی جس مقام پر وفات پاتا ہے وہیں دفن بھی ہوتا ہے۔" چنانچہ نقش مبارک ایٹھا کر اور بستر آٹ کر حجرہ عائشہؓ میں اسی مقام پر قبر کھودنا تجویز ہوا حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ

"آپؐ کو کسی میدان میں اس لئے دفن نہیں کیا گیا کہ آخری لمحوں میں آپؐ کو یہ خیال تھا کہ لوگ غلط عقیدت سے میری قبر کو بھی عبادت گاہ نہ بنالیں۔ میدان میں اس کی دار و گیر مشکل تھی۔ اس لئے

حجرہ کے اندر دفن کیا گیا۔

مدینہ میں دو صاحب قبر کھودنے میں باہر تھے۔ حضرت ابو عبیدہ جراح اور ابو طلحہؓ۔ حضرت ابو عبیدہ اہل مکہ کے دستور کے مطابق غنڈوئی قبر کھودتے تھے۔ اور ابو طلحہؓ مدینہ کے رواج کے مطابق لحدی۔ لوگوں میں اختلاف پیش آیا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "اختلاف مناسب نہیں۔ دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجا جائے جو پہلے آجائے۔" لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجے۔ اتفاق یہ کہ حضرت ابو عبیدہؓ گھر پر موجود نہ تھے۔ ابو طلحہؓ آئے اور ان ہی نے مدینہ کے رواج کے مطابق قبر کھودی جو لحدی یعنی بغلی تھی۔ چونکہ زمین نرم تھی اس لئے جس بستر پر آپؐ نے وفات پائی تھی وہ قبر میں بچھا دیا گیا۔

جنازہ تیار ہو گیا تو لوگ نماز کے لئے ٹوٹے۔ جنازہ حجرہ کے اندر تھا۔ باری باری سے لوگ غوطے غوطے کر کے جاتے تھے۔ پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے نماز پڑھی لیکن امام کوئی نہ تھا۔

جسم مبارک کو حضرت علیؓ، فضل بن عباسؓ، اسامہؓ بن زید اور حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے قبر میں اتارا۔

صلیہ اقدس

آپؐ میانہ غذا اور موزوں اندام تھے۔ رنگ سفید سرخ تھا۔ پیشانی چوڑی اور ابرو پیوستہ تھے۔ بینی مبارک درازی مائل تھی۔ چہرہ ہلکا یعنی بہت پُر گوشت نہ تھا۔ دہانہ کشادہ تھا۔ دندان مبارک بہت پیوستہ نہ تھے۔ گردن اونچی، سر بڑا اور سینہ کشادہ تھا اور فراخ تھا۔ سر کے بال نہ بہت پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے تھے۔ ریش مبارک گھنی تھی۔ چہرہ کھڑا کھڑا تھا۔ آنکھیں سیاہ و سرگئی اور پلکیں بڑی بڑی تھیں۔ شانے پُر گوشت اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں۔ سینہ مبارک پر ناف تک بالوں کی ہلکی تحریر تھی۔ شانہ اورد کلائیوں پر بال تھے۔ ہتھیلیں پُر گوشت اور چوڑی۔

کلاٹیاں لمبی اور پاؤں کی ایڑیاں نازک اور ہلکی تھیں۔ پاؤں کے تلوے پیچ سے ذرا خالی تھے، پیچ سے پانی نکل جاتا تھا۔

آپ کے پسینہ میں ایک طرح کی خوشبو تھی۔ چہرہ مبارک پر پسینہ کے قطرے موتی کی طرح ڈھلکتے تھے۔ جسم مبارک کی جلد نہایت نرم تھی۔

شانوں کے پیچ میں کبوتر کے انڈے کے برابر خاتم نبوت تھی۔ دونوں شانوں کے درمیان ایک ذرا سا بھرا ہوا گوشت کا حصہ تھا جس پر تل تھے اور بال آگے ہوئے تھے۔ اسی کو مہر نبوت کہتے تھے۔

سر کے بال اکثر شانے تک ٹکے رہتے تھے۔ اخیر اخیر زمانے میں مانگ نکالنے لگے بالوں میں اکثر تیل ڈالتے اور ایک دن پیچ کنگھی کرتے تھے۔ ریش مبارک میں گنتی کے چند بال سفید ہونے پائے تھے۔

رفتار بہت تیز تھی۔ چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا ڈھلوان زمین پر اتر رہے ہیں ضعیف روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ تھا یعنی زمین پر جسم اقدس کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتیں صحت سے خالی اور ناقابل اعتبار ہیں۔

گفتگو اور حسن و تناسل

گفتگو بہت شیریں اور دلآویز تھی۔ بہت ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے۔ معمول تھا کہ ایک ایک بات کو تین تین دفعہ فرماتے۔ جس بات پر زور دینا ہوتا بار بار اس کا اعادہ فرماتے۔ حالت گفتگو میں اکثر نگاہ آسمان کی طرف ہوتی تھی۔ آواز بلند تھی۔ آپ ہمیشہ متفکر رہتے تھے اکثر چپ رہتے اور بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے۔ ایک ایک فقرہ الگ، صاف اور واضح ہوتا تھا۔ ہاتھ سے اشارہ فرماتے تو پورا ہاتھ اٹھاتے۔ کسی بات پر تعجب کرتے تو ہتھیلی کا رُخ پلٹ دیتے۔ تقریر میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے۔ بات کرتے کرتے جب کسی مسرت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھیں نیچی ہو جاتیں۔ ہنستے بہت کم تھے۔ ہنسی آتی تو مسکرا دیتے اور یہی آپ کی ہنسی تھی۔

لباس

لباس کے متعلق کسی قسم کا التزام نہ تھا۔ عام لباس چادر، قمیص اور تنہد تھی۔ موزوں کی عادت نہ تھی۔ عمامہ کا شہدہ کبھی دوش مبارک پر کبھی دونوں شانوں کے بیچ میں پڑا رہتا تھا۔ عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ عمامہ کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ہوتی تھی۔ اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہیں فرمائی۔ سرخ، سبز، زعفرانی ہر رنگ کے کپڑے پہنے ہیں لیکن سفید رنگ بہت مرغوب تھا۔ اس قسم کی چادر بھی استعمال فرمائی ہے جس پر کجاوے کی شکل بنی ہوئی تھی۔ نعلین مبارک اس طرز کے تھے جس کو اس ملک میں چپل کہتے ہیں۔ یہ صرف ایک تلاء ہوتا تھا جس میں تسمے لگے ہوتے تھے۔ بچھونا چمڑے کا گدا ہوتا تھا جس میں ردی کے بجائے کھجور کے پتے ہوتے تھے۔ چار پائی بان کی بنی ہوئی تھی جس سے اکثر جسم پر بدھیاں پڑ جاتی تھیں۔

گو تکلف اور جاہ پسندی سے آپ کو نفرت تھی لیکن کبھی کبھی آپ نہایت قیمتی اور خوش نما لباس بھی زیب تن فرماتے تھے۔ مزاج میں لطافت تھی۔ ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ "اس سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ کپڑے دھویا کرے۔"

خوشبو آپ کو بہت پسند تھی۔ کوئی خوشبو کی چیز ہر جگہ بھینچتا تو کبھی رد نہ فرماتے۔ کبھی کبھی مجلس عالی میں خوشبو کی انگیٹیاں جلائی جاتیں جن میں اگر اور کبھی کبھی کا فور ہوتا۔ خنا کی بو ناگوار تھی ایک شخص کے بال پر نشان دیکھے تو فرمایا کہ "اس سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ بالوں کو درست کرے۔"

مسجد نبوی میں جھاڑو دینے کا التزام تھا۔ ام نجمن نام ایک عورت جھاڑو دیا کرتی تھی۔ عرب کی عادت تھی اور آج بھی بدویوں میں عموماً پائی جاتی ہے کہ راستہ میں بول و براز کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نہایت ناپسند فرماتے اور اس سے منع کرتے تھے۔ بودار چیزوں مثلاً پیاز، لہسن اور مولیٰ سے نفرت تھی۔ یہ چیزیں کھا کر لوگ مسجد میں نہ آئیں۔

اشاریہ

حضرت حمزہؓ اور عمرؓ کا اسلام ۱۰۰	عرب کی وجہ تسمیہ ۲۳
ہجرت حبش ۱۰۸	عرب کا جغرافیہ ۲۴
شعب ابوطالب میں محصور ہونا ۱۱۴	عرب کے اقوام و قبائل ۳۸
حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کی وفات ۱۱۷	عرب کی قدیم حکومتیں ۴۴
قبائل کا دورہ ۱۲۰	عرب کے مذاہب ۵۱
بیعت عقبہ اولیٰ ۱۳۰	حضرت اسماعیلؑ کی قربانی ۶۱
بیعت عقبہ ثانی ۱۳۱	حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ۶۳
مسیحی نبویؑ اور ازواج مطہرات کے مجروحوں کی تعمیر ۴۶	حلیہ سعیدہ (رضاعی والدہ) ۷۲
اذان کی ابتدا ۱۴۹	حارث (رضاعی باپ) ۷۳
مواخاۃ ۱۵۰	رضاعی بھائی بہن ۷۴
صفہ اور اصحاب صفہ ۱۵۴	مدینہ کا سفر ۷۵
مدینہ کے یہود سے معاہدہ ۱۵۶	شام کا سفر ۷۷
تحويل قبلہ ۱۶۱	حرب فجار کی شرکت ۷۹
غزوہ سویق ۱۸۸	تعمیر کعبہ ۸۱
حضرت فاطمہ الزہراؓ کی شادی ۱۸۹	شغل تجارت ۸۳
سریہ الوسلۃ ۲۱۱	تزوید خدیجہؓ ۸۵
سریہ ابن انیس ۲۱۲	احبابِ خاص ۸۸

پیشین گوئی روم کا اثر ۳۴۱

صلح حدیبیہ کا اثر ۳۴۲

فتح مکہ کا اثر ۳۴۳

۳۴۴ یمن

۳۴۵ نجران

۳۵۰ بحرین

۳۵۱ عمان

۳۵۶ مزینہ

۳۵۶ بنو تمیم

۳۵۸ بنو سعد

۳۵۹ اشعریین

۳۵۹ دوس

۳۶۰ بنو حوث بن کعب

۳۶۰ قبیلہ طے

۳۶۱ عدی بن حاتم

۳۶۲ وفد ثقیف

۳۶۵ وفد نجران

۳۶۶ بنو اسد

۳۶۷ بنو قریظہ

۳۶۷ کسندہ

۳۶۸ عبدالقیس

۳۶۹ بنو عامر

۳۷۳ انتظام ملکی

بیسر معونہ ۲۱۲

واقعہ ربیع ۲۱۳

قتل کعب بن اشرف ۲۲۴

غزوہ بنو نظیر ۲۲۵

حضرت جویریہ کا واقعہ ۲۲۱

واقعہ انک ۲۲۲

بنو قریظہ کا خاتمہ ۲۲۴

حضرت زینبؓ سے نکاح ۲۲۶

بیعت رضوان ۲۵۴

تقسیم زمین ۲۸۳

ملکی حالات اور احکام فقہی ۲۸۴

وادی القریٰ اور فدک ۲۸۵

ادائے عمرہ ۲۸۷

خطبہ فتح ۳۰۰

خزائن حرم ۳۰۴

اوطاس ۳۱۳

محاصرہ طائف ۳۱۴

تقسیم غنائم ۳۱۵

ایلات اور تخمیر ۳۲۱

غزوہ تبوک ۳۲۷

مسیح ضرار ۳۳۰

ضداد بن ثعلبہ کا اسلام ۳۳۷

حضرت ابوذرؓ کا اسلام ۳۳۸

نماز جمعہ و عیدین ۳۹۸	مصلین زکوٰۃ و جزئیہ ۲۷۷
صلوۃ خوف ۳۹۹	غیر قوموں سے معاہدے ۲۸۱
روزہ ۳۹۹	اصناف محاصل و مخارج ۲۸۳
زکوٰۃ ۴۰۱	جاگیریں اور افتادہ زمینوں کی آبادی ۲۸۵
حج ۴۰۱	مذہبی انتظامات ۲۸۷
وصیت ۴۰۰	تعلیم و تربیت ۲۸۷
وقف ۴۰۰	مساجد کی تعمیر ۲۸۸
نکاح و طلاق ۴۰۷	ائمہ نماز کا تقررہ ۳۹۰
حدود و تعزیرات ۴۰۸	مؤذنین ۳۹۲
شراب کی حرمت ۴۱۱	عقائد اور اسلام کے اصول و یقین ۳۹۳
سود و خوارق کی حرمت ۴۱۳	عبادات ۳۹۵

247

سیر النبی ﷺ

تلخیص

تالیف

مولانا شبلی نعمانی

تلخیص

احسان بی۔ اے



مقبول ایڈری

۱۹۹۔ سکر رڈ چوک انارکلی لاہور

